قال اللہ تعالیٰ

ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا او قال اوحی الیّ ولم یوح الیہ شیء

(۶ : ۹۳)

رئیسِ قادیاں

یعنی جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدعی نبوت و مسیحیت کے صحیح و مستند حالات

جلد اوّل

جسے خاکسار ابو القاسم رفیق دلاوری مؤلف "سیرت کبریٰ" "ائمہ تلبیس" "سوانح کربلا" وغیرہ نے

"دار التصنیف" لاہور کیلئے مدوّن کیا

اور

اتحاد پریس لاہور میں طبع کرا کر شائع کیا

طبع اول نومبر ۱۹۳۰ء — قیمت قسم اول ڈیڑھ روپیہ — قسم دوم سوا روپیہ

ملنے کا پتہ: دار التصنیف ملینک روڈ - لاہور

مفید اور قابل قدر کتابیں

ترغیب وترہیب منذری (مترجم اردو) حدیث کی نہایت مستند کتاب ہے۔ قیمت حصہ اول ساڑھے تین روپے (۳/۸)

تلخیص الصحاح۔ یہ کتاب جامع الاصول من احادیث الرسول کا اردو ترجمہ ہے جو صحاح ستہ کا خلاصہ ہے صحاح ستہ کے سمجھنے کے لئے بڑی مددگار ہے چھ جلدیں۔ قیمت فی جلد پونے دو روپے (۱۲/۱)

سیرۃ ابن ہشام (اردو ترجمہ) یہی وہ کتاب ہے جو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر سب سے پہلے لکھی گئی تھی قیمت د

غنیۃ الطالبین حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب کا اردو ترجمہ قیمت دو روپے بارہ آنہ (۱۲/۲)

لغات الاحادیث والاخبار۔ یہ کتاب جس میں احادیث کے مشکل لغات کو حل کیا گیا ہے ۹ حصوں میں ہے جن میں سے حصے چھپ چکے ہیں۔ قیمت پانچوں حصوں کی ایک روپیہ ایک آنہ۔

مجربات سیوطی (اردو ترجمہ) یہ کتاب طب صنعت وحرفت اور بہت سے دوسرے علوم وفنون پر مشتمل ہے نہایت عجیب کتاب ہے قیمہ

سیرۃ النعمان یعنی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سوانح عمری مرتبہ شمس العلماء شبلی نعمانی قیمت ایک روپیہ

زندگی مصنفہ چودھری افضل حق صاحب رکن مجلس احرار۔ پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے اس کتاب کو بہترین تصنیف قرار دے کر اول درجہ کا انعام دیا تھا۔ بے جلد پونے دو روپے۔ مجلد ومطلا سوا دو روپے۔

جواہرات۔ یہ کتاب بھی دلگداز افسانوں کا مرقع ہے چودھری افضل حق صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہے قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

غازی صلاح الدین ایوبی صلیب و ہلال کی آویزش کا مرقع اور مسلمان کے لئے سراسر پیام عمل ہے۔ مولفہ ایم۔ ایم اسلم مجلد قیمت ڈیڑھ

تعمیر نو مسٹر عبداللہ انور بیگ ایم اے نے اس کتاب میں قصر اسلامی کی دوبارہ تعمیر کے اصول اور کیفیات پر مبسوط بحث کی ہے اور مسلمان کیونکر اپنی سابقہ شوکت سے ہمکنار ہوسکتے ہیں تقریباً دو سو صفحات مجلد قیمت سوا روپیہ۔

حرمت متعہ۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ متعہ یعنی عارضی نکاح زنا ہی کی ایک قسم ہے قیمت چھ آنے۔

مخزن مفردات یا خواص الادویات۔ اس میں مفرد دواؤں کے خواص و تاثیرات مذکور ہیں قیمت بارہ آنے

استاد روزگار۔ اس میں ہر قسم کی صنعت وحرفت کے تجربے بیان کئے گئے ہیں قیمت بلا جلد ڈیڑھ روپیہ مجلد جس پر سنہری حروف میں کتاب کا نا

استاد صابون سازی۔ اس میں ہر قسم کے دیسی اور ولایتی صابون بنانے کی ترکیبیں درج ہیں۔ قیمت ایک روپیہ

استاد رنگریزاں۔ اس میں سوتی ریشمی اونی ہر قسم کے کپڑے رنگنے کی ترکیبیں درج ہیں قیمت آٹھ آنے

استاد حلوائی۔ ہر قسم کی نفیس مٹھائیاں بنانے کی ترکیبیں۔ قیمت بارہ آنے

خوان نعمت۔ اس میں ہر قسم کے دیسی اور انگریزی کھانوں کی ترکیبیں درج ہیں قیمت دس آنے۔

ان کے علاوہ فرمائش آنے پر وہ تمام کتابیں بھی نرخ بازار پر بھیجی جاتی ہیں جو لاہور میں میسر آسکتی ہیں اور ان کا پڑھنا از شرع گناہ نہیں ہے۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ:۔ منیجر دار التصنیف نمبر ۸ فلیمنگ روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد خاتم النبیین والہ وصحبہ اجمعین

جن حضرات نے خاکسار راقم الحروف کی کتاب "ائمہ تلبیس" کا مطالعہ فرمایا ہے ان سے یہ حقیقت مخفی نہ ہوگی کہ ملت اسلام پر ی صدی کا شاید کوئی ربع ایسا نہیں گزرا جس میں تقدس و کبریائی کا کوئی نہ کوئی نیا دکاندار ظاہر ہو کر عامۃ المسلمین کے لئے ایک نہ عظیم نہ بن جاتا ہو ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی انہی فتنوں کی یادگار ہیں۔ چونکہ قادیانی صاحب ہمیشہ یہ پروپیگنڈا تے رہے کہ نجات آخرت کا مدار میرے اتباع پر ہے اور جو کوئی مجھے مہدی اور مسیح نہیں مانتا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے ں لئے ہر مسلمان کو حق پہنچتا ہے کہ مرزائی تعلّیوں پر تبصرہ کرے اور ان دعووں کو واقعات کی روشنی میں پرکھے۔

گزشتہ نصف صدی میں فتنۂ مرزائیت کے خلاف ہزاروں لاکھوں کتابیں شائع ہوئیں لیکن کسی مصنف نے خود مدعی ہے کے پوست کندہ حالات لکھ کر قادیانی لن ترانیوں کا طلسم نہ توڑا اور اس طرح قادیانی تقدس کی دسیسہ کاریاں ۂ خفا میں پڑی رہیں۔ حالانکہ اگر قادیانی دکان آرائی کے صحیح واقعات منظر عام پر آجاتے تو پھر کسی اختلافی مسئلہ پر بحث و اظرہ کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ انجام کار خاکسار راقم الحروف نے اس ضرورت کا احساس کیا اور موفق حقیقی نے اپنی رحمت ی سے اس عاجز کو اس کام کی طرف متوجہ کردیا چنانچہ اس احقر العباد نے قریباً ڈیڑھ سال کی محنت شاقہ کے بعد قادیانی نبی کے سوانح حیات مدون کئے جن کو تین جلدوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔

میں نے ابواب کی ترتیب میں عموماً واقعات کی ترتیب وقوع کا لحاظ رکھا ہے البتہ بعض ضرورتوں اور مناسبتوں کے سے کہیں اس کے خلاف بھی کردیا ہے مثلاً وہ چند ابواب جو جلد اول کے آخر میں درج ہیں اور جن کو وقوع کے لحاظ سے ری جلد میں جگہ ملنی چاہئے تھی۔ اندراج میں مقدم کردیئے گئے ہیں۔ ترتیب معہود کو نظر انداز کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ر ایسے ابواب جن کو باہم مناسبت رکھنے کی وجہ سے ایک ہی مقام پر درج کرنا مناسب تھا ان کے لئے پہلی جلد میں قطعاً گنجائش ہ اس لئے ان کی جگہ دوسری جلد کے چند ابواب پہلی جلد کے آخر میں درج کرکے ان کو دوسری جلد کے لئے ملتوی و مؤخر کردیا۔

مرزائیوں نے ازراہ نادانی اپنے مقتدا کو "سلطان القلم" کا لقب دے رکھا ہے حالانکہ وہ اردو کی دس سطریں بھی صحت کے ساتھ نہ لکھ تھے میں نے اس کتاب میں کہیں کہیں مسیح صاحب کی عبارتوں کو درست کردیا ہے لیکن اکثر جگہ ان کو بلا اصلاح ہی چھوڑ دیا ہے مرزا جی میں یہ تھا کہ تحریر میں بڑے طوالت پسند تھے جو مقصد دو تین سطروں میں بسہولت ادا ہوسکتا ہے اس کے اظہار میں نصف صفحہ سیاہ کر ڈالتے س لئے میں نے بعض جگہ ان کی پوری عبارتیں درج نہیں کیں بلکہ ان کا خلاصۂ مفہوم یا ضروری اقتباس دے دیا ہے کیونکہ اگر لاطائل سے احتراز نہ کیا جاتا تو کتاب کی ضخامت بیکار بڑھ جاتی۔

خاکسار
ابوالقاسم رفیق دلاوری عفی اللہ عنہ

لاہور
۲۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء

فہرستِ مضامین "رئیسِ قادیاں" جلد اول

صفحہ	باب

جلد اوّل

باب ۱۔ نام اور پیدائش

والدین نے رئیس قادیاں کا نام ابتداء میں دسوندی رکھا تھا۔ (تکذیب براہین احمدیہ ص ۱۴۷) لیکن سندھی کے نام سے بھی مخاطب کئے جاتے تھے جو ایک ہندوانہ اور مشرکانہ نام ہے۔ میاں بشیر احمد صاحب ایم اے نے جو مسیح قادیاں کے منجھلے صاحبزادہ ہیں اس تسمیہ کی یہ وجہ بتائی ہے کہ اس زمانہ میں دستور تھا کہ چھوٹے بچے کو پیار سے سندھی کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ جس بچے کے گلے میں سیندھی (ہنسلی) ڈال کر غیر اللہ کی نذر پوری کی جاتی تھی اس کا نام عموماً سندھی رکھ دیتے تھے (سیرۃ المہدی مؤلفہ مرزا بشیر احمد جلد اول ص ۳۶) لیکن معلوم نہیں کہ مرزا صاحب کا نام دسوندی یا سندھی سے غلام احمد کب اور کیونکر ہو گیا؟ ممکن ہے کہ مرزا صاحب نے ہوش سنبھالنے کے بعد خود ہی یہ نام تجویز کرا لیا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ والدین نے رکھا ہو۔ دسوندی بیگ عرف مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ میری پیدائش موضع قادیاں ضلع گورداسپور میں ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی اور ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں میری عمر سولہ یا سترہ سال کی تھی؟ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کے والد مرزا غلام مرتضٰی نے ۱۸۷۶ء میں انتقال کیا۔ (سیرۃ مسیح موعود مؤلفہ مرزا محمود احمد صاحب ص ۱۸) اور خود مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا ہے کہ جب میرے والد نے دنیا کو چھوڑا تو اس وقت میری عمر چونتیس یا پینتیس سال کی تھی۔ (کتاب البریہ ص ۱۵۹) تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کی ولادت ۱۸۴۱ء یا ۱۸۴۲ء میں ہوئی تھی۔ یہ وہ بحران انقلاب کے دن تھے جبکہ قضا و قدر کا دست کارفرما پنجاب میں سکھوں کی بساط سیاست کو الٹ کر انگریزی حکومت کے قیام کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ مسیح قادیاں نے اپنی پیدائش کے متعلق لکھا ہے کہ میں توأم پیدا ہوا تھا اور میرے ساتھ ایک لڑکی تھی جس کا نام جنّت تھا۔ اور میرا یہ الہام کہ یا ادم اسکُن اَنتَ وَزَوجُکَ الجَنَّۃَ (اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں سکونت رکھو) جو آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے اس میں جو جنّت کا لفظ ہے اس میں یہ ایک لطیف اشارہ ہے کہ وہ لڑکی جو میرے ساتھ پیدا ہوئی اس کا نام جنّت تھا اور یہ لڑکی صرف سات ماہ تک زندہ رہ کر فوت ہو گئی تھی۔ پہلے وہ پیٹ میں سے نکلی تھی اور اس کے بعد میں نکلا تھا۔ (تریاق القلوب مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب تقطیع کلاں ص ۱۵۷) ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کے اس بیان کی تصدیق یا تکذیب تو وہی دایہ کر سکتی ہے جس نے مرزا صاحب کو جنا یا اور لڑکے لڑکی کو اپنی آنکھوں سے پیدا ہوتے دیکھا۔ اور چونکہ وہ دائی یا اس زمانہ کی دوسری عورتیں آغوش لحد میں جا چکی ہیں اس لئے توأم پیدا ہونے کے متعلق مرزا صاحب کے دعوے کی تصدیق یا تکذیب محال ہے۔ تاہم مرزا صاحب کے بے شمار دوسرے مَن گھڑت افسانوں پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہنا بیجا نہیں کہ توأم پیدائش کا قصہ دراصل مرزا صاحب ہی کے مخیّلۂ دماغ کی پیداوار ہے۔

شیخ ابن عربیؒ کی پیشنگوئی کا مصداق مرزا صاحب کو اس افسانہ تراشی کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ شیخ اکبرؒ نے اپنی کتاب "فصوص الحکم" میں خاتم الاولیاء کی ایک علامت یہ لکھی ہے کہ وہ توأم پیدا ہوگا۔ چنانچہ مرزا صاحب شیخ اکبرؒ کی پیشین گوئی کو اپنے اوپر منطبق وچسپاں کرنے کے لئے "تریاق القلوب" میں لکھتے ہیں "شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فصوص الحکم (فص شیث) میں لکھا ہے کہ آخری کامل انسان ایک لڑکا ہوگا جو چین میں پیدا ہوگا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قوم مغل اور ترک میں سے ہوگا اور ضروری ہے کہ عجم میں سے ہوگا نہ عرب میں سے۔ اور اُسکو وہ علوم اور اسرار دئے جائیں گے جو شیث کو دئے گئے تھے اور اس کے بعد کوئی اور ولد نہ ہوگا اور وہ خاتم الاولاد ہوگا یعنی اس کی وفات کے بعد کوئی کامل بچہ پیدا نہیں ہوگا۔ اور اس فقرہ کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ اپنے باپ کا آخری فرزند ہوگا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوگی جو اس سے پہلے نکلے گی اور وہ اس کے بعد نکلے گا اور اس کا سر اس دختر کے پیروں سے ملا ہُوا ہوگا جیسا کہ میری ولادت اور میری توأم ہمشیرہ کی اسی طرح ظہور میں آئی" (تریاق القلوب مولفہ مرزا غلام احمد صاحب تقطیع کلاں ص ۱۵۸) اب فصوص الحکم کی پیشین گوئی کے اصل الفاظ درج کئے جاتے ہیں تاکہ مرزا صاحب کے دعوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔ شیخ اکبرؒ قرب قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

شیث علیہ السلام کے قدم پر نوع انسانی کا جو آخری فرزند تولد ہوگا وہ شیث علیہ السلام کے علوم وتجلیات کا حامل ہوگا۔ اس کے بعد بنی نوع انسان میں اس قسم کا کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا پس وہ نوع انسانی کی آخری اولاد ہوگا وہ اور اس کی بہن توأم پیدا ہوں گے۔ لڑکی پہلے متولد ہوگی اس کے بعد لڑکا پیدا ہوگا۔ لڑکے کا سر لڑکی کے دونوں پاؤں سے ملا ہوگا۔ یہ لڑکا چین میں پیدا ہوگا اور اس کی زبان بھی چینی ہوگی۔ ان ایام میں مردوں اور عورتوں میں عقم پیدا ہو جائے گا یعنی اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رہے گی۔ نکاح تو بکثرت ہوں گے لیکن اولاد کسی کے نہ ہوگی۔ وہ کامل انسان لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے گا لیکن اس کی آواز پر لبیک کہنے والا کوئی نہ ہوگا آخر جب وہ اور اس کے ہمعصر مومن انتقال کر جائیں گے تو صرف بہائم صفت لوگ پیچھے رہ جائیں گے جو حلال کو حلال اور حرام کو حرام نہیں کہیں گے۔ شہوت پرستی ان کا شیوہ ہوگا اور عقل وشرع سے کام نہیں لیں گے پس انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی (شرح فصوص الحکم مطبوعہ مصر ص ۴۰ - ۴۱)	وعلی قدم شیث یکون آخر مولود یولد من ھذا النوع الانسانی وھو حامل اسرارہ و لیس بعدہ ولد فی ھذا النوع فھو خاتم الاولاد وتولد معہ اخت لہ فتخرج قبلہ ویخرج بعدھا یکون راسہ عند رجلیھا ویکون مولدہ بالصین ولغتہ لغۃ بلدہ ویسری العقم فی الرجال والنساء فیکثر النکاح من غیر ولادۃ و یدعوھم الی اللہ فلا یجاب فاذا قبضہ اللہ وقبض مومنی زمانہ بقی من بقی مثل البھائم لا یحلون حلالا ولا یحرمون حراما یتصرفون بحکم الطبیعۃ شھوۃ مجردۃ عن العقل والشرع فعلیھم تقوم الساعۃ

پیشین گوئی کے حقیقی مصداق کی خصوصیات اس تحریر سے پیشین گوئی کے اصل مصداق کی یہ خصوصیتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) چین میں پیدا ہوگا (۲) اس کی مادری زبان چینی ہوگی (۳) اس کی ولادت کے بعد بنی آدم کا سلسلۂ توالد وتناسل منقطع ہو جائے گا۔ (۴) وہ لوگوں کو اسلام اور عبادت الٰہی کی طرف بلائے گا لیکن ایک انسان بھی اس کی آواز پر کان نہ دھرے

گا (۵) اس کے انتقال کے بعد ایسے بہائم صفت لوگ رہ جائیں گے جنہیں حلال اور حرام کی کوئی تمیز نہ ہوگی (۶) ان لوگوں پر قیامت آجائے گی اور دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مرزا صاحب توام پیدا ہونے کی داستان تراش کر کمال جسارت و دیدہ دلیری سے خاتم الاولیا تو بن گئے لیکن اس دعویٰ سے پہلے اتنا غور کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمائی کہ نہ وہ چین میں پیدا ہوئے نہ اُن کی زبان چینی تھی۔ نہ ان کے زمانہ میں بنی نوع انسان کا سلسلۂ توالد و تناسل منقطع ہوا۔ نہ ان کے وقت میں دنیا کے اندر ایسے لوگ مفقود و ناپید تھے جو حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتے ہوں +

باب ۲ جائے پیدائش اور مرزولوم

قادیاں کی وجہ تسمیہ میں مرزائی خیال آفرینی مرزا غلام احمد صاحب کا مولد و منشأ موضع قادیاں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور تھا۔ وجہ تسمیہ کے متعلق مرزا صاحب اور ان کے پیروؤں کے بیانات کا ماحصل یہ ہے کہ شاہ دہلی کی طرف سے مرزا صاحب کے بزرگوں کو بہت سے دیہات بطور جاگیر ملے تھے۔ انہوں نے ان دیہات کے وسط میں ایک قصبہ اپنی سکونت کے لئے آباد کیا۔ چونکہ منصب قضا بھی ان کے سپرد تھا انہوں نے اس قصبہ کا نام اسلام پور قاضی ماجھی رکھا جب قضا چھوٹ گئی تو صرف قاضیاں رہ گیا۔ پھر ضاد کا تلفظ دال سے بدل کر قادیاں بن گیا۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ قادیاں صرف اسی ایک گاؤں کا نام نہیں جو مرزا غلام احمد کا مولد و منشأ تھا بلکہ پنجاب میں قادیاں کے نام سے اور بھی متعدد گاؤں آباد ہیں خود ضلع گورداسپور میں مرزا صاحب کی قادیاں کے علاوہ ایک اور قادیاں موجود ہے اور مرزا صاحب اور اُن کی امت نے قادیاں کے لفظی ارتقا کے متعلق جو موشگافیاں کی ہیں سرکاری یا غیر سرکاری طور پر ان کی کوئی تصدیق نہیں ہوتی۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ قادیاں کے نام پر جو دوسرے دیہات آباد ہیں وہ بھی اسی لفظی ارتقا کے بوتہ میں تحلیل ہوتے ہوتے قادیاں بنے ہیں حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان دیہات میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آئے ہوں جنہوں نے ان کے نام میں تبدیلیاں کرتے کرتے انہیں قادیاں سے موسوم کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ساری سخن تراشی محض مرزا صاحب کے رشحۂ فکر اور قوت

قادیاں کو دمشق کا لباس مجاز پہنانے کی ناکام کوشش مرزا صاحب نے کتاب کشتی نوح کے صفحہ ۲۹ پر ایک خیالی و ذہنی عمل کے ذریعہ سے اپنے عیسیٰ ابن مریم بن جانے کی صراحت فرما دی ہے۔ جب یہ خیال آفرینی ان کو عیسیٰ ابن مریم بنا چکی اور حضرت مرزا صاحب شب و روز اپنی مسیحیت کا ڈھنڈورا پیٹنے لگے تو ان علمائے امت نے جن کے دل حُبِ اسلام کے جذبہ سے معمور تھے اعتراض کیا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تو دمشق میں نازل ہونے والے تھے جو ملک شام کا صدر مقام ہے اور خلفائے بنی اُمیّہ کا دار الخلافہ رہ چکا ہے اور تم ہندوستان کی ایک سونی اور مبتذل سی بستی میں ظاہر ہوئے ہو" تو رئیس قادیاں نے جواب دیا کہ دمشقی روایت جس میں حضرت مسیح کے دمشق میں نازل ہونے کا ذکر ہے وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم رح نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین امام محمد اسمٰعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے (ازالہ اوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب طبع پنجم ص ۹۳) جب علماء نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ساری امت مرحومہ اس امر پر متفق ہے کہ صحیح بخاری کی طرح صحیح مسلم کی بھی تمام حدیثیں صحیح ہیں بلکہ امام نووی نے صحیح مسلم کو بعض حیثیتوں سے صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے تو حضرت "مسیح موعود" نے

نے اپنے زندقہ و باطنیت کے پیمانے میں سے تحریف بازی کی چند نظر فریب گڑیاں نکال پھینکیں اور بولے کہ اگر آپ لوگ نہیں مانتے تو میں ابھی تمہارے سامنے قادیان ہی کو دمشق ثابت کئے دیتا ہوں۔ سنو "دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر من جانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات و خیالات کے پیرو ہیں دمشق پایۂ تخت یزید ہو چکا ہے اس لئے دمشق کا لفظ بطور استعارہ لیا گیا۔ یہ قصبہ بوجہ اس کے کہ اکثر یزیدی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں دمشق سے مشابہت رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ تشبیہات میں پوری پوری تطبیق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سو خدا تعالیٰ نے اسی عام قاعدہ کے موافق اس قصبہ قادیان کو دمشق سے مشابہت دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیاں کا نام پہلے نوشتوں میں استعارہ کے طور پر دمشق رکھ کر پیشگوئی کی گئی ہوگی۔ (مقتبس از ازالہ اوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب طبع پنجم ص ۳۰ - ۳۱) اس ملحدانہ تحریف کا تو مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں ارتکاب فرمایا لیکن چونکہ خود حضرت مسیح موعود صاحب کا دل بھی اس خرافات کے ذکر پر مطمئن نہیں تھا اس لئے اسلامی تعلیمات کے روشن چہرہ کو مسخ کرنے کا نامبارک ولولہ کر دوبارہ اٹھے اور مزید بدماغی کی داد دہش شروع کر دی۔ آخر بارہ سال کی دماغ سوزی کے بعد حضرت مہدی وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو اپنی زندیقانہ تخریب کا تختہ مشق بنا کر اپنا نام اپنے عالم میں روشن کیا۔ اس سلسلے میں کتاب "تذکرۃ الشہادتین" میں جو ۱۹۰۳ء میں شائع کی یہ کہہ کر لوگوں کو دعوت خندہ و تضحیک دی کہ صحیح بخاری میں میرا تمام حلیہ لکھا ہے اور پہلے مسیح کی نسبت جو بڑا مرکز مشرق یعنی ہند قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح موعود دمشق سے مشرق کی طرف ظاہر ہوگا سو قادیان دمشق سے مشرق کی طرف ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۳۸) یہاں یہ جتلا دینا ضرور ہے کہ نہ تو صحیح بخاری میں مرزا غلام احمد کا کوئی تذکرہ موجود ہے اور نہ یہ لکھا ہے کہ مسیح موعود دمشق سے مشرق کی طرف کسی دور دست گاؤں میں ظاہر ہوگا۔" یہ توہمات قادیانی صاحب کے نظام حواس کی برہمی کے عملی ثبوت ہیں لیکن قسم کی صلی نگاری کے اصل بانی ان کے بے بصر عقیدت مند تھے جو ان کے ہر سیاہ و سپید پر آمنا و صدقنا کہہ کر ان کو ایسی روز افزوں غلط بیانیوں کی جرأت دلاتے

حضرت مہدی علیہ السلام کا مولد و مظہر

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت مہدی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہوں گے۔ ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوگی اور بیت المقدس کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ اخرجہ نعیم بن حماد اور شیخ علی متقی رح نے رسالہ "البرہان فی احوال مہدی آخر الزمان" میں لکھا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام مدینہ منورہ میں متولد ہوں گے۔ مکہ معظمہ میں ظہور فرمائیں گے۔ بیت المقدس کی طرف ہجرت کریں گے اور اسی جگہ انتقال فرمائیں گے۔ (حجج الکرامہ ص ۳۵۸) لیکن اس کے برخلاف امام مستغفری نے "دلائل النبوۃ" میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کرعہ نام ایک گاؤں میں پیدا ہوں گے۔" (ایضاً) اسی طرح میزان الاعتدال میں کامل ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ مہدی ایک گاؤں سے ظاہر ہوں گے جس کا نام کرعہ ہوگا۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۶۱) غرض مہدی علیہ السلام کی جائے ولادت میں روایات مختلف ہیں۔ میرے خیال میں اگر صحیح ہیں تو وہی روایات صحیح ہو سکتی ہیں جن میں صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کا مدینہ منورہ میں متولد ہونا مذکور ہے۔ رہی کرعہ میں پیدا ہونے کی مؤخر الذکر روایتیں

سو وہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں کیونکہ ان کا ایک راوی عبدالوہاب بن ضحاک ضعیف ہے۔ نسائی نے اس کو متروک الحدیث اور دارقطنی نے منکر الحدیث لکھا ہے۔ اور ابو حاتم نے اسے کاذب بتایا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۶۰)

کرعہ کو کدعہ میں تبدیل کرنے کی مرزائی شعبدہ گری

حضرات! آپ نے پڑھا کہ کرعہ والی روایت ایک جھوٹے راوی عبدالوہاب بن ضحاک کا من گھڑت افسانہ ہے لیکن مسیح قادیاں کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ کوئی روایت صحیح ہے یا سقیم۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ یہ دیکھا کرتے تھے کہ کس چیز سے اُن کے آشیانۂ مہدویت و مسیحیت کے لئے کوئی تنکا فراہم ہو سکتا ہے۔ جب کوئی روایت خلافِ مدعا ہوتی تھی تو صحیحین کی متفق علیہ حدیث سے بھی جس کی صحت ساری دنیا کے علماء اور ہر زمانہ کے مسلمانوں کے نزدیک مسلّم رہی ہے روگردان ہو جاتے اور اگر مفید مطلب ہوتی تو چاہے کیسی ہی مبتذل روایت کیوں نہ ہو اُسے صحیح قرار دے کر اپنے پروپیگنڈہ کا آلۂ کار بنا لیتے۔ کرعہ والی روایت کو بھی انہوں نے مفید مطلب سمجھ کر لے لیا اور بساطِ زندقہ پرستی پر قدم رکھ کر اس سے اپنی خانہ ساز مہدیت پر استدلال کرنے لگے۔ اگر محض کسی ضعیف روایت کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے تو کوئی انوکھی بات نہیں تھی کیونکہ دنیا میں تقدس کے جتنے جھوٹے دکاندار گزرے ہیں انہوں نے موضوع اور مجروح روایات کی آڑ لے کر خلقِ خدا کو گمراہ کیا ہے لیکن قادیاں کے "مسیح موعود" میں تو یہ کمال تھا کہ لغو روایات سے مطلب براری تو ایک طرف رہی موضوع یا ضعیف روایتوں میں بھی حسبِ دلخواہ تصرف کر کے ان کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتے تھے چنانچہ مندرجہ ذیل تحریروں سے آپ کو معلوم ہو گا کہ انہوں نے کرعہ کو کدعہ میں تبدیل کر کے کس طرح مطلب براری کی نامراد کوشش کی۔ لکھتے ہیں:۔ "ایسا ہی احادیث میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ مہدی موعود ایسے قصبہ کا رہنے والا ہو گا جس کا نام کدعہ یا کدیہ ہو گا۔ اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ یہ لفظ کدعہ دراصل قادیاں کے لفظ کا مخفف ہے" (کتاب البریہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲۲۵-۲۲۶) دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔ "میری نسبت قرآن کریم نے اس قدر پورے پورے قرائن اور علامات کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک طور سے میرا نام بتلا دیا ہے اور حدیثوں میں کدعہ کے لفظ سے میرے گاؤں کا نام موجود ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۳۸)

لوگ معترض ہیں کہ مرزا نے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے کرعہ کو کدعہ میں تبدیل کر کے اپنے دامنِ تقدس پر بددیانتی کا داغ لگا لیا۔ لیکن میرے نزدیک بددیانتی کا الزام کسی حد تک بے محل ہے "بوقتِ ضرورت" ایک آدھ حرف کو دوسرے حرف سے تبدیل کر لینے میں کوئی لمبی چوڑی بددیانتی لازم نہیں آتی۔ بلکہ سچ پوچھو تو یہ مرزا صاحب کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے کرعہ کی جگہ کدعہ اور کدیہ لکھ کر لغاتِ عرب میں دو لفظوں کا اضافہ فرما دیا۔ ع ایں چہ احسان ہست قربانت شوم۔ البتہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ حضرت "مسیح موعود" صاحب نے آسان طریق چھوڑ کر سنگلاخ راستہ اختیار کیا۔ اگر کرعہ کی روایتوں کے بجائے اُن روایات سے مطلب براری کی کوشش فرماتے جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کا مدینہ طیبہ میں متولد ہونا مذکور ہے تو اُن کے لئے مہدی بننے میں زیادہ سہولت رہتی۔ کیونکہ مدینہ اور قادیاں میں حرف دال مشترک ہے۔ کرعہ کو کدعہ بنا کر قادیاں قرار دینے میں جو تکلف کیا گیا وہ مدینہ کو قادیاں بنا لینے کی صورت میں نہ کرنا پڑتا۔ مؤخر الذکر طریقِ استدلال میں صرف اتنا کہنے کی ضرورت تھی کہ "مدینہ" سے قادیاں مراد ہے کیونکہ دونوں

میں حرف دال موجود ہے۔" لیکن یہ پیرایہ کیوں نہ اختیار کیا؟ اس لئے کہ یہ بقعۂ مطہرہ اسلامی عظمت کا اوّلین گہوارہ جناب حبیب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت اور آپ کا آخری آرام گاہ ہے۔ یہیں سے اسلامی علم و عمل کے سرچشمے پھوٹے اور دنیا حلاوت اندوز رشد و سعادت ہوئی۔ مرزا صاحب سمجھتے تھے کہ مسلمان ان کی تمام تعلّیوں اور لن ترانیوں کو برداشت کریں گے لیکن مدینۃ الرسول کی توہین و تفضیح ہرگز گوارا نہ کریں گے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ قادیانی صاحب نے کرعہ کو تو اپنی توجہ کا مرکز بنایا لیکن مدینہ منورہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

باب ۳۔ خاندان کی تعیین کا گورکھ دھندا

فصل ۱۔ تبدیلئ خاندان کی بوالعجبیاں

یہ بھی ایک دلچسپ معمہ ہے کہ جناب غلام احمد صاحب کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عالم شباب میں جبکہ انہوں نے اپنے تئیں بحیثیت مبلغ اسلام لوگوں سے روشناس کرایا وہ اپنے نام سے پہلے مرزا لکھا کرتے تھے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ مغل خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آٹھ دس سال کے بعد جب ۱۸۹۸ء میں "کتاب البریہ" شائع کی تو اس کے صفحہ ۱۳۴ پر بھی اپنی قوم مغل (برلاس) بتائی اور لکھا کہ میرے بزرگ سمرقند سے پنجاب میں وارد ہوئے تھے۔

خاندان تبدیل کرنے کیلئے کیا کیا رنگ بدلے؟ لیکن بوالعجبی دیکھو کہ اسی کتاب البریہ کے صفحہ ۱۳۵ کے حاشیہ پر یہ بھی لکھ دیا کہ میرے الہامات کے رو سے ہمارے آباد اوّلین فارسی تھے"۔ اس کے بعد غلام احمد صاحب ۱۹۰۰ء تک اسی خیال پر جازم رہے کہ وہ فارسی الاصل ہیں کیونکہ وہ اپنے الہام کے مقابلہ میں خاندانی روایات کو بالکل بے حقیقت اور جھوٹ کا پلندہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے رسالہ اربعین (نمبر ۲ صفحہ ۱۷) میں فرمایا کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے اور کوئی تذکرہ ہمارے خاندان کی تاریخ میں نہیں دیکھا گیا کہ وہ بنی فارس کا خاندان تھا لیکن اب خدا کے کلام سے معلوم ہوا کہ دراصل ہمارا خاندان فارسی خاندان ہے۔ سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں"۔ اس کے ایک سال بعد مسیح صاحب نے ایک اور رنگ بدلا یعنی ۵ نومبر ۱۹۰۱ء کو ایک رسالہ بنام "ایک غلطی کا ازالہ" شائع کیا۔ اس کے صفحہ ۶ پر لکھا کہ میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی"۔ یعنی مرزا صاحب حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے بھی تھے اور ان کے بھائی جناب اسمٰعیل ذبیح علیہ السلام کی اولاد سے بھی"۔ بہرحال اب مسیح صاحب مغل بھی تھے اور فارسی بھی۔ اسرائیلی بھی تھے اور فاطمی بھی لیکن اس سے اگلے سال ان پر ایک اور واہمہ آسوار ہوا جس نے کتاب "تحفہ گولڑویہ" کے صفحہ ۴۰ پر ان سے یہ لکھوا دیا کہ میرے بزرگ چینی حدود سے پنجاب میں پہنچے تھے"۔ اب اس نئے انکشاف کے بعد "مسیح موعود" صاحب کی ذات گرامی پانچ قومیتوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس تحقیق جدید کے تقریباً چھ سال بعد یعنی ۱۹۰۸ء میں جبکہ مسیح صاحب بار حیات سے سبکدوش ہوئے ہیں انہوں نے اپنی کتاب "چشمۂ معرفت (صفحہ ۳۱۶) میں پھر اپنا چینی الاصل ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ لکھا کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے ایک پیشگوئی کی تھی جو میرے پر پوری ہو گئی اور وہ یہ کہ خاتم الخلفا جس کا دوسرا نام مسیح موعود ہے چینی الاصل ہو گا۔

ترک، ایرانی، یہودی، فاطمی اور چینی ہونے کے دعاوی

غرض ان بیانات کے بموجب جناب غلام احمد صاحب مغل، ایرانی، یہودی، سید اور چینی سب کچھ تھے۔ بیانات کی اس کثرت و تنوع سے لوگ حیران و پریشان ہیں کہ ان میں سے کس کس بیان کو سچا سمجھیں اور کس کو جھوٹا اور غلط قرار دیں لیکن پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس ذخیرۂ خرافات میں سے صحیح اور سچا بیان وہی ہو سکتا ہے جو خاندانی روایات کے مطابق ہو۔ چنانچہ مرزا محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح نے اپنی تفسیر کے پارۂ اول (صفحہ ۱۲۰) میں لکھا ہے کہ کسی خاص قوم کے کسی خاص انسان کی اولاد ہونے کا ایک ہی ثبوت ہوتا ہے اور وہ اس قوم کی روایات ہیں۔ (الفضل قادیان ۲۵ ستمبر ۱۹۲۴ء) اور قوم کی روایات یہ ہیں کہ رئیس قادیان مغل تھے جیسا کہ انہوں نے بکرات و مرات لکھا ہے۔

فصل ۲- دوسرے خاندانوں میں داخل ہونیکے اسباب

اب سوال یہ ہے کہ مغل صاحب نے دوسری قوموں سے رشتہ جوڑنے اور پرائے خاندانوں میں داخل ہونے کی کوشش فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب نے بلاضرورت ایرانی اور فاطمی اور چینی اور یہودی نہ چاہا بلکہ محض اپنے مشن کو کامیاب بنانے کی خاطر دروغ مصلحت آمیز پر عمل کیا۔

فارسی بننے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

یہاں یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ قادیاں کے رئیس صاحب کن کن محرکات کی بنا پر دوسری قوموں میں داخل ہوتے رہے۔ سو معلوم ہو کہ فارسی بننے کی تحریک تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث نبوی نے کی تھی جس میں سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسیوں کی حق شناسی اور استعداد ایمانی بیان فرمائی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ جس وقت سورۂ جمعہ نازل ہوئی تو ہم آستانۂ نبوت میں حاضر تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (ان موجودین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی پیغمبر مبعوث فرمایا جو ہنوز ان میں شامل نہیں ہوئے) تو صحابہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت سلمانؓ فارسی بھی وہیں موجود تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک جناب سلمان پارسیؓ پر رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر بالفرض ایمان ثریا کے پاس بھی چلا گیا ہو گا تو ان کے ہموطنوں میں سے بعض افراد اس کو وہاں سے بھی لے آئیں گے۔" جب مرزا صاحب نے یہ حدیث دیکھی تو ان کے منہ سے خود غرضی کی رال ٹپک پڑی اور اس کا مصداق بننے کے لئے فارسی الاصل ہونے کی رٹ لگانی شروع کر دی۔ چنانچہ مرزائی گم کردگان راہ بڑے فخر سے اس حدیث کو اپنے مسیح کے مناقب میں پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے مقابلہ میں بہائی لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرزا غلام احمد سے پہلے بہاء اللہ کے حق میں پوری ہو چکی ہے کیونکہ وہ خاص فارس کے رہنے والے تھے اور ان کے ماننے والے بھی فارسی نژاد تھے۔" غرض مرزائی اور بہائی اپنے اپنے مقتدا کو اس حدیث کا مصداق ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ حالانکہ مرزائی اور بہائی دونوں فریق حقیقت نفس الامر سے بے خبر ہیں۔ اس حدیث کے حقیقی مصداق حضرات تابعین و تبع تابعین اور دوسرے عجمی خیار امت ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۷۳۸) میں لکھتے ہیں "نزد یعنی در آسمان ہر آئینہ می گیرند آں مرداں از عجم چنانکہ سابقاً معلوم شد کہ اکثر تابعین از عجم اند و بایشاں بلند شد پایۂ علم دین۔" اور شیخ ابن تیمیہؒ اس پیشین گوئی کی شرح میں لکھتے ہیں:-

كان كما اخبر صلى الله عليه وسلم فانه حصل في التابعين وتابعيهم وهلم جرا من ابناء فارس مثل الحسن لبصري ومحمد بن سيرين وسعيد بن جبير وعكرمة مولى ابن عباس ومجاهد وامثال هولاء من نال ذلك (الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح جلد ۴ صہ ۱۳۹)	پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خبر دی تھی اسی طرح حرف بہ حرف ظہور میں آیا چنانچہ ابنائے فارس میں بڑے بڑے تابعین اتباع تابعین اور دوسرے حضرات اس سعادت سے مشرف ہوئے مثلاً حسن بصریؒ محمد بن سیرینؒ سعید بن جبیرؒ حضرت ابن عباس کے غلام عکرمہؒ مجاہد اور بے شمار دوسرے حضرات جو اس پیشین گوئی کے مصداق ٹھہرے۔

ظاہر ہے کہ بہاء اللہ اور مرزا غلام احمد تو بنائے دین کے منہدم کرنے والے تھے۔ وہ اس پیشین گوئی کا مصداق ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔

فارسی الاصل ہونیکا تخیّل کہاں سے اڑایا؟ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فارسی الاصل ہونے کا دعویٰ "مسیح موعود" صاحب کا طبع زاد تھا یا کسی کی نقالی تھی؟ جن حضرات نے تاریخ فرشتہ تاریخ بدایونی وغیرہ تواریخ ہند کا مطالعہ کیا ہے اُن سے یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ آج سے قریباً ساڑھے چار سو سال پیشتر اسی ہندوستان کی سرزمین میں سید محمد جونپوری بھی مرزا غلام احمد کی طرح کوس مہدویت بجا رہا تھا اور اس کو قادیانی صاحب سے کہیں بڑھ کر اپنے مشن میں کامیابی ہوئی تھی۔ سید محمد جونپوری کے پیرو جو مہدوی کہلاتے ہیں آج بھی قلمرو حیدرآباد اور بعض دوسری اسلامی وغیر اسلامی ریاستوں میں سیکڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ جن دنوں مرزا غلام احمد صاحب اپنی آئندہ دکان آرائی کے منصوبے سوچ رہے تھے ان ایام میں مملکت حیدرآباد میں مہدویوں نے بڑا اودھم مچا رکھا تھا۔ ان شر انگیزیوں سے متاثر ہو کر مولٰنا عبدالحی مرحوم لکھنوی کے شاگرد مولٰنا زمان خاں مرحوم نے جنہیں آگے چل کر ایک مہدوی ہی نے جام شہادت پلایا، مہدویہ کی تردید میں "ہدیۂ مہدویہ" نام ایک کتاب تالیف فرمائی یہ کتاب مطبع نظامی کانپور نے ۱۲۹۳ھ میں یعنی مصنّف علیہ الرحمۃ کے واقعۂ شہادت کے ایک سال بعد طبع کی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے قصر مرزائیت کی عمارت زیادہ تر مہدویت ہی کے کھنڈروں پر اٹھائی تھی۔ مولٰنا زمان خاں مرحوم نے مہدویہ کے جو جو اقوال و تخیّلات بغرض تردید "ہدیۂ مہدویہ" میں نقل کئے رئیس قادیان نے ان کو اپنا لیا۔ اور مہدویہ کے ان چبائے ہوئے نوالوں سے اپنے خوان الحاد کو زینت دے لی۔ منجملہ ان کے فارسی الاصل ہونے کا تخیّل ہے۔ مہدویہ نے اپنے "مہدی موعود" سید محمد جونپوری کو ابنائے فارس کی پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرایا تھا۔ مرزا صاحب نے "ہدیۂ مہدویہ" میں اُن کا یہ قول پڑھ کر اس جامہ کو اپنی قامت پر راست کر لینا چاہا۔ چنانچہ آنجناب بھی سید جونپوری کی طرح فارسی الاصل بن گئے۔ مولٰنا زمان خاں شہید "ہدیۂ مہدویہ" میں لکھتے ہیں: مہدویہ نے آیۃ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کو خاص اپنے فرقہ مہدویہ پر چسپاں کر لیا ہے حالانکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر ثنا و صفت فرمانا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ آیۃ مذکورہ میں اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ سے بالتخصیص عجمی مسلمان مراد ہیں اسی بناء پر بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو صحابہؓ کے بعد قیامت تک ہوں گے کیونکہ حضرت سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور تعلیم سب اُمّت کو عام ہے۔ (ہدیہ مہدویہ مطبوعہ کانپور ص ۱۴۳) مولٰنا زمان خاں مرحوم نے اس مسئلہ پر خوب سیر حاصل تبصرہ کیا ہے جو صاحب اس بحث کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب ہدیہ مہدویہ کے صفحات ۱۲۴-۱۲۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

سادات کرام میں داخل ہونے کی علت اور یہ جو حضرت "مسیح موعود" صاحب نے فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کی

علّت یہ حدیث تھی:۔

عن اُمّ سلمۃ قالت سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول المھدی من عترتی من اولاد فاطمۃ (رواہ ابوداؤد) | ام المومنین حضرت ام سلمہ رضہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میری عترت یعنی (سیدۃ النساء حضرت) فاطمہ (زہرا رضی اللہ عنہا) کی اولاد ہوں گے۔

چونکہ مغل صاحب کو مہدی بننے کا اشتیاق تھا اس لئے ضرور تھا کہ فاطمی بنتے۔ لیکن اس کے بعد جب علمائے اسلام نے یہ کہ کرے دے شروع کی کہ حضرت مہدی علیہ السلام تو خاندان نبوت میں سے ہوں گے اور تم مغل ہو تو علماء سے جان بچانے کے لئے یہ بھی لکھ دیا کہ میں وہ مہدی نہیں جو عترتِ رسول اور اولاد فاطمہ کا مصداق ہو گا۔ (براہین حصہ پنجم صفحہ ۱۸۵) اس مرزائی بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ گویا ارشادات نبویہ میں متعدد مہدیوں کی بشارت دی گئی ہے حالانکہ احادیث صحیحہ کے رو سے سچے مہدی صرف ایک محمد بن عبداللہ فاطمی علیہ السلام قرب قیامت کو ظاہر ہوں گے جو اسلامی عقیدہ کے بموجب اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔ ان کو چھوڑ کر جس قدر دوسرے مہدی (جن کے حالات میں کتاب "ائمہ تلبیس" میں شائع کر چکا ہوں صفحہ ہستی پر نمودار ہوئے یا ہوں گے وہ سب قادیانی قماش کے خانہ ساز مہدی ہیں جو اسلام سے منقطع ہو کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا رہے ہیں۔ حافظ حقیقی ان غارتگران قافلہ ایمانی کے فتنہ سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ اگر خانہ ساز مہدیوں اور خود ساختہ مسیحوں کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق ہو تو خاکسار راقم الحروف کی کتاب "ائمہ تلبیس" کا مطالعہ فرمایئے۔

چینی الاصل بننے کی ضرورت اور چینی الاصل بننے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ قادیانی صاحب نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی کتاب فصوص الحکم میں یہ پیشین گوئی پڑھی تھی کہ دنیا کا آخری کامل انسان ایک لڑکا ہو گا جو چین میں پیدا ہو گا۔ اور چینی زبان میں گفتگو کرے گا۔ گو قادیانی صاحب چین میں پیدا نہ ہوئے تھے اور مادری زبان بھی چینی نہ تھی بلکہ ان کی بیس تیس پشتوں میں سے کسی نے خواب میں بھی چین کی سرزمین نہ دیکھی ہو گی لیکن چودہویں صدی کے مسیح کی مسیحیت اس ضرورت سے تقطعاً بے نیاز تھی کہ کوئی دلیل اس کے دعووں کی تصدیق کرے بلکہ اس کا زبان سے کہہ دینا اور قلم سے لکھ دینا ہی پیرؤوں کے لئے لاکھوں کروڑوں دلائل و براہین سے بڑھ کر تھا حالانکہ خدائے قدیر کی لسان وحی نے اسی نمونہ کے حق فراموش اور ضلالت کوش گم کردگانِ راہ سے مطالبہ کیا ہے قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ (اے رسولؐ ان لوگوں سے کہیئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعوے کی دلیل پیش کرو)

دعوائے اسرائیلیت کی بنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب حسب بیانِ خود ایک حمل کے ذریعہ سے عیسیٰ ابن مریم بن گئے تھے لیکن چونکہ یہ قلب شخصیت کاغذی پیرہن سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا اس لئے حضرت مسیح موعود صاحب اپنی اس خندہ زا منطق کی طرف سے نہ صرف خود غیر مطمئن تھے بلکہ انہیں ہر وقت یہ اندیشہ لاحق تھا کہ کہیں ان کے حلقہ بگوش اسے اَوَل فَوَل قرار دے کر برگشتہ نہ ہو جائیں اس لئے حضرت مرزا صاحب نے "کاملۃً" ابن مریم بننے کے لئے اسرائیلی ہونے کا بھی دعویٰ کیا کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام کے ننہالی اسرائیلی تھے لیکن مکمل عیسیٰ ابن مریم بننے میں پھر بھی

کسر رہ گئی۔ ضرورت یہ تھی کہ جس طرح انہوں نے مصلحۃً اپنی شخصیت تبدیل کی تھی اور خاندان میں تغیرات کئے تھے اسی طرح کامل عیسیٰ ابن مریم بننے کے لئے اپنے بن باپ پیدا ہونے کا بھی اعلان فرماتے، اور اپنی والدہ کا نام چراغ بی بی کے بجائے مریم ظاہر کرتے۔ لیکن ماں کا نام تبدیل کرنے میں شاید یہ مشکل حائل تھی کہ مرزا صاحب خود ہی مریم بھی بن چکے تھے۔ اگر ماں کے نام میں ردّ و بدل کرتے تو انہیں اندیشہ تھا کہ علمائے اسلام مریم بنت مریم پکارنے لگیں گے مرزا جی نے اپنے مریم بننے اور پھر حاملہ ہو کر عیسیٰ ابن مریم بن جانے کی پوری تشریح کتاب "کشتیٔ نوح" (صفحات ۴۷-۴۸) میں کر دی ہے جو صاحب دیکھنا چاہیں کتاب مذکور کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہودیت کا جامہ زیب تن کرنے کی دوسری وجہ شاید دبے لفظوں میں دجال بننے کی ہوس پر مبنی ہو جو ایک جلیل القدر یہودی سردار ہوگا اور جسے مافوق العادۃ قدرتیں دی جائیں گی۔ گو ملہم قادیان نے اپنی کتاب "ازالۂ اوہام" (صفحہ ۴۸۶) میں دجال سے بااقبال قومیں مراد لی ہیں اور اسی کتاب میں دوسری جگہ (صفحہ ۲۰۶ میں) نصاریٰ کے پادریوں کو دجال قرار دیا ہے لیکن احتمال ہے کہ جس طرح حضرت مرزا صاحب کرشن، اوتار، اور کلکی اوتار بنے اسی طرح انہوں نے اپنے آپ کو اسرائیلی یعنی یہودی بتا کر دجال بننے کی بھی کوشش فرمائی ہو۔ اس خیال کی تائید خود حضرت مرزا صاحب کے بعض ارشادات سے ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"یہ اسی پیش گوئی کا ظہور ہے کہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ ستر ہزار مسلمان کہلانے والے دجال کے ساتھ مل جائیں گے۔ اب علمائے مکفرین بتلاویں کہ یہ باتیں پوری ہو گئیں یا نہیں؟ (انوار الاسلام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۹۴) اور دوسری جگہ مرزا صاحب نے اپنے پیروؤں کی تعداد ستر ہزار ہی بتائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "جس زمانہ میں ان مولویوں اور ان کے چیلوں نے میرے پر تکذیب اور بدزبانی کے حملے شروع کئے اس زمانہ میں میری بیعت میں ایک آدمی بھی نہیں تھا۔ گو چند دوست جو انگلیوں پر شمار ہو سکتے تھے میرے ساتھ تھے اور اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے ستر ہزار کے قریب بیعت کرنے والوں کا شمار پہنچ گیا ہے (نزول المسیح مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۴۲) دوسری جگہ لکھتے ہیں "کیا براہین احمدیہ کے وقت سات آدمی بھی تھے؟ اور کیا اب ستر ہزار آدمی میرے ساتھ داخل بیعت ہیں یا نہیں؟ (ایضاً ص ۸۴)

باب ۴۔ بعض خاندانی حالات

رئیس قادیان نے "ازالۂ اوہام" اور "کتاب البریہ" کے متعدد صفحات اپنے خاندانی حالات کی نذر کر دیئے ہیں۔ اگر یہ بیانات بلا مبالغہ صحیح ہوتے تو خاندان کے لئے ایک کارآمد چیز تھی لیکن ان کا مطالعہ کرتے وقت صاف نظر آتا ہے کہ مرزا جی ان بیانات میں بہت کچھ مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ بہر حال ان بیانات کا ضروری خلاصہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

"میرے والد کا نام غلام مرتضیٰ، دادا کا نام عطا محمد اور پردادا صاحب کا نام گل محمد تھا۔ ہماری قوم مغل برلاس ہے میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پنجاب میں سمرقند سے آئے تھے۔ اور ان کے ساتھ قریباً دو سو آدمی ان کے توابع اور خدام اور اہل و عیال میں سے تھے۔ یہاں آ کر انہوں نے اس قصبہ (قادیان) کو جو ایک جنگل کی شکل میں تھا آباد کیا اور اس کا نام اسلام پور رکھا۔ اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے ان کو بہت سے دیہات بطور

جاگیر ملے تھے۔ سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا مرزا گل محمد اس نواح کے ایک نامور رئیس تھے۔ جن کے پاس پچاسی گاؤں تھے لیکن بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ تاہم قریباً پانسو آدمی روزانہ ان کے دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ ایک سو کے قریب علما، صلحا، اور حفاظ قرآن ان کے پاس رہتے تھے تین چار سو عمدہ عمدہ عقلمندوں اور علماء میں سے ان کے مصاحب تھے۔ ایک مرتبہ غیاث الدولہ نام سلطنت مغلیہ دہلی کا وزیر قادیاں آیا تو مرزا گل محمد کو دیکھ کر چشم پُر آب ہو گیا اور کہنے لگا اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ اس جنگل میں مغلیہ خاندان کا ایک ایسا لائق رکن موجود ہے جس کے اندر سلطنت وجہانبانی کے تمام ضروری صفات پائے جاتے ہیں تو میں دہلی کی اسلامی سلطنت کو محفوظ رکھنے کے لئے اسی کو دہلی کے تخت سلطنت پر بٹھانے کی کوشش کرتا۔ پردادا صاحب کے بعد میرے دادا مرزا عطا محمد گدی نشین ہوئے لیکن سکھوں نے تمام گاؤں ان سے چھین لئے۔ یہاں تک کہ دادا صاحب کے پاس صرف ایک قادیاں رہ گئی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد قادیاں پر بھی رام گڑھی سکھوں نے قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور اسرائیلی قوم کی طرح پکڑے گئے اور ان کے مال و متاع سب لوٹ لئے گئے اور تمام مرد و زن جھکڑوں میں بھگا کر نکالے گئے اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ اس اثنا میں میرے دادا کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ رنجیت سنگھ کی حکومت کے آخری ایام میں میرے والد مرزا غلام مرتضٰی قادیاں میں واپس آئے اور انہیں پانچ گاؤں واپس ملے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گذاری میں پچاس گھوڑے مع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دئے تھے۔ (ازالہ اوہام طبع پنجم ص ۵۳-۵۰ و کتاب البریہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۳۴-۱۴۶) لیکن ظاہر ہے کہ جب آبا و اجداد کے پرانے کاغذات کی بنیادی چیز یعنی مرزا صاحب کا مغل ہونا ہی ان کی "وحی آسمانی" کے رو سے غلط ٹھہرا اور "مسیح موعود" صاحب کو الہام ہوا کہ تم دراصل فارسی الاصل ہو" (ایضاً ص ۱۳۴) تو پرانے کاغذات کے دوسرے مندرجات مثلاً دستر خوان پر روزانہ پانسو آدمیوں کا کھانا کھانا، تین چار سو مصاحبوں اور سو علما، اور حفاظ کا حاشیہ نشین بنے رہنا، وزیر دہلی کا قادیاں آنا اور مرزا گل محمد سے کہنا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ مغلیہ خاندان کا کوئی لائق رکن موجود ہے تو اسی کو سریر آرائے سلطنت بنانے کی کوشش کرتا" اور اس قسم کے دوسرے ڈھکوسلے کہاں تک قابل التفات اور شائستۂ اعتماد ہو سکتے ہیں؟ میرے خیال میں یہ سب افسانہ طرازی حضرت "مسیح موعود" صاحب ہی کے دماغ کی مینا کاری ہے۔

قاضی فضل احمد صاحب سابق کورٹ انسپکٹر لدھیانہ نے کتاب "کلمۂ فضل رحمانی" میں مرزا غلام احمد صاحب کے اس حصۂ بیان کی پرزور تردید کی ہے جس میں انگریزی حکومت کی امداد کرنا مذکور ہے وہ لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنی کم از کم نصف درجن تصانیف میں لکھا ہوگا کہ میرے باپ مرزا غلام مرتضٰی نے مفسدۂ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کو پچاس سواروں سے مدد دی تھی"۔ اس کے متعلق مولوی عبدالحکیم مرحوم کوٹی نے رسالہ "تحفۂ مرزائیہ" میں لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں مرزا غلام مرتضٰی نے سرکار انگریزی کی ایک سوار سے بھی مدد نہیں کی۔ ان ایام میں غلام مرتضٰی صاحب کے پاس سرخ رنگ کی ایک چھوٹی سی گھوڑی تھی ان دنوں مرزا غلام احمد کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر دینا نگر کی تھانیداری سے معزول ہو کر عمال ضلع کے پیچھے پیچھے جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے۔ اگر مرزا غلام مرتضٰی میں اتنی امداد کی استطاعت ہوتی تو ان کا

خلف الرشید کیوں مارا مارا پھرتا؟ اور اگر بالفرض حکومت کو اپنے رسالہ سے مدد دی تھی تو محکمۂ فوج کے دفتر میں اس کا کوئی ریکارڈ (اندراج) ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ اور اس کے صلہ میں کوئی انعام یا جاگیر بھی ضرور ملنی چاہیئے تھی" (کلمۂ فضل رحمانی ص ۵۷) حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے ۔

مرزا غلام مرتضیٰ کا سفر کشمیر

قاضی فضل احمد صاحب سابق کورٹ انسپکٹر لدھیانہ نے کتاب "کلمۂ فضل رحمانی" میں جو ۱۸۹۸ء میں (مرزا غلام احمد صاحب کے طعمۂ اجل ہونے سے دس سال پیشتر) شائع ہوئی تھی قادیاں کی اراضی حاصل ہونے کا واقعہ دوسری طرح قلمبند کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود صاحب نے کتاب البریہ اور بعض دوسری تالیفات میں اپنی خاندانی عظمت کے متعلق جو قصیدہ خوانی کی ہے اس کی حیثیت کسی طرح داستان امیر حمزہ سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی قاضی صاحب موصوف لکھتے ہیں: "مرزا غلام مرتضیٰ کے دوست مولوی عبدالحکیم بن امان اللہ ساکن موضع دھرم کوٹ رندھاوا تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور نے رسالہ "تحفۂ مرزائیہ" میں جو ۱۸۷۰ء میں تالیف کیا تھا لکھا کہ مرزا غلام مرتضیٰ سکھوں کی عملداری میں تلاش معاش کے لئے عازم کشمیر ہوئے۔ اور ایک ٹٹو پر سوار ہو کر موضع دھرم کوٹ رندھاوا آئے اور غریب خانہ پر فروکش ہوئے۔ ماحضر پیش کیا گیا۔ یہاں سے منزل بمنزل کشمیر پہنچے۔ نوکری کے لئے بڑی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر محمد بخش جمعدار کے پاس جو میرے گاؤں دھرم کوٹ کا "ککے" زئی تھا اس کے لڑکوں پیر بخش اور امیر بخش کی تعلیم کے لئے بمشاہرہ پانچ روپے ماہوار اور خوراک ملازم ہو گئے۔ کچھ مدت تک وہاں نوکری کرتے رہے۔ سوء اتفاق سے سردار میہاں سنگھ صوبہ دار کشمیر مرگیا۔ اس وجہ سے محمد بخش جمعدار ملازمت سے سبکدوش ہو گیا۔ اور جمعدار محمد بخش اور مرزا غلام مرتضیٰ وطن واپس چلے آئے۔ مرزا غلام مرتضیٰ شیر سنگھ کے عہد حکومت میں دوبارہ کشمیر گئے اور کچھ نوکری ملی لیکن سردار شیر سنگھ کسی بات پر مرزا غلام مرتضیٰ سے ناراض ہو گیا اس لئے مرزا غلام مرتضیٰ اور قادربخش تھانہ دار طالب پورہ کو معزول کر دیا۔ آخر مرزا صاحب نے اپنے وطن قادیاں میں آکر مطب کھول لیا۔ اس کے بعد انگریزی عملداری میں ڈپٹی گوپال سہائے سے ان کی دوستی ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قادیاں کی ملکیت اراضی مرزا غلام مرتضیٰ کے نام کر دی گئی۔ (کلمۂ فضل رحمانی ص ۲۵) قاضی فضل احمد صاحب ان واقعات کے بعد لکھتے ہیں کہ "کجا مرزا غلام مرتضیٰ کا پانچ روپیہ ماہوار پر لڑکے پڑھانا اور پھر اس نوکری سے بھی محروم ہو جانا اور کجا پچاس سوار بھرتی کر کے انگریز کو دینا"۔ اس کے بعد قاضی فضل احمد صاحب نے دریافت کیا ہے کہ جب باپ نے ناداری کی حالت میں حکومت کی مدد کی تو اب مرزا غلام احمد نے صاحب جائداد ہونے کے باوجود سرکار انگریزی کی کون سی امداد کی؟ ہاں فساد انگیزی اور انگریزی رعایا کے باہمی سر پھٹول میں انہوں نے اب تک کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ (ایضاً)

مرزا غلام مرتضیٰ کا مذہب اور ان کی پابندیٔ مذہب

مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے اپنے ماہوار رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں لکھا کہ "میں نے مرزا غلام مرتضیٰ کو دیکھا ہے اور ان کے دوسرے دیکھنے والے بھی اس وقت بکثرت موجود ہیں وہ صرف حکیمانہ مذہب رکھتے تھے اور اگر مذہب کی طرف کچھ میلان تھا تو تشیع کی طرف تھا اور اس پیرانہ سالی میں جبکہ میں نے ان کو دیکھا ہے ان کو نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ ارکان شرعی کا التزام نہ تھا۔ ممنوعات شرعیہ کا حال ہم نہیں لکھتے۔ یہ خود

قادیانی سے یا اس کے دوستوں سے پوچھنا چاہیئے۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۶ ص ۱۷۲) ان کے تارک صلوٰۃ ہونے کی تائید مسیح قادیاں کے منجھلے صاحبزادہ میاں بشیر احمد ایم اے کے بیان سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے "سیرۃ المہدی" میں لکھا ہے کہ ہمارے دادا مرزا غلام مرتضٰی بے نماز تھے یہاں تک کہ پچھتر سال کی عمر میں پہنچ کر بھی نماز نہیں پڑھی" (سیرۃ المہدی مؤلفہ مرزا بشیر احمد ایم اے جلد اول ص ۲۱۲) میاں بشیر احمد نے بعض اقربا کی نسبت یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح موعود کے یہ تمام رشتہ دار پرلے درجے کے بے دین اور لا مذہب تھے۔ (ایضاً ص ۲۳)

محترمہ چراغ بی بی صاحبہ مسلمانوں میں تو ایک ہی نام مشہور ہے اور وہی نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے اور خاکسار راقم الحروف بھی عہد طفلی سے وہی نام سنتا چلا آرہا ہے لیکن مرزائی صاحبان کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کی والدہ کا نام چراغ بی بی تھا۔ عجب نہیں کہ یہی نام صحیح ہو اور مشہور نام مخالفوں کا پروپیگنڈا ہو۔ جہاں تک مرزا صاحب کی کتابیں خاکسار راقم الحروف کے مطالعہ سے گذریں ہیں نے بیٹے کو ماں کی کسی مذہبی اور روحانی فضیلت کا قائل نہیں پایا۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ وہ ایک عام ناخواندہ دنیا دار عورت ہوگی۔ لیکن یعقوب علی تراب نام ایک مرزائی نے جلال خداوندی اور عاقبت کی جواب دہی سے بے خوف ہو کر چراغ بی بی صاحبہ کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دئیے ہیں۔ تراب صاحب لکھتے ہیں:" آپ کی والدہ مکرمہ کا نام نامی حضرت بی بی چراغ بی بی تھا اور وہ اپنے نام کی طرح فی الحقیقت دنیا کے لئے چراغ کی طرح روشنی ہی کا موجب ہوئیں۔ کیونکہ جس کے بطن مبارک سے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام جیسا عظیم الشان انسان پیدا ہوا جس طرح پر حضرت آمنہ کا نام اللہ تعالیٰ نے ان کے ماں باپ سے اسم بامسمّٰی رکھوا دیا اسی طرح حضرت مائی چراغ بی بی صاحبہ کے نام میں آنیوالے دنیا کے نور کی بشارت مذکور تھی۔ خدا تعالیٰ نے جس کے مدارج اور مناقب میں فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ اس عظیم الشان انسان کی ماں دنیا میں ایک ہی عورت ہے جو آمنہ خاتون کے بعد اپنے بخت رسا پر ناز کرسکتی ہے۔ دنیا کی عورتوں میں جو ممتاز خواتین ہیں اُن میں حضرت آمنہ خاتون اور حضرت چراغ بی بی صاحبہ ہی دو عورتیں ہیں جنہوں نے ایسے عظیم الشان انسان دنیا کو دئے"(حیاۃ النبی مؤلفہ یعقوب علی تراب مرزائی جلد اول ص ۱۴۰) اس لغویت کا جواب یہ ہے کہ اگر چراغ بی بی صاحبہ مرزا غلام احمد صاحب کے جننے پر فخر کرسکتی ہیں تو پھر مسیلمہ، اسود عنسی اور دوسرے خانہ ساز نبی جن کے حالات زندگی میں کتاب "ائمہ تلبیس" میں شائع کرچکا ہوں ان کی ماؤں نے کیا قصور کیا ہے کہ انہیں اپنے "نامور" فرزندوں کی تولید پر قابل مبارک باد نہ خیال کیا جائے، دور نہ جاؤ یہ فضیلت تو نبی بخش رابیکی والا، چراغ الدین جمونی، ظہیر الدین اروپی، یار محمد ہوشیار پوری، فضل احمد چنگا بنگیالوی، عبد اللہ تیما پوری، عبد اللطیف گناچوری، احمد نور کابلی اور دوسرے مرزائی نبیوں کی ماؤں کو بھی بجو بی حاصل ہے کیونکہ جس طرح چراغ بی بی صاحبہ نے ایک عدد نبی جنا ہے اسی طرح ان عورتوں نے بھی اپنی کوکھ سے ایک ایک

شرمناک جسارت لیکن افسوس ہے کہ یعقوب علی مرزائی نے دعوائے اسلام کے باوجود قادیانی صاحب کو مادری فضیلت میں حضرت مفخر کون ومکان علیہ التحیۃ والسلام کا ہمسر بتاتے وقت کچھ شرم بھی محسوس نہ کی، بے باکی اور بدلگامی درحقیقت فرقہ مرزائیہ کا ذاتی جوہر ہے۔ اگر اس توہین کا ارتکاب کسی اسلامی سلطنت میں کیا جاتا تو یہ بدنفس مرزائی اپنی شوخ چشمی کا

مزا چکھ لیتا۔ توہینِ رسولؐ کے حق میں جو اسلامی و شرعی قانون ہے سب کو معلوم ہے لیکن ہمیں اس قانون کے نفاذ کی قدرت نہیں۔ تاہم حکام کا فرض ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص کے خلاف تعزیرات ہند کے قانون کو حرکت میں لائیں۔ اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ کیا اس عفونت نگار مرزائی نے یہ لکھتے وقت اس حدیث نبوی کی طرف سے آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی؟

عن انسؓ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال حسبك من نساء العٰلمین مریم بنت عمران وخدیجہ بنت خویلد وفاطمہؓ بنت محمدؐ وآسیہ امرأۃ فرعون۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ)	حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی عورتوں میں ان مخدراتِ عالیہ کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے حضرت مریمؑ (والدہ محترمہ حضرت مسیح علیہ السلام) ام المومنین حضرت خدیجہؓ حضرت فاطمہؓ آسیہؓ زوجۂ فرعون۔ رضی اللہ عنہن۔

مسیح قادیاں کے پردادا مرزا گل محمد کے تین بیٹے تھے۔ غلام نبی، عطا محمد، اور قاسم بیگ۔ مرزا عطا محمد کے پانچ لڑکے تھے غلام مصطفےٰ، غلام محی الدین، غلام مرتضیٰ، غلام حیدر اور غلام محمد۔ ان میں سے غلام مرتضیٰ صاحب کو مرزا غلام احمد صاحب کے باپ ہونے کا فخر حاصل تھا۔ مرزا غلام مرتضیٰ نے ۱۸۷۶ء میں اسّی سال کی عمر میں دنیائے رفتنی وگذشتنی کو الوداع کہا۔ ان کی سب سے بڑی اولاد مراد بی بی تھیں جن کی شادی مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے بھائی محمد بیگ یعنی محترمہ محمدی بیگم طال عمرہا کے حقیقی چچا سے ہوئی تھی۔ ان سے چھوٹے غلام قادر تھے۔ جنہوں نے اپنی حیاتِ مستعار کے پچپن مرحلے طے کر کے ۱۸۸۳ء میں سفرِ آخرت کیا۔ ان سے چھوٹی شاید جنّت نام ایک لڑکی تھی جس کے متعلق مسیح قادیاں کا من گھڑت دعویٰ ہے کہ وہ میرے ساتھ توأم پیدا ہوئی اور جلد رخصت ہو گئی تھی اور سب سے چھوٹے مرزا غلام احمد صاحب تھے۔ (سیرۃ المہدی مؤلفہ میاں بشیر احمد ایم اے جلد اول ص ۳۰)

باب ۵۔ عہدِ طفولیّت

فصل ۱۔ مسیح قادیاں کے ایّامِ طفلی

مثل مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" عنایتِ ازلی اور مساعدتِ لم یزلی جن بلند طالع حضرات کو معرفت خداوندی کی دولت جاوید سے سرفراز فرماتی ہے، ان کے اندر ابتدائے سنِ صبا ہی سے بعض ایسی خصوصیتیں ودیعت فرما دیتی ہے جن سے دوسرے ابنائے زمانہ محروم ہوتے ہیں۔ لیکن رئیس قادیاں کے بچپن میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں پائی جاتی جو انہیں عام بازاری لڑکوں سے ممتاز کر سکے۔ چند واقعات درج کئے جاتے ہیں جن سے اُن کی ابتدائی زندگی کے محبوب مشغلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ قارئین حضرات اسی سے ان کی بلندی یا پستیٔ فطرت کا اندازہ کر سکیں گے:۔ ایک مرتبہ لڑکوں نے مرزا غلام احمد صاحب سے کہا کہ گھر سے میٹھا (شکر) لاؤ۔ گھر گئے تو وہاں پسا ہوا نمک رکھا تھا۔ والدہ کے بلا اجازت لے لیا اور شکر سمجھ کر اس سے جیبیں بھر لیں اور لڑکوں کے پاس پہنچ کر پھانکنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ دم رُک گیا اور سخت تکلیف اُٹھائی۔ (سیرۃ المہدی مؤلفہ مرزا بشیر احمد ایم اے جلد اول ص ۲۲۶) ایک مرتبہ والدہ سے روٹی کے ساتھ کچھ کھانے کو مانگا اُنہوں نے کہا اور تو کوئی چیز نہیں گڑ لے لو۔ اُنہوں نے گڑ لینے سے انکار کیا تو کوئی

اور چیز دی۔ اس سے بھی انکار کیا اور زیادہ ضد کی تو ماں نے ناراض ہو کر کہا کہ ان چیزوں سے بھی روٹی نہیں کھا سکتے تو جاؤ راکھ سے کھاؤ۔ انہوں نے سچ مچ روٹی پر راکھ رکھ کر کھانا شروع کر دیا۔ (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۲۲۶)

چڑیاں پکڑنے کی مذموم عادت مرزا غلام احمد صاحب کے منجھلے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد ایم اے کتاب سیرۃ المہدی میں لکھتے ہیں کہ "دادی موضع ایمہ ضلع ہوشیار پور کی رہنے والی تھی۔ حضرت (مرزا) صاحب کئی دفعہ ایمہ گئے۔ وہاں بچپن میں چڑیاں پکڑا کرتے تھے۔ چاقو نہ ہوتا تو سرکنڈے سے ہی ذبح کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایمہ سے چند بوڑھی عورتیں آئیں تو انہوں نے باتوں ہی باتوں میں کہا کہ سندھی (مرزا غلام احمد) ہمارے گاؤں میں چڑیاں پکڑا کرتا تھا۔ سندھی سے ان کی مراد حضرت (مرزا) صاحب تھی۔ چنانچہ آپ کی والدہ اور بعض عورتیں انہیں بچپن میں کبھی سندھی کہہ کر پکار لیتی تھیں۔ سندھی غالباً اس بچے کو کہتے ہیں جس پر کسی منت کے نتیجے میں دس دفعہ کوئی چیز باندھی جائے۔ (ایضاً ص ۲۳۶) حضرت (مرزا غلام احمد) صاحب پرندے پکڑنے کے لئے لاسہ بھی طیار کیا کرتے تھے۔ مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں کہ لاسہ ایک لیسدار چیز ہوتی ہے جسے شکاری لوگ درختوں کے دودھ وغیرہ سے طیار کرتے ہیں اور وہ پرندے پکڑنے کے کام آتا ہے (ایضاً ص ۲۴) باپ کی یہ عادت بیٹے کو بھی ورثہ میں ملی تھی۔ چنانچہ مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے کہ مسیح موعود (مرزا غلام احمد) نے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے۔ (ایضاً ص ۱۷) مرزا غلام احمد صاحب بچپن میں پیرنے کے بھی بڑے دلدادہ تھے۔ ایک مرتبہ ڈوب بھی چلے تھے۔ (ایضاً ص ۹۱) رئیس قادیاں کا اپنا بیان ہے کہ میں بچپن میں اتنا پیرتا تھا کہ ڈھاب (جوہڑ) بھر جاتی تو ساری قادیاں کے اردگرد ایک ہی دفعہ چکر لگا لیتا تھا۔ قادیاں کی ڈھاب گاؤں کے چاروں طرف محیط ہے۔ بارش کے موقع پر قادیاں جزیرہ بن جاتی ہے (ایضاً ص ۲۵۸) بعض اوقات سواری بھی کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک سرکش گھوڑے پر سوار ہوئے۔ گھوڑا ان کو ہلاک کرنے کے قصد سے ایک درخت سے جا ٹکرایا لیکن خود ہی مر گیا اور یہ بچ نکلے۔ (ایضاً ص ۹۱)

کیمیا کی تلاش لالہ بھیم سین وکیل سیالکوٹ کا بیان ہے کہ جب میں اور مرزا غلام احمد بٹالہ میں پڑھا کرتے تھے تو ان کی عام عادت تھی کہ مٹی کا ایک لوٹا (سبو چہ گلی) پانی سے بھر لاتے اور دو لڑکوں سے کہتے کہ اس کو ہاتھ کی ایک ایک انگلی کے سہارے اٹھائے رہو۔ لڑکے انگلیوں کے سہارے لوٹے کو تھام رکھتے۔ اس کے بعد مرزا صاحب کیمیا کے نسخہ کی دوائیں جدا جدا کاغذ کے پرزوں پر لکھ کر گولیاں بناتے اور ایک ایک گولی اس لوٹے میں ڈالتے جاتے اور ساتھ ہی کوئی اسم پڑھتے جاتے تھے۔ جس گولی کی نوبت پر لوٹا گھوم جاتا تھا اس گولی کا نسخہ پڑھ کر علیحدہ رکھ لیتے تھے اور پھر اس نسخہ کا تجربہ کرتے تھے لیکن کیمیا گری میں کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ (کتاب چودھویں صدی کا مسیح مطبوعہ اہلحدیث امرتسر طبع ۱۳۲۲ھ ص ۱۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح قادیاں کے دل میں بچپن ہی سے زراندوزی کی ہوس موجزن تھی۔ امرتسر کے ایک عالم دین نے جو وہاں کی ایک جامع مسجد کے خطیب بھی ہیں راقم الحروف سے بیان کیا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی اور مرزا غلام احمد قادیانی بٹالہ میں ہم سبق تھے۔ ایک مرتبہ مولوی محمد حسین، مرزا غلام احمد اور چند اور لڑکے رات کے وقت

قصبہ بٹالہ سے باہر کھیتوں میں قضائے حاجت کے لئے گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ جگنو (کرمکِ شب تاب) اُڑ رہے تھے۔ رفع حاجت کے وقت ایک جگنو مرزا غلام احمد کے گریبان میں آگیا۔ مرزا صاحب نے اس کو ہاتھ سے دبا لیا۔ جب سب لڑکے جمع ہوئے تو غلام احمد صاحب نے ہمجولیوں سے کہا "دیکھو میرے پیرہن کے نیچے درخشاں چیز کیا ہے؟ اور کہا اگر اسی طرح سے کوئی شعبدہ کیا جائے تو لوگوں کو پھانسا جا سکتا ہے یا نہیں"؟ مولوی محمد حسین صاحب نے کہا ہاں ممکن ہے۔

فصل ۲ - اہل اللہ کا بچپن

حضرات! آپ نے مسیح قادیاں کے بچپن کے حالات کا مطالعہ کیا۔ اب ذرا اہل اللہ کے ایام طفلی کی ایک جھلک بھی دیکھیے اور قادیانی صاحب کے حالات سے ان کا موازنہ کیجیے۔ یہاں نمونۃً چند عارفین الٰہی کا عالم طفولیت پیش کیا جاتا ہے۔ مرزا محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیاں نے ۱۴ اپریل ۱۹۳۳ء کو اپنے خطبۂ جمعہ میں بیان کیا کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ جب بارہ تیرہ سال کے ہوئے تو اُن کی والدہ نے انہیں تحصیل علم کے لئے بغداد بھیجا اور فرمایا کہ یہ بیس کیس اشرفیاں تمہارے باپ کا ترکہ ہے میں ان کو تمہاری گدڑی میں سی دیتی ہوں حسب ضرورت ان کو خرچ کرنا۔ راستہ میں غارتگروں نے قافلہ لوٹ لیا۔ کسی رہزن نے گذرتے ہوئے ان سے پوچھا لڑکے! تمہارے پاس کچھ ہے؟ اُنہوں نے کہا ہاں میری گدڑی میں اتنی اشرفیاں سلی ہوئی ہیں۔ رہزن انہیں اپنے سردار کے پاس لے گیا اور کہنے لگا کہ یہ لڑکا کہتا ہے کہ میرے پاس اتنی اشرفیاں گدڑی میں سلی ہوئی ہیں۔ آخر گدڑی پھاڑی گئی تو اشرفیاں نکل آئیں۔ یہ دیکھ کر تمام قزاق حیرت زدہ ہوئے اور پوچھنے لگے کہ جب ہم لوگ تمہاری سلی ہوئی اشرفیوں کا حال کسی طرح جان نہیں سکتے تھے تو تم نے از خود یہ راز کیوں افشا کیا؟ اُنہوں نے نہایت سادگی سے جواب دیا کہ میں اشرفیوں کی خاطر جھوٹ بول سکتا تھا؟ قزاقوں پر اس نیک کرداری کا اتنا اثر ہوا کہ معاً غارتگری سے تائب ہو گئے۔ (الفضل ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء) حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی والدہ محترمہ بھی طریقت میں بہرۂ کامل رکھتی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ میرا بچہ عبدالقادر رمضان المبارک میں دن کے وقت دُودھ نہیں پیا کرتا تھا۔ انہی ایام رضاعت میں ایک سال ہلال عید کی رویت میں بڑی دشواری پیش آئی لوگ دن بھر میرے پاس آ کر دریافت کرتے رہے کہ آج صبح سے تمہارے بچہ نے دُودھ پیا ہے یا نہیں؟ میں انہیں جواب دیتی رہی کہ نہیں پیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج روزہ کا دن ہے۔ چنانچہ بعد میں اس تواتر کے ساتھ اس دن روزہ ہونے کی خبریں آئیں کہ عبدالقادر کے رمضان میں دُودھ نہ پینے کا گھر گھر چرچا ہونے لگا۔ (طبقات الکبریٰ امام عبدالوہاب شعرانیؒ جلد اول ص ۱۰۸ و قول ممجد مؤلفہ مولوی محمد احسن امروہی مرزائی ص ۱۴۲) جب حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ شکم مادر میں تھے تو اُسی وقت سے ان کی کرامتیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ آپ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ جب میں کوئی ایسا نوالہ منہ میں رکھتی تھی کہ اس میں کسی طرح کا شبہ ہوتا تھا تو بایزیدؒ میرے شکم میں تڑپنے لگتے اور جب تک میں اس لقمہ کو منہ سے نہ نکال ڈالتی قرار نہ پکڑتے تھے۔ اور جب سفیان ثوریؒ شکم مادر میں تھے تو ان کی مادر محترمہ کوٹھے پر تشریف لے گئیں اور ہمسایہ کی ترشی سے ایک انگلی بھر کر چاٹ لی۔ سفیانؒ پیٹ میں بے چین ہو گئے اور شکم میں اس قدر سر دے دے مارا کہ ان کی والدہ تاڑ گئیں اور جھٹ پڑوسن کے پاس جا کر اس کی معافی مانگی۔ ایک دن ایک خوش الحان قاری نے حضرت

فُضَیل بن عیاضؒ کے سامنے خوش آوازی سے قرآن پڑھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے گھر کی طرف جاتے ہوئے میرے بیٹے کو بھی قرآن سناتے جانا لیکن کوئی ایسی سورت نہ پڑھنا جس میں قیامت کا تذکرہ ہو۔ کیونکہ میرا فرزند قیامت کا ذکر سُننے کی تاب نہیں لا سکتا۔ سو اتفاق سے قاری نے سورۃ القارعہ پڑھ دی۔ اس پاک ذات بچے نے چیخ ماری اور جان بحق تسلیم ہُوا۔ (تذکرۃ الاولیاء) امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ عارف باللہ محمد وفا رحمہ اللہ نے ایام طفلی میں کہ ان کی عمر دس سال سے بھی کم تھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ (طبقات الکبریٰ جلد ۲ ص ۶)

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید اور اس کی ملکہ زُبیدہ خاتون میں کچھ رنجش ہوئی اور زُبیدہ خاتون کے مُنہ سے نکل گیا "اے دوزخی"! ہارون رشید غضبناک ہو کر کہنے لگا اگر میں دوزخی ہوں تو تجھے طلاق ہے اور اسی وقت ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے لیکن چونکہ خلیفہ کو زُبیدہ خاتون سے انتہا درجہ کی محبت تھی اس کی جدائی میں سخت بے چین ہُوا۔ آخر اس مشکل کا حل تجویز کرنے کے لئے دار الخلافہ کے تمام علماء کو جمع کیا اور صورتِ حال پیش کی۔ تمام علماء اس کا جواب دینے سے قاصر رہے اور بالاتفاق کہنے لگے کہ خدائے علّام الغیوب کے سوا کوئی نہیں جان سکتا کہ خلیفہ ہارون دوزخی ہے یا بہشتی۔ علماء کی جماعت میں سے ایک لڑکا باہر نکل کر کہنے لگا کہ اگر حکم ہو تو میں جواب دوں۔ لوگ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے لڑکے! شاید تو دیوانہ ہے۔ بھلا جب تمام نامی گرامی علماء جواب دینے سے عاجز ہیں تو تیری کیا بساط ہے؟ خلیفہ نے اس لڑکے کو دیکھ لیا اور اپنے پاس بلا کر کہا ہاں تم جواب دو۔ لڑکے نے کہ حضرت امام شافعیؒ تھے کہا امیر المؤمنین! آپ کو میری احتیاج ہے یا مجھے آپ کی؟ خلیفہ نے کہا مجھ کو تمہاری ضرورت ہے۔ یہ سُن کر لڑکے نے فرمایا کہ آپ تخت سے نیچے اُتر آیئے۔ کیونکہ علماء کا رتبہ بلند تر ہے۔ خلیفہ نے اُنہیں تخت پر بٹھایا اور خود تخت سے نیچے اُتر آیا۔ لڑکے نے کہا پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔ خلیفہ نے کہا اچھا پوچھو۔ لڑکے نے کہا کیا آپ کبھی قدرت رکھنے کے باوجود کسی گناہ سے محض خوفِ خُدا سے باز رہے ہیں؟ خلیفہ نے کہا ہاں بیشک! یہ سُن کر امام شافعیؒ نے فرمایا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ آپ جنّتی ہیں۔ تمام علماء یکبارگی پکار اُٹھے کس دلیل سے؟ امام شافعیؒ نے فرمایا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (جس شخص نے گناہ کا قصد کیا اور پھر خشیت الہٰی نے اس کو اس گناہ سے باز رکھا تو اس کا ملجا و ماویٰ جنّت ہے) یہ سُن کر تمام علماء اَش اَش کرنے لگے اور کہا کہ جس شخص کا لڑکپن میں یہ حال ہے نہیں معلوم کل کو بڑا ہو کر کس عظمت کا مالک ہو گا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں اُس وقت کے تمام حالات بھی جانتا ہوں جبکہ میں ہنوز شکمِ مادر میں تھا۔ اور فرمایا میں تین برس کا تھا جبکہ میں اپنے ماموں محمد بن سوارؒ کے ساتھ نماز تہجد پڑھا کرتا تھا۔ وُہ مجھ کو اپنے ساتھ جاگتے اور نماز پڑھتے دیکھ کر فرمایا کرتے اے سہل سو جا کیونکہ میرا دل تیری وجہ سے متشوش ہوتا ہے + اسی طرح حضرت ابوبکر وراقؒ کا ایک فرزند مکتب جایا کرتا تھا۔ ایک دن اُنہوں نے دیکھا کہ رو رہا ہے اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہے پوچھا بیٹا! کیا ہُوا؟ کہا آج اُستاد نے ایک آیۃ پڑھائی ہے جس کی وجہ سے میرا دل سخت بے چین ہے۔ پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ کہا یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا (وُہ ایسا دن ہو گا جبکہ لڑکے بھی بوڑھے ہو جائیں گے) غرض وہ

لڑکا اس آیت کے خوف سے بیمار رہ کر جان بحق ہو گیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ لڑکپن سے محبت الٰہی سے معمور با ادب اور صاحب فراست تھے۔ ایک روز مکتب سے گھر آئے تو باپ کو روتے دیکھ کر پوچھا ابا جان! رونے کا کیا سبب ہے؟ اُنہوں نے کہا "آج مال کی زکوٰۃ میں سے کچھ رقم تمہارے ماموں (شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ کو (جو اولیائے کاملین میں سے تھے) بھیجی تھی لیکن اُنہوں نے قبول نہیں کی۔ میری آرزو تھی کہ یہ چند درہم اللہ کے دوستوں میں سے کسی کے کام آتے" جنیدؒ نے فرمایا مجھے دیجئے! میں اُن کو دے کر آتا ہوں۔ غرض وہ درہم لے کر اپنے ماموں کے ہاں پہنچے اور دروازے پر دستک دی حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں جُنید ہوں۔ دروازہ کھولو اور یہ فریضۂ زکوٰۃ لو۔ ماموں جو بہت نادار تھے فرمانے لگے میں نہیں لوں گا۔ حضرت جُنیدؒ نے فرمایا آپ کو اُس خدا کی قسم جس نے آپ پر فضل اور میرے باپ کے ساتھ عدل کیا اس کو لے لیجئے۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا جُنید! مجھ پر کیا فضل کیا اور تمہارے باپ کے ساتھ کیا عدل کیا؟ کہا آپ پر یہ فضل کیا کہ آپ کو اپنی معرفت کے شرف سے نوازا اور میرے والد سے یہ عدل کیا کہ اس کو دُنیا میں مشغول کیا۔ اور یہ فریضۂ زکوٰۃ تو بہرحال کسی حقدار کو پہنچانا ہے۔ حضرت شیخ کو یہ بات پسند آئی اور فرمایا کہ پہلے اس سے کہ یہ زکوٰۃ قبول کروں میں نے تجھے قبول کیا۔ اور دروازہ کھول کر زکوٰۃ لے لی۔ اور حضرت جُنید کو اپنے آغوشِ عاطفت میں تربیت کرنے لگے۔ حضرت جُنیدؒ سات سال کے تھے کہ حضرت سری سقطیؒ اُن کو اپنے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ لے گئے۔ ایک موقع پر خانۂ کعبہ میں چار سو پیروں کے درمیان مسئلۂ شکر درپیش تھا۔ ہر ایک نے مسئلۂ شکر پر اپنے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ سری سقطیؒ کہنے لگے جُنید! تم بھی کچھ کہو۔ جُنیدؒ نے فرمایا کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ انسان کو جو نعمت عطا فرمائے بندہ اس نعمت کے سبب سے اس کا نافرمان نہ بنے اور اس کو معصیت و نافرمانی کا ذریعہ نہ بنائے۔ مشائخ کرام بے ساختہ بول اُٹھے اے نور العین! تم نے شکر کی بالکل صحیح تعریف کی اور کہا صاحبزادے! اس سے بہتر اور کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ (تذکرۃ الاولیاء)

کرشن جی کی طفولیت سے مشابہت مرزا غلام احمد صاحب کے بچپن کو اُمّتِ مرحومہ کے عارفانِ الٰہی کے ایامِ طفلی سے تو کوئی نسبت نہیں۔ ع　　چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

البتہ کرشن جی کے عالمِ طفولیت کی اس میں ضرور جھلک پائی جاتی ہے۔ رگھبیر سنگھ صاحب اجمیری "حیاتِ سری کرشن" میں لکھتے ہیں: "اب بلرام اور کرشن دونوں بھائی گوکل میں پرورش پا رہے تھے۔ اِن دونوں میں کرشن نہایت شریر، نڈر اور شوخ لڑکا تھا۔ یہ اپنی شرارتوں سے جسودھا کو (جس نے ماں کی حیثیت سے کرشن جی کی پرورش کی تھی اور دودھ پلایا تھا) نہایت دق کیا کرتا۔ کرشن ایامِ طفلی میں جمنا کے کنارے مویشی چرایا کرتا جس میں بچھڑوں کے لڑانے میں خوب مشق بہم پہنچائی اور دس سال کی عمر میں تیر چلانا اور بانسری بجانا بھی سیکھ لیا خصوصاً بانسری بجانے میں تو وہ کمال پیدا کیا کہ ہر وقت اس کے گرد بانسری سننے والوں کا ہجوم رہتا۔ ایک دفعہ کسی سے سُنا کہ فلاں غار میں ایک کالا ناگ رہتا ہے جس سے لوگوں کو بڑی وحشت ہے۔ یہ سُن کر کرشن وہاں پہنچا اور اپنی طفلانہ شرارتوں کے سلسلہ میں اپنی گیند غار میں پھینک دی اور پھر خود ہی اس کے نکالنے کو گھس پڑا۔ اژدہا اس کے پیر کی ٹھوکروں سے زخمی ہو کر

بھاگ گیا لیکن تھوڑی دیر میں ٹھوکروں کا یہ اثر ہوا کہ کرشن کا سفید شگفتہ چہرہ سیاہ رنگت میں تبدیل ہو گیا۔ (حیات سری کرشن مصنفہ رگھبیر سنگھ صاحب اجمیری مطبوعہ لاہور ص ۱۴)

باب ۶۔ مسیح قادیاں کی تعلیم

میں اپنی کتاب "معیار الحق" کے باب "انبیاء کے بعض خصائص" میں بہ تفصیل لکھ چکا ہوں کہ خدا کے پیغامبروں نے کبھی کسی بشر سے کسی قسم کا کوئی علم حاصل نہ کیا بلکہ وہ اُمّی و ناخواندہ ہوتے تھے اور ان کی تعلیم لدنی اور روحانی طور پر بذریعہ وحی و الہام ہوتی تھی۔ چنانچہ مروی ہے:۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ رواہ البخاری و مسلم	حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پیغمبر ناخواندہ گروہ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ ہم نے حساب کتاب سیکھا ہے۔

انبیاء کرامؑ کی نامراد نقالی چونکہ مرزا غلام احمد کو ایسی مہدویت اور مسیحیت کا دعویٰ تھا جو نبوت کی ہمپایہ ہم عنان تھی اس لئے وہ ہر بات میں انبیاء کرام کی نقل اُتارنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے تھے۔ خدا کے برگزیدہ پیغامبر نہ تو لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا اور مرزا صاحب کا متعدد اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنا اور انگریز کی خوشامد میں پچاس الماریاں کتابیں لکھنا ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس کا اخفاء و انکار بالکل ممکن نہ تھا اس لئے اپنے اُمّی و ناخواندہ ہونے کے دعویٰ کی تو جرأت نہ ہوئی۔ البتہ ناخواندہ ہونے کے بجائے اپنی طرف سے یہ میخ لگا دی کہ امام الزمان کے لئے لازم ہے کہ وہ دینی اُمور میں کسی کا شاگرد و مرید نہ ہو بلکہ اس کا اُستاد اور مرشد صرف خدا ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں "حالت فاسدہ زمانہ کی یہی چاہتی ہے کہ ایسے گندہ زمانہ میں جو امام الزمان آئے وہ خدا سے مہدی ہو اور دینی اُمور میں کسی کا شاگرد نہ ہو اور نہ کسی کا مرید ہو اور عام علوم و معارف خدا سے پانے والا ہو۔ نہ علم دین میں کسی کا شاگرد ہو اور نہ اُمور فقر میں کسی کا مرید" (رسالہ اربعین نمبر ۲ ص ۱۱) اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں "اس لئے ضرور ہے کہ ظاہر ہونے والا آدم کی طرح ظاہر ہو جس کا اُستاد اور مرشد صرف خدا ہو۔ اور اسی کو دوسرے لفظوں میں مہدی کہتے ہیں یعنی خاص خدا سے ہدایت پانے والا! اور تمام روحانی اُمور اسی سے حاصل کرنے والا۔ مہدی کے لئے ضروری ہے کہ آدم وقت ہو اور اس کے وقت میں دنیا بالکل بگڑ گئی ہو اور نوع انسان میں سے اس کا دین کے علوم میں کوئی اُستاد اور مرشد نہ ہو بلکہ اس لیاقت کا آدمی کوئی موجود ہی نہ ہو۔ مہدی کے مفہوم میں یہ معنی ماخوذ ہیں کہ وہ کسی انسان کا علم دین میں شاگرد یا مرید نہ ہو۔ (ایضاً ص ۱۲-۱۳) اور کتاب "ایام الصلح" میں لکھتے ہیں کہ آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا اور قرآن اور حدیث میں کسی اُستاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے" (ایام الصلح مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۴۷)

دینی تعلیم سطور مافوق میں مرزا صاحب نے قسم کھائی ہے کہ میں نے قرآن یا حدیث کا ایک سبق بھی کسی اُستاد سے نہیں

پڑھا لیکن بوالعجبی دیکھو کہ مسیح موعودؑ صاحب نے خود ہی دوسری جگہ اپنی قسم کو جھوٹا ثابت کر دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔
"بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر قریباً دس برس کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے۔ اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیاں میں پڑھانے کیلئے مقرر کیا تھا اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں" (کتاب البریہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۴۸-۱۵۰) مرزا بشیر احمد ابن مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کے اُستاد فضل الٰہی قادیاں کے باشندہ حنفی تھے۔ دُوسرے اُستاد فضل احمد فیروز والہ ضلع گجرانوالہ کے باشندہ اہلحدیث تھے۔ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی (مرزائی) اُنہی کے بیٹے تھے تیسرے اُستاد سید گل علی شاہ بٹالہ کے باشندہ اور شیعہ تھے۔ (سیرۃ المہدی مؤلفہ مرزا بشیر احمد ایم اے جلد اوّل ص ۲۲۳) قادیاں کے الہامی صاحب کو کتب بینی سے اتنا شغف تھا کہ ہر وقت کتابوں کے کیڑے بنے رہتے تھے۔ اغلب ہے کہ اس سلسلۂ کتب بینی میں ہزاروں نہیں لاکھوں کتابیں چاٹ گئے ہوں گے۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ "ان دنوں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دُنیا میں نہیں تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آ جائے" (کتاب البریہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۵۰) کثرت مطالعہ کی ایک اور شہادت ملاحظہ ہو۔ مرزا صاحب کے سوانح عمری میں لکھا ہے کہ آپ (مرزا صاحب) کو خُدا تعالیٰ نے کتابوں کے دیکھنے کا اس قدر شوق اور شغل دیا ہوا تھا کہ مطالعہ کے وقت گویا دنیا میں ہی نہ ہوتے تھے۔ آپ کی عادت شروع سے ایسی ہی تھی کہ اکثر مطالعہ ٹہل کر کرتے تھے اور ایسے محو ہو کر کثرت سے ٹہلتے تھے کہ جس زمین پر ٹہلتے تھے دب دب کر باقی زمین سے متمیز اور بہت نیچی ہو جاتی تھی (سوانح عمری مرزا صاحب ملحقہ براہین احمدیہ ص ۶۳) قارئین حضرات! اب ذرا انصاف فرمائیے کہ جو شخص فضل الٰہی، فضل احمد اور گل علی شاہ تین اُستادوں سے تحصیل علم کرے اور کثرت مطالعہ کا یہ عالم ہو کہ بکثرت ٹہلنے سے نیچے کی زمین ہی دب جائے پھر دعویٰ یہ کرے کہ آدمؑ کی طرح میرا کوئی اُستاد و مرشد نہیں بلکہ صرف خُدا اُستاد و مرشد ہے کہاں تک راست بیانی پر مبنی ہے؟

تعلیم کے لئے ایک مدرس نوکر رکھنے کا افسانہ

مرزا صاحب کی تحریر سے جو اُوپر درج ہوئی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مولوی فضل الٰہی اور مولوی فضل احمد صاحبان سے تو مفت پڑھتے رہے لیکن گل علی شاہ صاحب کو حکیم غلام مرتضیٰ نے اپنے بیٹے غلام احمد کی تعلیم کیلئے نوکر رکھا ہوا تھا۔ مگر راقم الحروف کو بٹالہ کے سفر میں معلوم ہوا کہ یہ بیان بالکل بے بنیاد ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب قادیاں میں مرزا غلام مرتضیٰ کا مطب نہ چلا یا وہاں کی قلیل آمدنی پر قانع نہ ہوئے تو انہوں نے بٹالہ آ کر جو ایک بڑا قصبہ ہے مطب کھول لیا اور یہیں ایک مکان بھی بنوا لیا تھا اسی مکان میں باپ اور بیٹا (مرزا غلام احمد) رہتے تھے۔ باپ

مطب کرتا تھا اور بیٹا وہاں سے قریب ہی مسجد ہمدانیاں میں سید گل علی شاہ شیعی سے تعلیم پاتا تھا۔ راقم الحروف نے بٹالہ میں مسجد ہمدانیاں دیکھی ہے اور وہ مکان بھی دیکھا ہے جہاں مرزا غلام مرتضیٰ مطب کرتے تھے۔ حاجی نور محمد صاحب معتمد مجلس شبان المسلمین کی معیت میں بٹالہ کے بعض بڑے بڑے سن رسیدہ بزرگوں سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ حکیم غلام مرتضیٰ صاحب بٹالہ میں مطب کرتے رہے ہیں۔ بٹالہ کا مکان آج کل حکیم غلام مرتضیٰ کی اولاد کے قبضہ میں نہیں ہے کیونکہ اسے میر احمد شاہ وکیل نے حکیم غلام مرتضیٰ کی زندگی میں یا اُن کی رحلت کے بعد خرید لیا تھا۔ اِس بیان کی تائید مرزا احمد علی صاحب امرتسری (شیعی) کی تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مولوی گل علی شاہ شیعہ مذہب کے فاضل اجل تھے بڑے بڑے رئیس اُن کے آستانہ پر حاضر ہوا کرتے تھے بلکہ مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ بھی بٹالہ میں ان کے دستر خوان کے ریزہ چین تھے۔ گل علی شاہ کسی رئیس کے درِ دولت پر کبھی نہیں گئے چہ جائیکہ حکیم غلام مرتضیٰ جیسے قلاش کی نوکری کرتے۔ مرزا غلام احمد نے اپنی تعلّی کے لئے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ (مرأۃ القادیانیہ مؤلفہ مرزا احمد علی امرتسری ص ۲۹-۳۰) بہرحال یہ افسانہ بالکل غلط اور سخت مضحکہ خیز ہے کہ مرزا غلام مرتضیٰ نے اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے کوئی مدرس نوکر رکھا تھا۔ گل علی شاہ صاحب کے پوتے سید باقر حسین ہمدانی کا خیال تھا کہ وہ قادیانی کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کریں کہ ان کے دادا کی توہین کی گئی لیکن معلوم نہیں کہ اس ارادہ کو قوۃ سے فعل میں کیوں نہ لایا گیا۔ غالباً کوئی زبردست مانع حائل ہو گیا ہو گا۔

قادیانی ملہم بحیثیت نیم ملّا خطرۂ ایمان

مرزا صاحب نے "کتاب البریہ" میں اپنے تحصیل علم کی جو شرح کی ہے اس سے دو باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہیں۔ اوّل یہ کہ ان کی تعلیم اُدھوری رہی اور انہیں کسی فن میں کافی دستگاہ حاصل نہ تھی خصوصاً حدیث، فقہ، تفسیر، کلام وغیرہ دینی علوم میں بہت تھوڑا ادراک تھا۔ دوسرا انہوں نے جتنا کچھ پڑھا وہ بھی بالاہتمام کسی مستند اسلامی درسگاہ میں نہ پڑھا یہی وجہ ہے کہ ہم مسیح موعود صاحب کو صحیح اسلامی تعلیمات سے محروم اور مذہبی معلومات سے بالکل کورا پاتے ہیں۔ اصل میں مرزا صاحب نیم ملّا خطرۂ ایمان کی مجسّم تصویر تھے۔ عقائد اسلامی کے ردّ و قبول میں ان کی حالت ہمیشہ مذبذب رہی علمائے ملّت اس تذبذب کو فقدانِ ایمانی اور الحاد پسندی سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہی وہ چیز تھی جو ان کے لئے موجبِ صد ہزار ناز و افتخار بنی ہوئی تھی۔ بہرحال "مسیح موعود" صاحب میں کوئی اور خوبی تھی یا نہیں تھی لیکن مسلمانوں کے متاعِ ایمانی پر ڈاکہ ڈالنے میں ان کو جو کمال حاصل تھا اس کی نظیر اس قسم کے نیم ملّاؤں میں بمشکل مل سکے گی۔

باب ۷ سیالکوٹ کی ملازمت اور مختاری کا امتحان

سیالکوٹ کی سرکاری ملازمت بھی تاریخ مرزائیت کا ایک اہم باب ہے۔ مرزائی بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت نے مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے لئے سات سو روپیہ سالانہ کی پنشن تاحین حیات مقرر کر دی تھی۔ اِس سے خاندان کے بسر اوقات کی ایک اطمینان بخش صورت پیدا ہو گئی ہو گی۔ لیکن چونکہ حکیم صاحب کی آنکھیں بند ہوتے ہی یہ بھی بند ہو جانے والی تھی اس لئے وہ اپنے بیٹے غلام احمد صاحب کے مستقبل کی طرف سے اکثر فکرمند رہا کرتے تھے۔ مرزائی بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملازمت سیالکوٹ کی علت غائی حضرت "مسیح موعود" صاحب کی کوئی ایسی ناشدنی حرکت تھی جس نے

انہیں گھر میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہنے دیا تھا۔ چنانچہ خلیفۃ المسیح مرزا محمود احمد صاحب لکھتے ہیں۔ "اور ایسا ہوا کہ ان دنوں میں آپ گھر والوں کے طعنوں کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے قادیاں سے باہر چلے گئے تھے اور سیالکوٹ جاکر رہائش اختیار کرلی اور گذارہ کے لئے ضلع کی کچہری میں ملازمت بھی کرلی (تحفۂ شہزادہ ویلز ص ۲۴۳) اس اجمال کی تفصیل ان کے برادر خورد مرزا بشیر احمد صاحب کے بیان میں ملتی ہے چنانچہ "سیرۃ المہدی" میں مدعا نگار ہیں۔ "بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین چلا گیا۔ جب آپ نے پنشن وصول کرلی تو آپ کو پھسلا کر اور دھوکا دے کر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور ادھر ادھر پھراتا رہا۔ پھر جب اس نے سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود اس شرم سے واپس گھر نہیں آئے۔ چونکہ تمہارے دادا کا منشا رہتا تھا کہ آپ کہیں ملازم ہو جائیں اس لئے آپ شہر سیالکوٹ میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۲۴-۳۵) اس بیان میں مرزا محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح اور مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے مؤلف سیرۃ المہدی کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ مرزا امام الدین مسیح موعود صاحب کو ان کی جوانی کے زمانہ میں پھسلا کر لے گیا اور ان کو دھوکا دیا۔" لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا "مسیح موعود" کوئی ناکتخدا لڑکی تھی جسے کوئی بدمعاش اغوا کر کے لے گیا یا کوئی ننھا بچہ تھا جو مٹھائی کا نام سنکر پیچھے چل پڑا؟ جب "مسیح موعود" صاحب عاقل بالغ ذی ہوش صاحب علم و خرد تھے تو مرزا امام الدین کا پھسلانا اور دھوکا دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ ممکن ہے کہ مرزا امام الدین نے ہی یہ رائے دی ہو کہ چلو ذرا لاہور اور امرتسر کی دلفریبیاں دیکھیں وہاں کے تعیشات سے جی بہلائیں چمنِ جوانی کی بہار کے مزے لوٹیں کہ ع بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

مرزا امام الدین تنہا قصوروار نہیں تھا

لیکن ظاہر ہے کہ جب تک خود مسیح صاحب ہوا و ہوس کے غلام نہ ہوتے فانی دلچسپیوں اور نفسانی خواہشوں سے انس نہ ہوتا۔ مرزا امام الدین لاکھ سر ٹپکتا وہ اس کے دام اغوا میں نہیں پھنس سکتے تھے۔ پس کوئی ذی عقل انسان ایسی طفل تسلیوں کو ایک منٹ کے لئے بھی باور کرنے پر طیار نہ ہوگا کہ مرزا امام الدین کے پھسلاتے وقت مسیح موعود صاحب کے ہوش و حواس برقرار نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ کھانے پینے میں سات سو روپیہ کی کثیر رقم خصوصاً ۱۸۶۴ء جیسے ارزاں ترین زمانہ میں جبکہ گیہوں کا نرخ قریباً آٹھ آنہ من، گوشت کا ایک آنہ سیر، گھی کا چار آنہ فی سیر بتایا جاتا ہے صرف کھانے پینے پر یا اس قسم کی عام مباح تفریحات پر کبھی اٹھ نہیں سکتی تھی۔ اور اگر بالفرض پندرہ بیس روپے جائز تفریحات پر اٹھ بھی گئے تھے تو یہ کوئی ایسا قابل سرزنش فعل نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے مسیح صاحب گھر جانے سے ہچکچاتے اور بھاگ کر سیالکوٹ جیسے دور افتادہ مقام پر جا دم لیتے لیکن دس بیس روپے کا کیا ذکر ہے اتنی کثیر رقم میں سے ایک حبہ بھی گھر نہیں پہنچا ظاہر ہے کہ اس ضیاع مایہ پر مرزا غلام مرتضیٰ صاحب اور محترمہ چراغ بی بی صاحبہ جن کے سال بھر کے مصارف اور خانگی ضروریات کا مدار اسی رقم پر تھا کس درجہ مضطرب اور بدحواس ہوئے ہوں گے۔ اس وقت مرزا امام الدین سن کہولت کو پہنچا ہوا تھا اور مسیح صاحب کا اوج شباب تھا اور جوش جوانی میں اکثر لوگ بے اعتدالیاں کر گذرتے ہیں۔ پس اگر مسیح موعود صاحب سے کچھ بے اعتدالیاں ہو گئیں تو میرے نزدیک وہ نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں کیونکہ جوانی دیوانی مشہور ہے اور

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو عالم شباب سے نکل کر سن کہولت میں قدم رکھ دیتے ہیں ؎

اچھا ہُوا شباب کا عالم گزر گیا اک جن چڑھا ہُوا تھا کہ سر سے اُتر گیا

اس لئے کم از کم مجھے عالم شباب کی بے اعتدالیوں پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور اگر اعتراض ہے تو محض اس چیز پر کہ جب حضرت مسیح موعودؑ صاحب صرف عاقل بالغ بلکہ بقول مرزا بشیر مادر زاد نبی تھے تو وہ مرزا امام الدین کے چکمہ میں کس طرح آگئے اور مرزا امام الدین کو تنہا کیوں مجرم گردانا جاتا ہے؟

جریدۂ "پیغام صلح" کی "خوش فہمی" ینگ مین محمدیہ ایسوسی ایشن لاہور کے اس اعتراض کے جواب میں کہ مرزا غلام احمد اور مرزا امام الدین نے مل کر گلچھرے اڑائے اور سات سو روپیہ کی رقم خطیر خواہشات نفسانی کی نذر کی لاہوری مرزائیوں کے ارگن "پیغام صلح" نے ایک مرتبہ مرزا غلام احمد کو ایک نابالغ اور بے سمجھ لڑکا ثابت کرنے کی کوشش کی تھی (دیکھو پیغام صلح ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء) مگر یہ بیان سراسر مغالطہ دہی اور ابلہ فریبی ہے حضرت مسیح موعودؑ صاحب کی عمر اس وقت حسب تصریح میاں بشیر احمد ایم اے اٹھائیس سال کی تھی کیونکہ میاں بشیر احمد نے سیرۃ المہدی (جلد ۲ ص ۱۵۰) میں اپنے والد کا سال ولادت ۱۸۳۶ء اور سال ملازمت ۱۸۶۴ء بتایا ہے۔ اور اٹھائیس سال کی عمر جوانی کی اُمنگوں کا اوج کمال ہے پس مرزا غلام احمد کو بے قصور اور مرزا امام الدین کو قصور وار ٹھہرانا کسی طرح قرین انصاف نہیں ہے "پیغام صلح" کا ایک مزیدار استدلال ملاحظہ ہو۔ نہایت معصومانہ انداز میں لکھتا ہے"۔ باقی حضرت مسیح موعود کے چال چلن کی پاکیزگی تو اسی سے ثابت ہے کہ وہی مرزا امام الدین عرصہ دراز تک آپ (مرزا غلام احمد) کی زندگی میں زندہ رہا۔ ہر قسم کی مخالفت کرتا رہا لیکن نہ وہ اور نہ کوئی اور قادیاں یا بیرون قادیاں کا کوئی مخالف آپ کے چال چلن پر کوئی عیب رکھ سکا۔ (پیغام صلح ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء) لیکن ایسا خیال اڈیٹر "پیغام صلح" کی "خوش فہمی" پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ مرزا غلام احمد تنہا کسی فعل کے مرتکب نہیں ہوئے تھے بلکہ مرزا امام الدین بھی ہر کام میں ان کا شریک حال تھا۔ ایسی حالت میں وہ مرزا غلام احمد صاحب کی عیب گیری نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے اظہار سے خود اس کا اپنا دامن عصمت بھی داغدار ہوتا تھا۔ اور چونکہ سات سو روپیہ خرچ کرنے کا واقعہ قادیاں سے باہر کا تھا اور یہ نہیں معلوم کہ امام الدین اور غلام احمد کہاں کہاں سیر سپاٹے اڑاتے پھرے تھے اس لئے عام پبلک ان مخفی حالات پر کسی طرح مطلع نہیں ہو سکتی تھی۔

سیالکوٹ کا قیام اور دورِ ملازمت مرزا غلام احمد صاحب سیالکوٹ پہنچ کر نوکری کی تلاش کرنے لگے اور کچھ دنوں کے بعد ضلع کچہری میں نوکر ہو گئے۔ نوکری کی نوعیت میں اختلاف ہے بعض کا بیان ہے کہ اہلمد متفرقات تھے بعض کہتے ہیں کہ محرر نقلت کی حقیر اسامی پر ملازم ہوئے۔ مشاہرہ پندرہ روپے ماہانہ بتایا جاتا ہے۔ مرزا صاحب کا اپنا بیان ہے کہ میں سات سال سیالکوٹ رہا ہوں پس یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ قادیانی صاحب شروع ہی میں پندرہ روپے تنخواہ پر ملازم ہوئے تھے یا سات سال میں ترقی کرتے کرتے پندرہ روپے پر پہنچے تھے۔ میاں بشیر احمد صاحب کا بیان ہے کہ مرزا صاحب محلہ کشمیریاں سیالکوٹ میں کرایہ کا مکان لے کر مقیم ہوئے۔ مالک مکان کا نام عمرا جولاہا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جامع مسجد کے سامنے ایک بالاخانہ پر منصب علی وثیقہ نویس کی رفاقت میں رہنے لگے۔ جب عمرا جولاہا کے مکان

برہنے تھے اور حاجت مند لوگ حسب دستور آتے تو مرزا صاحب عمرا جولاہا کے بڑے بھائی فضل الدین کو بلا کر کہتے کہ ان لوگوں کو سمجھا دو کہ یہاں نہ آیا کریں۔ جتنا کام میرے متعلق ہوتا ہے وہ میں کچہری ہی میں کر آتا ہوں تو فضل الدین ان کو نکال دیتا (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۲۵۲) میاں بشیر احمد صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے دوران ملازمت میں اپنا دامن رشوت ستانی سے ملوّث نہیں ہونے دیا لیکن اکثر واقف کار مرزا صاحب کو رشوت ستانی کا ملزم گردانتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ الزام صحیح ہو۔ مگر کسی قطعی دلیل کے بغیر اس قسم کا الزام عاید کرنا سخت بیجا ہے۔ مرزا احمد علی اثنا عشری امرتسری کتاب "دلیل العرفان" میں لکھتے ہیں کہ منشی غلام احمد امرتسری نے رسالہ "نکاح آسمانی کے راز ہائے پنہانی" میں مرزا غلام احمد کے عین حیات بڑے طمطراق سے لکھا تھا کہ انہوں نے زمانہ محرری میں خوب رشوتیں لیں۔ یہ رسالہ ۱۹۰۰ء میں یعنی مرزا صاحب کی وفات سے آٹھ سال پیشتر شائع ہوا تھا لیکن مرزا صاحب نے اس الزام کی کبھی تردید نہ کی۔ اور نہ زمانہ محرری میں اپنی دیانت ثابت کر سکے۔ (دلیل العرفان مؤلفہ مرزا احمد علی امرتسری ص ۱۱۳) اسی طرح مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے مناظرہ روپڑ میں جو ۲۱-۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء کو ہوا ہزارہا کے مجمع میں بیان کیا کہ مرزا صاحب نے سیالکوٹ کی نوکری میں رشوت ستانی سے خوب ہاتھ رنگے اور یہ سیالکوٹ ہی کی ناجائز کمائی تھی جس سے مرزا صاحب نے چار ہزار روپیہ کا زیور اپنی دوسری بیوی کو بنوا دیا۔ (روئداد مناظرہ روپڑ مطبوعہ کشن سٹیم پریس جالندھر شہر صفحہ ۳۵)

عیسائیوں سے مناظرے مرزا غلام احمد صاحب دوران ملازمت میں وقتاً فوقتاً عیسائیوں سے مناظرے بھی کر لیا کرتے تھے جس جگہ جامع مسجد سیالکوٹ کے سامنے منصب علی وثیقہ نویس کے ساتھ رہتے تھے وہاں سے قریب ہی فضل الدین نام ایک دوکاندار تھا۔ وہ بڑی رات گئے تک دوکان کھولے بیٹھا رہتا تھا بعض پڑھے لکھے مسلمان بھی آموجود ہوتے۔ کبھی کبھی نصر اللہ عیسائی ہیڈ ماسٹر مشن سکول سیالکوٹ بھی آجاتا اور اس سے مرزا غلام احمد صاحب کی مذہبی جھڑپ ہو جاتی۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۲۵۲) صاحبزادہ بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کو مباحثہ کا شوق تھا۔ ایک مرتبہ دیسی پادری الائشہ نے کہا کہ مسیحیت کے سوا کسی مذہب میں نجات نہیں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ نجات سے تمہاری مراد کیا ہے؟ وہ خاموش ہو گیا۔ میاں بشیر احمد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الہ داد سابق محافظ دفتر سے مرزا صاحب کی بہت دوستی تھی اور بعض اوقات ان کے گھر پر جایا کرتے تھے (ایضاً ص ۱۳۸) مولوی عبدالرحمن صاحب پنشنر سب جج (منصف) نے جو لاہور میں خاکسار راقم الحروف کے قیام گاہ سے تھوڑے فاصلہ پر رہتے ہیں راقم سے بیان کیا کہ شیخ الہ داد ریکارڈ کیپر ڈسٹرکٹ کورٹ سیالکوٹ سائیں کیسر شاہ مجذوب متوطن وایانوالی ضلع گوجرانوالہ کے ماننے والوں میں سے تھے۔ ایک مرتبہ مرزا غلام احمد صاحب شیخ الہ داد کو ساتھ لے کر ایک انگریز پادری سے مناظرہ کرنے گئے۔ پادری نے دریافت کیا تم دونوں میں سے کون صاحب مناظرہ کریں گے؟ شیخ الہ داد نے مرزا صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا یہی گفتگو کریں گے۔ ان کو مناظروں کا بڑا شوق ہے۔ پادری نے مرزا صاحب سے خطاب کرتے ہوئے کہا مسیح (علیہ السلام) کو آپ لوگ بھی مانتے ہیں اور ہم بھی۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صرف تم لوگ مانتے ہو ہم نہیں مانتے۔ ایسی حالت میں آپ لوگوں کو عیسائی ہو جانے میں کیا عذر ہے؟ مرزا صاحب سے اس کا

کچھ جواب نہ بن پڑا اور سوچنے لگے۔ آخر جب بحر افکار میں غوطہ لگا۔ بہت دیر ہو گئی تو شیخ الہ داد نے مرزا صاحب کو بتایا کہ وقت ہو گیا۔" پادری نے شیخ الہ داد سے کہا تمہارا اقرار تھا کہ ایک ہی آدمی گفتگو کرے گا لیکن تم نے خلاف وعدہ اپنے مناظر کو لقمہ دیا ہے۔" الہ داد نے کہا پادری صاحب! جب ہمارے مناظر صاحب اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکے رہیں نے انہیں کیا بتایا۔ تو بہرالقہ آپ کے حق میں کچھ مفر نہیں ہوا۔ غرض مرزا صاحب شکست کھا کر چلے آئے۔ شیخ الہ داد کے اس قول کا کہ "وقت ہو گیا" یہ مطلب تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے وقت میں نبی ہو چکے۔ اب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا دور ہے اس لئے جناب خاتم نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں"۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ مرزا صاحب ہمیشہ ہزیمت ہی کھاتے ہوں گے۔ نہیں بعض دفعہ فتح بھی پاتے تھے۔ مثلاً میاں بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک پادری سے گفتگو ہوئی۔ پادری نے کہا کہ مسیح کے بن باپ پیدا کئے جانے میں یہ حکمت تھی کہ وہ آدم کی شرکت سے بری رہیں کیونکہ آدم گنہگار تھا۔" مرزا صاحب نے کہا کہ مریمؑ بھی تو آخر آدمؑ ہی کی نسل سے تھیں پھر براءۃ کس طرح ممکن ہے؟ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ عورت ہی آدم علیہ السلام کے گناہ کا باعث ہوئی تھی۔ پادری سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۲۴۷)

انگریزی تعلیم مرزا صاحب کو انگریزی زبان میں بھی الہام ہوا کرتے تھے۔ اس الہام باری سے مرزا صاحب کی امت کو فائدہ تو خاک پہنچتا بھی نہ ہوتا ہوگا۔ البتہ اس سے الہام کرنے والی ذات شریف کا بظاہر مرزا صاحب کو یہ جتلانا اور اس پر فخر کرنا مقصود ہوتا تھا کہ ہم تمہارے سفید آقایان فرنگ کی زبان بھی جانتے ہیں اور اس زبان میں بھی القاء کر سکتے ہیں۔ اسی بنا پر مرزا صاحب نے اپنی کتاب "نزول المسیح" میں ارشاد فرمایا کہ میں انگریزی نہیں جانتا اس کوچہ سے بالکل ناواقف ہوں۔ ایک فقرہ تک مجھے معلوم نہیں۔ مگر خارق عادت کے طور پر مندرجہ ذیل الہامات ہوئے۔ آئی لو یو (میں تم سے محبت رکھتا ہوں) آئی ایم وِد یو (میں تمہارے ساتھ ہوں) آئی شیل ہیلپ یو (میں تمہیں مدد دوں گا) (نزول المسیح مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۴۱) لیکن اہل نظر و اصحاب تحقیق نے حضرت "مسیح موعود" کے اس دعوی کو غلط بیانی اور دروغ مصلحت آمیز پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ "مسیح موعود" صاحب نے سیالکوٹ میں انگریزی کی دو ایک کتابیں سبقاً پڑھی تھیں۔ اور اسی کا اثر تھا کہ انگریزی کے چند ٹوٹے پھوٹے فقرے لکھ کر الہام کے نام سے اپنی کتابوں میں زیب رقم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ مسیح صاحب کے منجھلے صاحبزادہ میاں بشیر احمد ایم اے "سیرۃ المہدیؑ" میں لکھتے ہیں کہ مولوی الٰہی بخش "ڈسٹرکٹ انسپکٹر نے (سیالکوٹ میں) منشیوں کے لئے ایک انگریزی مدرسہ قائم کیا۔ ڈاکٹر امیر شاہ پنشنر معلم تھے۔ حضرت مسیح موعود نے بھی انگریزی کی ایک دو کتابیں پڑھیں۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۱۳۷) اسی طرح مولوی احمد صاحب مرحوم امام مسجد صوفی کشمیری بازار لاہور نے خاکسار سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اور شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ سندھی جو کئی سال سے مکہ معظّمہ میں قیام فرما ہیں لدھیانہ میں مرزا غلام احمد کو دیکھنے گئے۔ اس وقت وہ صرف مجددیت کے مدعی تھے۔ جب ہم مردانہ میں پہنچے تو اس وقت مرزا صاحب اندر زنانخانہ میں تھے۔ ان کی نشستگاہ میں ایک انگریزی کتاب پڑی تھی۔ مولوی عبید اللہ صاحب نے اس کتاب کو اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگے دیکھو اس شخص کا بیان ہے کہ میں انگریزی نہیں

جانتا اور میرے جس قدر الہام ہیں وہ منجانب اللہ ہیں حالانکہ یہ شخص یقیناً تھوڑی بہت انگریزی جانتا ہے۔"

دستِ غیب کی تمنا مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ اوائل گرما میں محمد صالح نام ایک عرب وارد شہر ہوئے۔ تو پرکسن صاحب ڈپٹی کمشنر نے جاسوسی کے شبہ میں ان کے بیانات قلمبند کئے۔ جن میں مرزا صاحب (جو ان دنوں منشی غلام احمد کہلاتے تھے) ترجمان مقرر ہوئے۔ (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۳۶ ۱۴) حکیم نصیر حسن قریشی وارد وغاری بکاری چھاؤنی سیالکوٹ نے کتاب "چودھویں صدی کا مسیح" میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے عرب صاحب اور منشی صاحب کے دوستانہ تعلقات پر بھی روشنی ڈالی ہے چنانچہ حکیم صاحب موصوف رقمطراز ہیں: "یہ عرب سیالکوٹ میں مسافرانہ وارد ہوئے تھے۔ جب ان کے پاس لوگوں کی زیادہ آمد و رفت ہوئی تو پولیس نے انہیں ایمی گریشن ایکٹ کے ماتحت ضلع مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا۔ چونکہ یہ ہندی نہیں بول سکتے تھے ڈپٹی کمشنر نے ان سے گفتگو کرنے کے لئے ترجمان لانے کا حکم دیا۔ تمام عملہ ضلع میں تلاش ہوئی لیکن منشی غلام احمد کے سوا کوئی عربی دان اہلکار نہ ملا۔ ان کی وساطت سے گفتگو ہوئی۔ اس دن سے منشی صاحب عرب صاحب کے دوست بن گئے اور بے تکلفی ہو گئی۔ ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں منشی صاحب نے عرب صاحب سے کہا کہ بندگی پابندگی ہے۔ اسی واسطے تو میں ملازمت کو پسند نہیں کرتا۔ انجمن بلائے جان ہے۔ چار پانچ برس ہو گئے ہنوز روز اوّل ہے اور آئندہ ترقی کی بھی کوئی امید نہیں۔ **عرب**۔ ہم آپ کو ایک عمل بتاتے ہیں خدا نے چاہا تو تھوڑے دنوں کے ورد سے نوکری کی پروا نہیں رہے گی **منشی غلام احمد**۔ ورد و وظائف کا مجھ کو بچپن سے شوق ہے **عرب**۔ استقلال چاہیئے۔ بے صبری اور تلوّن مزاجی میں حسرت ویاس کے سوا کچھ نہیں ملتا **منشی**۔ کوئی دست غیب کا عمل بھی یاد ہے؟ مگر مجرّب ہو۔ یوں تو کتابوں میں بہت لکھے ہوئے ہیں **عرب**۔ یہ سب فضول باتیں ہیں میں ان باتوں کا قائل نہیں ہوں **منشی**۔ جفر کی کتابوں میں اس کے بہت سے عمل اور قاعدے لکھے ہیں۔ **عرب**۔ بھئی دست غیب یہی ہے کہ کسی کام میں رجوعات اور فتوعات ہو جائے۔ **منشی** تو پھر یہ کیا ہوا؟ تدبیر اور محنت سے تو ہر شخص روپیہ پیدا کر سکتا ہے **عرب**۔ کوئی کام یا کارخانہ انسان جاری کرے۔ اگر اس میں فتوحات اور رجوعات ہو جائے تو وہی دست غیب ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسی کے واسطے دعائیں اور اوراد ہیں۔ ہاں اگر جفر کے قاعدہ سے ترکیب کے ساتھ کوئی عمل کیا جائے تو اس کا اثر جلد اور حسب مراد ہوتا ہے **منشی**۔ نوکری ہی میں ترقی ہو جائے تو بھی غنیمت ہے **عرب** منشی جی! اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کی فطرت میں ایک مادہ پیدا کیا ہوتا ہے وہ اپنے فطری مادہ کے مطابق میلان رکھتا ہے۔ آپ کی فطرت میں یہ مادہ نہیں ہے کہ آپ نوکری کے ذریعہ سے دولت جمع کر سکیں۔ آپ ہمیشہ افسروں کے شاکی اور افسر آپ سے ناراض رہتے ہیں **منشی**۔ میرا خیال ہے کہ قانون کا مطالعہ کر کے وکالت کا امتحان دوں وکالت میں معقول آمدنی ہے۔ عزت ہے آزادی ہے۔ ملازمت میں خوشامد اور فرمان برداری بُری بلا ہے۔ اگر امتحان میں پاس ہو گیا تو بڑی کامیابی ہے۔" (چودھویں صدی کا مسیح" مطبوعہ مطبع اہل حدیث امرتسر طبع ۱۳۲۲ھ ص ۱۱)

احترام قرآن کا صحیح مرزائی جذبہ مرزا غلام احمد صاحب کے منجھلے صاحبزادہ میاں بشیر احمد نے سیرۃ المہدی جلد اوّل

کے دو مقامات (ص ۲۳۶ و ۲۵۲) پر مولوی میر حسن صاحب سیالکوٹی کا ذکر کیا ہے۔ مولوی صاحب مرحوم مرے کالج سیالکوٹ میں عربی فارسی اور اردو کے پروفیسر اور علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے اُستاد تھے۔ یاد رہے کہ علامہ مرحوم در اصل سیالکوٹ کے باشندہ تھے لیکن عرصہ دراز سے لاہور میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ سیرۃ المہدی جلد اوّل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی میر حسن صاحب مسیح قادیاں کے خاص سیالکوٹی احباب میں سے تھے۔ اسی بنا پر ایک مرتبہ میاں بشیر احمد صاحب نے سیرۃ المہدی کی تالیف کے وقت ان سے اپنے باپ کے وہ حالات دریافت کئے جو مرزا صاحب کے قیام سیالکوٹ کے دوران میں اُن کے علم و مشاہدہ میں آئے تھے۔ چنانچہ اس استدعا کے جواب میں اُنہوں نے مرزا صاحب کے چشم دید حالات لکھ بھیجے۔ چونکہ مولوی صاحب خدانخواستہ مرزائی نہیں تھے اس لئے قرینہ ہے کہ اُنہوں نے ہر قسم کے بھلے بُرے حالات بے کم و کاست لکھ بھیجے ہوں گے لیکن بشیر احمد صاحب نے ان میں سے صرف مفید مطلب چیزیں انتخاب کر لی ہوں گی۔ مثلاً مولوی میر حسن صاحب کا مندرجۂ ذیل بیان جو ایک سیالکوٹی پروفیسر صاحب نے خاکسار راقم الحروف سے بیان کیا "سیرۃ المہدی" میں درج نہیں ہے اور نہ اس قسم کے واقعات کے اندراج کی کوئی توقع ہو سکتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مولوی میر حسن مرحوم کے سامنے مسیح قادیاں کے سوانح حیات جو کسی مرزائی گم کردہ راہ نے ترتیب دیئے ہوں گے پڑھے جا رہے تھے۔ ان میں لکھا تھا کہ مرزا صاحب کے دل میں قرآن پاک کی بڑی عظمت تھی۔ یہ سن کر مولوی میر حسن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ ہاں عظمت قرآن کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب کی تلاوت کا جو قرآن تھا اس میں مرزا صاحب نے خاتمۂ قرآن پر یعنی سورۂ ناس کے اختتام پر قوت باہ کا ایک نسخہ لکھ رکھا تھا"۔

مختاری کا امتحان لالہ بھیم سین بٹالوی مرزا صاحب کے پرانے ہم سبق تھے۔ یہ دونوں بٹالہ میں مولوی گل علی شاہ شیعی کے پاس بہت دن تک اکٹھے پڑھتے رہے اور دونوں میں باہم انس و ارتباط ہو گیا۔ بڑے ہوئے تو بھیم سین نے قسمت آزمائی کے لئے سیالکوٹ کی راہ لی۔ اور لوکل بورڈ میں اہلمد ہو گئے۔ جب مرزا صاحب نے ۱۸۶۴ء میں پنشن کی رقم غارت کرنے کے بعد روپوش ہونے کا قصد کیا تو بھیم سین کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے سیالکوٹ سے بہتر کوئی مأمن نظر نہ آیا۔ چنانچہ سیالکوٹ پہنچے اور غالباً لالہ بھیم سین ہی کی کوشش سے کچہری میں نوکر ہو گئے۔ چند سال کے بعد دونوں کی صلاح ہوئی کہ مختاری کا امتحان دیں۔ بھیم سین کی تنخواہ ان دنوں تیس روپے ماہوار تھی۔ غرض دونوں طیاری کر کے امتحان میں شریک ہوئے۔ میاں بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ بھیم سین کے سوا سب فیل ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب بھی فیل ہو گئے"۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۱۲۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا الہامی خدا سیالکوٹ ہی میں ان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اور غالباً اس کا سب سے پہلا فیضان یہی الہام نحوست التیام تھا۔ حالانکہ بیچارے مرزا صاحب نے اس وقت تک کوئی دعویٰ ہی نہیں کیا تھا۔ خدائے ذوالجلال اپنی رحمت سے ہر مسلمان کو اس الہامی کرم فرما کی نظر التفات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ سیالکوٹ کی ملازمت ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک رہی۔ (ایضاً ص ۳۵) یہ مدت صرف چار سال بنتی ہے۔ اور اگر ابتدائی اور آخری دونوں سالوں کو شمار کر لیا جائے تو پانچ سال بنتے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب جب ترک خدمت کے چھتیس سال بعد

(۱۹۰۴ء میں) دوبارہ سیالکوٹ وارد ہوئے تو اپنے لکچر میں بیان کیا کہ میں سات سال تک اس شہر میں رہ چکا ہوں" (لکچر سیالکوٹ ص ۲۵) معلوم نہیں ہر دو بیانات میں سے صحیح کون سا ہے ۔ لیکن دراصل ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ منشی صاحب کو سیالکوٹ جاتے ہی فوراً نوکری نہ ملی ہو بلکہ شروع شروع میں دو ڈھائی سال کی مدت جوتیاں چٹخانے اور ملازمت پیشہ لوگوں کے گھروں کا طواف کرنے میں گزری ہو اور آخر کہیں ۱۸۶۲ء میں حصول ملازمت کی سعادت و کامرانی سے بہرہ مند ہوئے ہوں مسیح صاحب نے لکھا ہے کہ "والد کے زیر سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی ۔ آخر میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لئے اُن کے حکم سے جو عین میری منشائے کے موافق تھا میں نے استعفاء دے کر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔ (کتاب البریہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۵۲)

میرے نزدیک مرزا صاحب کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ وہ سیالکوٹ کی نوکری کراہت طبع کے ساتھ کرتے رہے کیونکہ عملہ ضلع میں نہ کوئی ان سے خوش تھا اور نہ وہ کسی سے خوش تھے اس لئے یہ نوکری ان کی طبیعت کے خلاف تھی ۔ ہاں اگر مختاری کے امتحان میں کامرانی کی دیوی اپنے حُسن دل آویز کی ایک جھلک دکھا جاتی تو پھر نہ والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا کبھی دل میں خیال آتا اور نہ والد بزرگوار ہی فرزند گرامی کی مفارقت شاق ہوتی ۔ اگر کامیاب ہو جاتے تو مختاری میں دو فائدے تھے ایک تو موکلوں کی جیبیں خالی کرانے میں روحانی مسرّت کے سامان ۔ دوسرا آزادی و خود مختاری کی نعمت لیکن واحسرتا کہ دل کی دل ہی میں رہی اور مرزا صاحب ان دونوں نعمتوں سے لذّت اندوز نہ ہو سکے ۔

باب ۸ ۔ مقدمہ بازی کے "مقدس" مشغلے

گو مرزا صاحب مختاری کے امتحان میں ناکام رہے لیکن اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ قانون دان بن گئے اور قانونی موشگافیوں نے ان کے لئے کامیاب مقدمہ بازی کی راہیں کھول دیں جب یہ مختاری کے امتحان میں ناکام اور منشی گری کی نوکری سے برداشتہ خاطر ہو کر قادیان پہنچے اور والد نے ان کو جھگڑالو اور مقدمہ بازی کا اہل پایا تو مقدموں کی پیروی ان کے سپرد کر دی ۔ چنانچہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ "میرے والد صاحب اپنے بعض آبا و اجداد کے دیہات کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے ۔ اُنہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا ۔ اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا ۔ افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع گیا" (کتاب البریہ مؤلفہ مرزا غلام احمد ص ۱۵۱) مرزا صاحب قانون دان تھے اور مقدمہ بازی میں ان کے شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ خواب بھی دیکھتے تو مقدمہ بازی کے ۔ لیکن ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام لوگوں کی طرح کوئی تھرڈ کلاس مقدمہ باز نہ تھے بلکہ ان کی خصوصیت یہ بھی کہ مقدمہ بازی میں قانونی حربوں اور وکیلانہ داؤ پیچ کے ساتھ ساتھ باطنی تصرف سے بھی کام لیتے تھے اور جب کسی مقدمہ میں کامیاب ہو جاتے تھے تو اسے اپنا معجزہ قرار دیتے ہوئے اپنی بزرگی کی ڈینگیں مارنے لگتے تھے ۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب کہ حضرت "مسیح موعود" صاحب نے ہنوز مشیخت و تقدس کی مسند کو ایک منٹ کے لئے بھی

زینت نہ بخشی تھی۔ اور دل و دماغ ہنوز تیجی پیچی یا اس قماش کے دوسرے ارواح کے نام سے بھی آشنا نہ تھا۔ مرزا صاحب کے چند کراماتی مقدمے بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارا ایک مقدمہ موروثی اسامیوں پر تھا۔ مجھے خواب میں تبلایا گیا کہ اس مقدمہ میں ڈگری ہوگی میں نے متعدد لوگوں کے سامنے جن میں شرمپت رائے بھی تھا یہ پیشین گوئی کی کہ اس مقدمہ میں ہماری فتح ہوگی۔ فیصلہ کے دن ہماری طرف سے کوئی شخص حاضر نہ ہوا اور مقدمہ خارج ہوگیا اور میں سخت غمزدہ ہوا دل سخت پریشان تھا کہ میری پیشین گوئی جھوٹی نکلی۔ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ ڈگری ہوگئی۔ میں نے شرمپت رائے کو بلا کر اس کی اطلاع دی لیکن اس نے باور نہ کیا۔ صبح میں خود بٹالہ گیا اور تحصیلدار کے مثل خوان متھرا داس سے مل کر پوچھا کیا ہمارا مقدمہ خارج ہوگیا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ ڈگری ہوگئی۔ اور بتایا کہ تحصیلدار نے غلطی سے مقدمہ خارج کر دیا تھا اس وقت میں موجود نہ تھا۔ جب میں واپس آیا تو تحصیلدار نے مجھے وہ فیصلہ شامل مسل کرنے کے لئے دیا میں نے اس فیصلہ کو پڑھ کر تحصیلدار سے کہا یہ فیصلہ غلط ہے کیونکہ جس فیصلہ کی بنا پر آپ نے یہ حکم لکھا ہے وہ تو اپیل کے محکمہ سے خارج ہو چکا ہے تب تحصیلدار نے محکمہ اپیل کا فیصلہ پڑھ کر اپنا پہلا فیصلہ چاک کر دیا۔ اور ڈگری کر دی (حقیقۃ المہدی مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲۶۰ - ۲۶۲) ملہم صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۸۶۷ء سے پہلے میں مرزا صاحب (حکیم غلام مرتضیٰ) کے وقت میں کسانوں کے ساتھ ایک مقدمہ پیرا مرتسر میں کمشنر کی عدالت میں تھا۔ فیصلہ سے ایک دن پہلے کمشنر کسانوں کی نہایت رعایت کرتا ہوا اور ان کی شرارتوں کی پروا نہ کرکے برسر عدالت کہنے لگا کہ یہ غریب لوگ ہیں تم ان پر ظلم کرتے ہو۔ اس رات میں نے دیکھا کہ وہ انگریز ایک چھوٹے سے بچے کی شکل میں میرے پاس کھڑا ہے میں اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہوں۔ اس کے بعد جب ہم عدالت میں گئے تو اس کی حالت ایسی بدلی ہوئی تھی کہ گویا وہ پہلا انگریز ہی نہ تھا۔ اس نے کسانوں کو بہت ڈانٹا اور مقدمہ ہمارے حق میں فیصل کیا۔ اور ہمارا سارا خرچہ بھی ان سے دلایا۔ (البشریٰ یعنی مجموعہ الہامات مرزا صاحب جلد اوّل حصہ دوم ص ۱۵ - ۱۶) مرزا صاحب کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ مسیح موعود صاحب اوائل ہی سے ظلم کے حامی اور جور و بیداد کے خوگر تھے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ غیر قوم کا کوئی حاکم جسے فریقین سے کوئی تعلق نہ تھا مرزا صاحب سے کہتا کہ تم ان لوگوں پر ظلم کرتے ہو۔ اور پھر بوالعجبی دیکھو کہ مسیح صاحب اس انتباہ پر بھی بیدادگری سے باز نہ آئے بلکہ الٹا حاکم پر کوئی نامعلوم اثر ڈال کر انصاف اور عدل گستری کی راہ میں حائل ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمشنر مظلوموں کے بجائے مرزا صاحب کا حامی بن گیا اس نے مفلوک الحال کسانوں کو ڈانٹنا شروع کیا اور مقدمہ مدعی کے حق میں فیصل کر دیا۔ کاش "مسیح موعود صاحب" ان ستیزہ کاریوں اور ظلم آرائیوں سے اپنا دامن بچا کر ایسے اعمال و اشغال کی طرف متوجہ ہوتے جو ان کی نجات کے کفیل ہو سکتے ۔

؎ پیش ازاں کز تو نیاید ہیچ کار
لے کہ دستت می رسد کارے بکن

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے اپنے ایک زمینداری مقدمہ کے متعلق جو تحصیل بٹالہ میں دائر تھا خواب آئی کہ جھنڈا نام ایک دخیل کار پر ہماری ڈگری ہوگئی۔ اس دخیل کار پر بوجہ ایک درخت کیکر (ببول) جس کو اس نے اپنے کھیت سے ہماری اجازت کے بغیر کاٹ لیا تھا چودہ روپے کی نالش کی گئی تھی سو خواب میں دکھائی دیا کہ دعویٰ مسموع ہو کر

ڈگری کی گئی۔ (تریاق القلوب مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب تقطیع کلاں ص ۳۶)

خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت

مرزا صاحب کا اس ضرب المثل پر پورا پورا عمل تھا "خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت" اپنا تو یہ حال تھا کہ دو تین روپے کے کیکر (ببول) کے لئے چودہ روپے کی نالش داغ دیتے تھے اور پھر یہ نالش کچھ قادیاں میں دائر نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کے لئے بٹالہ تک کی خاک چھاننی پڑتی تھی۔ قادیاں سے بٹالہ تک کا فاصلہ مجھے معلوم نہیں لیکن اس مسافت کا تخمینہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج کل ریل گاڑی آدھ گھنٹہ میں پہنچتی ہے۔ لیکن مرزا صاحب کمال دیدہ دلیری کے ساتھ دوسروں پر طعن کرتے ہیں کہ "حضرت اویس قرنیؒ والدہ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے اور ان کے اونٹوں کو فرشتے چرایا کرتے تھے۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے والدہ کی خدمت کر کے یہ قبولیت اور عزت پائی۔ ایک وہ ہیں جو ایک ایک پیسہ کے لئے مقدمات کرتے ہیں اور والدہ کا نام ایسی بُری طرح لیتے ہیں۔ (تقاریر مسیح موعود یا ملفوظات احمدیہ ص ۴۴)

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس کیکر کا مقدمہ جس کی زیادہ سے زیادہ قیمت دو ڈھائی روپے تھی اور جس کے لئے مرزا صاحب بٹالہ تک کی بادیہ پیمائی کرتے رہے ایک پیسہ کے حکم میں داخل نہیں تھا؟ مرزا صاحب تو دو ڈھائی روپے کی جگہ دُور دراز مسافت طے کر کے چودہ روپے کی نالش داغ دیتے اور مہینوں کچہریوں میں خراب ہوتے۔ اہل کاروں کی خوشامدیں کرتے محرّروں کو نذرانے دیتے اور چپراسیوں کی گالیاں سنتے تھے جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے۔ لیکن صالحین اُمت کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اہل اللہ میں سے کبھی کسی کے تذکرہ میں یہ نہ پڑھا گیا ہوگا کہ اُس نے کبھی کسی دُنیوی عدالت میں مقدمہ بازی کی ہو اور وہ بھی مدعیانہ حیثیت سے۔ خاصانِ بارگاہ تو ناحق کے مقابلہ میں اپنا حق چھوڑ دیتے ہیں لیکن لڑائی جھگڑا گوارا نہیں کرتے۔ میں نے بعض ثقات سے سنا تھا کہ صاحبزادہ مولوی محمد امین صاحب چشتی مرحوم متوطن چکوڑی بھیلووال ضلع گجرات کے خلاف ان کے بیگانوں میں سے کسی خدا ناترس نے بہت سی زرعی زمین کی ملکیت کے متعلق ناحق دعویٰ دائر کر دیا۔ جب حضرت صاحبزادہ صاحب کے پاس حاضری عدالت کے سمن آئے تو اُنہوں نے سمن کی پُشت پر لکھ دیا کہ مجھے بیان کردہ اراضی پر کوئی دعویٰ نہیں اس لئے مدعی کو ڈگری دے دی جائے۔" حالانکہ مولوی صاحب ہی یقیناً اُس کے مالک تھے۔

رئیس قادیاں کو مقدمہ بازی کا طعنہ

لیکن مسیح قادیاں کے جھگڑوں رگڑوں سے خدا کی پناہ۔ ایک دفعہ جب مسیح صاحب نے اپنی گالیوں کی تیز چھُری چلائی تو مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے لکھا کہ کوئی ذی علم آدمی تمہاری گالیوں کا یوں بھی حریف نہیں ہو سکتا کہ تم مختاری اور مقدمہ بازی کرتے رہے ہو۔" اس کے جواب میں رئیسِ قادیاں نے مولوی محمد حسین کو خطاب کر کے لکھا "تم لکھتے ہو کہ تم مختاری اور مقدمہ بازی کا کام کرتے رہے ہو۔ آپ ان افتراؤں سے باز آجائیں۔ والد صاحب کے زمانہ میں اکثر وکلاء کی معرفت اپنے زمینداری کے مقدمے ہوتے تھے اور کبھی ضرورتاً مجھے آپ ہی جانا پڑتا تھا۔ یہ عاجز ان بیٹھیوں میں کبھی نہیں پڑا کہ دوسروں کے مقدمات عدالتوں میں کرتا پھرے۔" (مکتوبات احمدیہ جلد ۴ ص ۳۶) حالانکہ رئیس قادیاں کی مقدمہ بازی کوئی ایسی مخفی چیز نہیں کہ اس پر کوئی پردہ ڈال سکے۔ اور مولوی محمد حسین نے یہ طعنہ نہیں دیا تھا کہ تم دوسروں کے مقدمے کرتے رہے ہو۔ بلکہ ان کا بھی مرزا صاحب کے اپنے مقدموں کی طرف اشارہ تھا۔ پس مسیح قادیاں کا مولوی صاحب سے یہ کہنا کہ "افتراؤں سے باز آ جاؤ" خود افتراء پردازی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر "مسیح موعود" صاحب مختاری کے امتحان میں کامیاب

ہو جاتے تو دوسروں کے مقدمات کی پیروی میں بھی مدت العمر کچہریوں کی خاک چھانتے پھرتے۔ چونکہ مختار بننے کے ارمان پورے نہ ہوئے لہذا اب ڈینگیں مارتے ہیں کہ میں نے دوسروں کے مقدمات نہیں کئے۔ تاہم "مسیح موعود" صاحب نے اپنی مقدمہ بازی کے اعتراض کو کمال ہنرمندی سے اٹھانا چاہا ہے۔ فرماتے ہیں "ان زمینداری تعلقات سے جو ابتدائی زندگی سے میرے ساتھ تھے کوئی تعجب کرے۔ کیونکہ احادیث نبویہ پر غور کرنے سے بصراحت معلوم ہوگا کہ وہ مسیح موعود حارث کہلائے گا۔ (تریاق القلوب مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب تقطیع کلاں ص ۳۷) لیکن یاد رہے کہ کسی حدیث نبوی میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام (معاذ اللہ) انگریزی عدالتوں میں مقدمے لڑیں گے۔ اور نہ یہ کسی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ حارث یعنی کاشتکار ہوں گے قادیاں کے مسیح صاحب کو طومار باندھنے میں یہ ید طولیٰ حاصل تھا کہ بہ یک جنبش قلم رائی کو پہاڑ اور ہاتھی کو چیونٹی بنا دیتے تھے۔ یہاں بھی انہوں نے وہی کمال دکھایا۔ اب وہ حدیث نبوی ملاحظہ ہو جس کی طرف مرزا صاحب نے اشارہ کیا ہے اور جس میں حارث کے ماوراء النہر سے برآمد ہونے کا تذکرہ ہے۔

عن علی قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یخرج رجل من وراء النہر یقال له الحارث حراث علی مقدمتہ رجل یقال له منصور یوطن او یمکن لآل محمد کما مکنت قریش لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وجب علی کل مسلم نصرتہ او اجابتہ (رواہ ابوداؤد)

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص جس کو حارث حراث کہیں گے ملک ماوراء النہر سے نکلے گا۔ اس کے لشکر کی ہراول فوج کے سردار کا نام منصور ہوگا۔ وہ آل محمد (مہدی علیہ السلام) کو اسی طرح لے پٹہ ہاں جگہ دے گا جس طرح قریش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و تمکین کا باعث ہوئے تھے۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس کی اعانت کرے یا فرمایا کہ اجابت کرے (مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ)

اس حدیث میں حارث اور حراث دو لفظ آئے ہیں۔ رئیس قادیاں کا بیان ہے کہ وہ کشت کار ہوگا حالانکہ وہ فی الحقیقت مزارع نہیں ہوگا بلکہ حارث حراث کے نام سے پکارا جائے گا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:۔ "و بالجملہ خواہ بطریق علمیۃ یا وصفیت او را بایں دو نام بخوانند" (اشعۃ اللمعات مطبوعہ نولکشور جلد ۴ ص ۳۴۰) اور یہ بھی ممکن ہے کہ حارث اس کا نام ہو۔ اور حراث اس کی صفت ہو۔ حراث لغت عرب میں جمع کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ پس بیان مقدمۃ لشکر کے قرینہ سے الفاظ حدیث کے یہ معنے ہوئے کہ حارث نام ایک شخص ماوراء النہر سے برآمد ہوگا جو عساکر کا اجتماع کرے گا۔ اور اس کے مقدمۃ لشکر کے سردار کا نام منصور ہوگا۔

دام افتادگان قادیاں سے چند سوالات

اب میں دام افتادگان قادیاں سے پوچھتا ہوں کہ (۱) مرزا صاحب کا نام غلام احمد تھا یا اس حدیث کے بموجب حارث تھا؟ (۲) اور اگر حارث اور حراث کے معنی کشت کار ہی لئے جائیں تو مرزا صاحب کا پیشہ زراعت تھا یا مقدمہ بازی؟ اگر کہو کہ ان کا پیشہ زراعت تھا تو ثابت کرو کہ انہوں نے کسی دن ہل چلائے اور بتاؤ کہ انہوں نے کب زمین میں تخم ریزی کی اور کسانوں کی سی دوسری مشقتیں برداشت کیں؟ (۳) مرزا صاحب کون سا لشکر لے کر ماوراء النہر سے نکلے تھے؟ (۴) ان کے ماوراء النہر سے برآمد ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ (۵) مرزا صاحب کی ہراول فوج کا سردار جس کا نام منصور ہونا چاہیئے کب ظاہر ہوا اور کہاں چل دیا؟ (۶) قادیانی حارث کی ہراول

فوج کہاں غارت ہوگئی؟ (۷) حارث صاحب نے آلِ محمدؐ (مہدی علیہ السلام) کو کون سی پناہ دی ؟ (۸) "مسیح موعود" کے کشت کار ہونے کا جو ڈھکوسلہ بنا یا ہے اس کا حدیث میں کہاں ذکر ہے ؟ یعنی وہ لفظ پیش کرو جس کا ترجمہ "مسیح موعود" ہو۔ غرض قادیانی صاحب ایسی ہی بے پر کی اڑایا کرتے تھے جس کا نمونہ ابھی پیش کیا گیا ؟

باب ۹ - اراضی مغصوبہ کی بازیابی کیلئے حضرت "مسیح موعود" کیخلاف مقدمہ

قادیاں کے الہامی صاحب کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ملہم صاحب کے والد حکیم غلام مرتضیٰ اور ان کے بھتیجوں اور دوسرے اقربا کی کچھ زمین سکھوں نے اپنے عہد حکومت میں ضبط کر لی تھی اور یہ کہ جب پنجاب میں انگریزی حکومت قائم ہوئی تو مرزا غلام مرتضیٰ نے اس کی بازیابی کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات دائر کئے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے جو طویل رجسٹری شدہ مکتوب مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی کے نام ۲۸ جنوری ۱۸۹۳ء کو بھیجا اس میں لکھا تھا کہ میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے ان مقدمات پر آٹھ ہزار روپیہ خرچ برداشت کیا۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۴ ص ۴۲) لیکن بوالعجبی دیکھو کہ اس کے پانچ سال بعد کتاب البریّہ میں جو ۲۴ جنوری ۱۸۹۸ء کو شائع کی یہ لکھ مارا کہ ان مقدمات پر میرے والد کے قریباً ستر ہزار روپے خرچ ہوئے تھے (کتاب البریّہ ص ۱۵۵) اور پھر اس کے ساڑھے چار سال بعد کتاب "تریاق القلوب" میں جو ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی نہ آٹھ ہزار کا ذکر کیا، ورنہ ستر ہزار کا۔ بلکہ اس کو ایک سُنا سنایا قصہ قرار دیا۔ چنانچہ لکھا کہ "اعظم بیگ نے اپنی حیلہ سازی سے ہمارے بے دخل شرکا کو جو ملکیت قادیاں کے سرکاری کاغذات کے رو سے حصہ دار تھے۔ مگر ملکیت سے بالکل بے تعلق تھے اور ملکیت قادیاں کے ہزار ہا خرچ و ہرج میں کسی کام میں شریک نہیں ہوئے تھے" اٹھایا اور مقدمہ کرا کر ان کو مدد دی۔ بھائی مرزا غلام قادر کو اپنی فتح یابی کا بہت یقین تھا۔ وہ سرگرمی سے جواب دہی میں مصروف ہوئے۔ میں نے سُنا ہوا تھا کہ میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے ان دیہات پر ہزار ہا روپیہ خرچ کیا تھا اور شرکا اس میں شریک نہیں ہوئے (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص ۳۸) لیکن اس حقیقت کا لحاظ کرتے ہوئے کہ انگریزی عملداری کے آغاز میں غیر معمولی ارزانی کی بنا پر ایک دمڑی کی قریب قریب وہی قیمت و حیثیت تھی جو آج کل روپیہ کی ہے بالقطع کہا جا سکتا ہے کہ مرزا غلام مرتضیٰ نے نہ تو ان مقدمات پر ستر ہزار روپیہ خرچ کیا اور نہ آٹھ ہزار بلکہ اگر بہت خرچ ہوا تو ممکن ہے کہ پانچ چار سو روپیہ تک خرچ ہو گیا ہو۔ لیکن جب یہ دیکھا جائے کہ الہامی صاحب کے والد مرزا غلام مرتضیٰ ایک مفلس و قلاش آدمی تھے جیسا کہ اسی کتاب کے چوتھے باب میں اس کا ثبوت پیش کیا جا چکا ہے تو یقین ہوتا ہے کہ مرزا غلام مرتضیٰ نہ کوئی مقدمات لڑے تھے، ورنہ کوئی ہرج و خرچ برداشت کیا تھا۔ بلکہ یہ افسانہ محض ہمارے الہامی صاحب کے مخیلۂ دماغ کی پیداوار ہے اور اگر بفرض محال آٹھ ہزار یا ستر ہزار روپیہ بھی اپنی مرضی سے خرچ کر ڈالا تھا تو اس سے ہرگز یہ معنی نہ تھے کہ مرزا غلام مرتضیٰ کے بھتیجوں کا اور دوسرے اقربا کا اپنی جدی جائداد پر کوئی حق ملکیت ہی باقی نہ رہ گیا تھا۔

مظلوموں سے مرزا اعظم بیگ کی ہمدردی

بہر حال جب مرزا غلام مرتضیٰ نے اس سرائے فانی سے کوچ کیا تو ہمارے "مسیح موعود" صاحب اور ان کے بھائی مرزا غلام قادر صاحب نے اپنے خویش و اقارب کی زمین پر قبضہ جما کر اس کو بے ڈکار ہضم

کر لیا - چونکہ غم نصیب مظلوم سخت مفلوک الحال تھے اور انہیں عدالتوں کے گرانبار مصارف ادا کرنے اور قانونی چارہ جوئی کرکے اپنی زمین واپس لینے کی قطعاً استطاعت نہ تھی اس لئے بیچارے خاموش رہ گئے۔ لیکن خدا بھلا کرے مرزا اعظم بیگ لاہوری پنشنر ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کا جنہوں نے مظلوموں کی طرف سے مقدمات دائر کئے۔ اور مسیح صاحبؑ اور ان کے بھائی کو بادل ناخواستہ غصب کردہ زمین واپس دینی پڑی۔ حضرت "مسیح موعود" صاحب نے اس غصب کے جواز کی جو تابناک دلیل بیان فرمائی ہے وہ بڑی مزیدار ہے۔ لکھتے ہیں کہ "میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد مرزا اعظم بیگ لاہوری نے شرکائے ملکیت قادیاں کی طرف سے مجھ پر اور میرے بھائی مرحوم مرزا غلام قادر پر مقدمہ دخل ملکیت کا عدالت ضلع میں دائر کر دیا۔ اور میں بظاہر جانتا تھا کہ ان شرکاء کو ملکیت سے کچھ غرض نہیں۔ کیونکہ وہ ایک گم گشتہ چیز تھی جو سکھوں کے وقت میں نابود ہو چکی تھی اور میرے والد نے تن تنہا مقدمات کرکے اس ملکیت اور دوسرے دیہات کی باز یافت کے لئے آٹھ ہزار روپیہ کے قریب خرچ و خسارہ اٹھایا تھا۔ وہ شرکاء ایک پیسہ کے بھی شریک نہیں تھے (مکتوبات احمدیہ جلد ۴ ص ۳۲) لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ ایک گم گشتہ چیز تھی اور مسیح صاحب کے عمزاد بھائیوں نے مقدمہ لڑنے میں کوئی خرچ برداشت نہیں کیا تھا تو بھی ان کے مالکانہ حقوق کیوں اور کس طرح زائل ہو سکتے تھے؟ اور اگر زائل ہو گئے تھے تو پھر عدالت عالیہ نے وہی زمین ان کو واپس کیوں دلائی؟ ہمارے "مسیح موعود" صاحب اپنی آنکھوں سے دنیا پرستی کی پٹی اتار کر اس حقیقت کو دیکھتے تو انہیں صاف نظر آتا کہ دنیائے فانی کی ناجائز کامگاریاں ان کا زیادہ دن ساتھ نہیں دے سکتی تھیں اور اگر آج دارِ دنیا میں کسی کو ناحق پسندی بیچ بھی جائے تو عاقبت میں اس کے نتائج نہایت ہولناک ہوں گے۔

"الہامی صاحب" کی دعائیں اس سلسلہ میں حضرت مرزا صاحب نے ایک عدو الہام بھی لکھ مارا ہے جو ان کی نظر میں اعجازی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ان مقدمات کے اثناء میں جب میں نے فتح کے لئے دعا کی تو یہ الہام ہوا کہ "میں تیری ہر ایک دعا قبول کروں گا مگر شرکاء کے بارہ میں نہیں قبول کروں گا"۔ سو میں نے اس الہام کو پاکر اپنے بھائی اور تمام زن و مرد عزیزوں کو جمع کیا اور کھول کر کہہ دیا کہ شرکاء کے ساتھ مقدمہ مت کرو۔ یہ خلاف مرضی حق ہے مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور آخر ناکام ہوئے۔ اور میری طرف سے ہزار ہا روپیہ کا نقصان اٹھانے کے لئے استقامت ظاہر ہوئی (مکتوبات احمدیہ جلد ۴ ص ۳۲) لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا "الہامی صاحب" کو مقدمات کے دائر ہونے اور فتح کی دعا مانگنے سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ اقرباء کو ان کے حصہ کی زمین سے محروم رکھنا خلافِ دیانت فعل ہے؟ کیا خانہ ساز مسیح صاحب نے بخاری و مسلم کی یہ متفقہ حدیث کبھی پڑھی یا سنی نہیں تھی؟

عن سعید بن زیدؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من اخذ شبراً من الارض ظلماً فانہ یطوقہ یوم القیٰمۃ من سبع ارضین

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی دبالے قیامت کے دن اس زمین کو سات طبق تک کھودا جائے گا پھر اس کے گلے میں اس زمین کو طوق بنا کر ڈال

الہامی صاحب کو سب کچھ معلوم تھا اور وہ حلال و حرام میں تمیز کرنے سے قاصر نہ تھے لیکن دنیوی حرص و آز نے دل و دماغ پر بے حسی کے موٹے پردے ڈال رکھے تھے۔ اور حُبّ دنیا "حق بہ حق دار" کے اصول پر عمل کرنے کی کسی طرح اجازت

نہیں دیتی تھی۔ تاہم غنیمت ہے کہ مرزا اعظم بیگ لاہوری نے حضرت "مسیح موعود" کو اپنے زردار کیسہ کے زور سے اتنا تو احساس کرا دیا کہ یہ چیز خلاف مرضیٔ حق ہے اور اس پر آمادہ کر دیا کہ "مسیح موعود" صاحب ہزار ہا روپیہ کا نقصان اُٹھانے کے لئے استقامت ظاہر فرمائیں۔ حضرت "مسیح موعود" صاحب دورانِ مقدمہ میں سخت تضرّع وابتہال سے اور گڑگڑا کر بارگاہ رب العلمین میں دعائیں کرتے رہے کہ خدایا! اس مقدمہ کا فیصلہ ہمارے حق میں کرنا اور اراضی مغصوبہ اس کے مالکوں کو واپس نہ دلانا۔ لیکن تمام دعائیں اور التجائیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔ کیونکہ اگر دنیا کا نظم و نسق بیچی بیچی یا اس کے کسی بھائی بند کے ہاتھ میں ہوتا تو شاید وہ ایسی انصاف کُش دعا قبول کر لیتا۔ لیکن وہ احکم الحاکمین جس کے دستِ قدرت میں زمین و آسمان کی بادشاہت ہے وہ مالک الملک جو مظلوموں کا فریاد رس اور بے کسوں کا ملجا و ماویٰ ہے وہ کبھی ظلم کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ خدائے شدید العقاب نے نہ صرف الہامی صاحب اور اُن کے بھائی کو اپنی کوشش میں نامراد رکھا بلکہ الٹا ان کو ہزار ہا روپیہ کا زیر بار کر دیا۔ چنانچہ خود "الہامی" صاحب لکھتے ہیں "بعض غیر قابض جدی شرکاء نے جو قادیان کی ملکیت میں ہمارے شریک تھے دخل یابی کا دعویٰ عدالت گورداسپور میں کیا تب میں نے دعا کی کہ وہ اپنے مقدمہ میں ناکام رہیں۔ جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ میں تیری ساری دعائیں قبول کروں گا مگر شرکاء کے بارہ میں نہیں۔ چیف کورٹ میں مدعی کامیاب ہو گئے اور تمام عدالتوں کا خرچہ ہمارے ذمہ پڑا۔ اور علاوہ اس کے وہ روپیہ جو پیروی مقدمہ کے لئے آپ قرضہ اُٹھایا تھا وہ بھی دینا پڑا۔ اس طرح کئی ہزار روپیہ کا نقصان ہُوا اور میرے بھائی کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا کیونکہ میں نے ان کو کئی مرتبہ کہا تھا کہ شرکاء نے اپنا حصہ مرزا اعظم بیگ لاہوری کے پاس بیچا ہے آپ کا حقِ شفعہ ہے روپیہ دے کر لے لو مگر انہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا اور وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۴۳)

مرزائیوں سے چند سوالات

اب مرزائیوں سے یہ سوال ہے کہ اگر الہامی صاحب واقعی کوئی متقی اور خدا ترس اور پاکباز آدمی تھے تو انہوں نے مقدمہ دائر ہونے سے پہلے بلکہ اپنے باپ کے انتقال کے ساتھ ہی اپنے اقرباء کی حق رسی کیوں نہ کی؟ اور اگر مقدمہ دائر ہونے سے پہلے الہامی صاحب خواب بے حسّی میں پڑے تھے اور سالہا سال حالتِ غفلت میں اقرباء کے حصے کی آمدنی ہضم کرتے رہے تو جس وقت اقرباء نے نالش کرنے کا نوٹس دیا تھا اس وقت ان کا حق کیوں نہ دے دیا؟ اگر اس وقت بھی حق و ناحق میں احساس نہیں ہو سکا تو نالش ہونے کے بعد ہی ان کا حصہ کیوں نہ بانٹ دیا؟ اور اگر نالش کے بعد بھی حقوق العباد کی طرف سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق ارزانی نہیں ہوئی تھی تو پھر اُس وقت ہی اہل حقوق سے انصاف کا برتاؤ کیوں نہ کیا جب کہ موعود صاحب اور ان کے بھائی دو تین ماتحت عدالتوں میں مقدمہ جیت کر اپنی کامیابی کے شادیانے بجا رہے تھے؟ غرض الہامی صاحب نے کسی وقت بھی اقرباء سے منصفانہ برتاؤ نہ کیا۔ آخر ان بیچاروں نے چھوٹی عدالتوں میں ہزیمتیں اُٹھانے کے بعد عدالت عالیہ میں مرافعہ دائر کیا۔ اس وقت بھی حضرت مسیح موعود کے جذبۂ حرص و آز نے اقرباء کا حق واپس دینے کی اجازت نہ دی۔ یہاں تک کہ عدالت عالیہ کے صلیب پرست انگریز ججوں نے اراضی مغصوبہ مالکوں کو واپس دلائی۔ اور ظاہر ہے کہ اگر عدالت عالیہ مظلوم اقرباء کو زمین واپس دلا کر داد خواہی نہ کرتی تو پہلے حضرت مسیح موعود صاحب مدت العمر اور پھر ان کی اولاد تا قیامت اقرباء کی زمین پر قابض و متصرف رہ کر

اس کی آمدنی سے اپنا تنور شکم پُر کرتی رہتی۔

قادیانی کو شرفِ مکالمہ و مخاطبہ

اس سوال کے جواب میں مرزائی یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب اس وقت بالکل کمسن اور ابتدائی حالت میں تھے۔ اس کے علاوہ زمین پر ان کے بھائی مرزا غلام قادر کا قبضہ تھا۔ اگر یہ زمین "مسیح موعود" کے دستِ اختیار میں ہوتی تو مقدمات کے دائر ہونے سے پہلے ہی زمین واپس کر دیتے۔" لیکن یہ بیان سراسر مغالطہ ہے۔ کیونکہ الہامی صاحب کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی جو پختگیٔ عقل کی انتہا ہے چنانچہ ان کے منجھلے فرزند مرزا بشیر احمد ایم اے نے ان کا سال ولادت ۱۸۳۷ء لکھا ہے (دیکھو سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۵۰) اور یہ مقدمہ ۱۸۷۷ء میں دائر ہوا تھا (دیکھو البشریٰ جلد ۲ صفحہ اوّل) اس سے قطع نظر جس طرح اس اراضی پر ان کے بھائی کا حق ملکیت تھا ان کا بھی تھا اور وہ بھائی کو سمجھا کر تلافیٔ مافات کر سکتے تھے اور اگر بھائی انصاف پر مائل نہیں ہوتا تھا تو علانیہ اس کی مخالفت کر کے اپنی انصاف پسندی اور حق پژوہی کا عملی ثبوت پیش کر سکتے تھے۔ جس کی یہ صورت تھی کہ اسی عدالت کے سامنے جس میں مقدمہ پیش تھا حاضر ہو کر یہ بیان دیتے کہ ہمارے اقرباء واقعی زمین کے حصہ دار ہیں۔ ان کا حق ان کو دلایا جائے؛ اور الہامی صاحب تو مدعی علیہ تھے اور اُن پر فرض تھا کہ اُس وقت تک اپنے اوپر آب و دانہ حرام کر لیتے جب تک حق داروں کی حق رسی نہ کر لیتے، اسلام نے تو ان لوگوں کے لئے بھی از خود گواہ بننے کا حکم دیا ہے جنہیں فریقین مقدمہ سے کوئی تعلق نہ ہو چنانچہ حضرت زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر آدمی (از روئے شہادت) وہ ہے جو پیشتر اس کے کہ شہادت دینے کے لئے اس سے کہا جائے وہ گواہی دینے پر آمادہ ہو اور لوگوں سے سوال کرے کہ میں اس معاملہ کا گواہ ہوں (ابو داؤد) یعنی حق پرست آدمی وہ ہے جو خود بخود حاکم کے پاس جا کر گواہی دے تاکہ حق دار کا حق تلف نہ ہو اور اس قسم کی گواہی بڑا کار ثواب ہے اور یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ ایک قوم ایسی پیدا ہوگی جو شہادت کی خواہش کئے جانے سے پہلے گواہی دینے لگے گی۔ کیونکہ مؤخر الذکر حدیث میں جھوٹی گواہی مراد ہے۔ لیکن اس کے برخلاف حضرت مرزا صاحب نہ صرف چپ سادھے بیٹھے رہے۔ بلکہ وہ اور ان کے بھائی غلام قادر صاحب سالہا سال سُودی روپیہ قرض لے کر اس کوشش میں مقدمہ لڑتے رہے کہ دوسروں کے حقوق پر بدستور غاصبانہ قبضہ جمائے رکھیں۔ یہاں تک کہ آخر کار چیف کورٹ نے مظلوموں کی داد رسی کی اور حضرت "مسیح موعود" اور اُن کے جفا پیشہ بھائی کو بعد از خرابیٔ بسیار ہضم شدہ طعمہ اُگلنا پڑا۔ حضرات یہ نہ سمجھنا کہ اس مقدمہ بازی کے وقت حضرت مرزا صاحب عوام کالانعام کے زمرہ میں داخل تھے۔ نہیں بلکہ خدا کے فضل سے ان ایام میں بھی جیسا کہ انہوں نے خود تشریح کی ہے ان کا حاجی خدا ان سے ہمکلام ہوتا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرفِ مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔ پھر سات سال بعد یعنی ۱۲۹۷ھ میں کتاب براہین احمدیہ تالیف ہو کر شائع ہوئی۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲ سطر اوّل) اور براہین احمدیہ کی پہلی دو جلدیں ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی تھیں (دیکھو سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۵۱) اس سے ثابت ہوا کہ مرزا جی ۱۸۷۳ء سے شرف ہمکلامی سے مشرف ہو رہے تھے اور یہ مقدمہ اس شرف مکالمہ و مخاطبہ کے چار سال بعد ۱۸۷۷ء میں دائر ہوا تھا۔ اقرباء کی زمین پر یہ قبضہ و تصرف ایک اور حیثیت سے بھی قابل توجہ ہے کہ مرزا جی بزعم خود مثیل مسیح

تھے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت صحاح میں ہے۔ کہ وہ حاکم عادل ہوں گے"۔ لیکن ان کے خانہ ساز مثیل کی عدل گستری دیکھو کہ صلہ رحمی اور خویش پروری کی جگہ اُلٹا اقرباء ہی کی زمین ہتیا لی۔ اس مثیل سے تو چیف کورٹ کے ہیبت پرست جج ہی افضل و فائق رہے جنہوں نے مظلوموں کی فریاد رسی کرکے اپنی انصاف پسندی کا ثبوت دیا۔

باب ۱۰۔ خاندانی زوال اور اُس کا مداوا

میاں بشیر احمد ایم اے (ابن مرزا غلام احمد صاحب قادیانی) کا بیان ہے کہ مرزا غلام مرتضیٰ اور ان کے بھائی غلام محی الدین نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کئی فوجی خدمات انجام دی تھیں۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ سکھی حکومت کے خاتمہ پر دونوں بھائی قلعہ بسراواں میں قید کر دیئے گئے۔ اور انگریزوں نے خاندانی جائداد ضبط کرکے صرف سات سو روپیہ سالانہ کی غیر ذاتی پنشن زر نقد کی صورت میں مقرر کر دی۔ جو مرزا غلام مرتضیٰ کی وفات پر ایک سو اسّی روپے (پندرہ روپے ماہوار) رہ گئی۔ اور پھر مرزا غلام قادر کی وفات پر وہ بھی بند ہو گئی۔ (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۴۲-۴۳) غلام قادر مرزا غلام احمد کے بڑے بھائی تھے۔ اور غلام محی الدین مرزا امام الدین نظام الدین اور کمال الدین کے والد تھے۔ مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ میرے والد (مرزا غلام مرتضیٰ) صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستّر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا۔ جس کا انجام آخر ناکامی تھا۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے اور ان کا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ (کتاب البریہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۵۵) ان حالات کے پیش نظر مرزا غلام احمد صاحب رات دن اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ خاندانی زوال کا مداوا کیا ہو سکتا ہے اور ترقی و عروج کی راہیں کیونکر کھل سکتی ہیں؟ ملازمت سے وہ سیر ہو چکے تھے۔ مختاری کے ایوان میں باریابی کی اجازت نہیں ملی تھی۔ فوج یا پولیس کی نوکری سے بھی بوجہ قلّتِ مشاہرہ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تجارتی کاروبار سے بھی قاصر تھے کیونکہ اس کوچہ سے نابلد ہونے کے علاوہ سرمایہ بھی موجود نہیں تھا۔ اب لے دے کے تقدّس کی دکانداری ہی ایک ایسی چیز باقی رہ گئی تھی جس کی طرف مقتضائے فطرت نے انہیں مائل کر دیا اور یہی ایک ایسا مشغلہ پیش نظر تھا جس کی زرپاشیاں حصول عزّوجاہ اور عیش و عشرت کی کفیل ہو سکتی تھیں۔ اس بنا پر ذہن ہر طرف سے ہٹ کر ہر مرتبہ اسی طرف منتقل ہوتا تھا کہ مقتدائے زمان بن کر اپنے دنیوی اغراض و مقاصد کی تکمیل کی جائے۔ اس خیال کا سب سے بڑا محرک یہ تھا کہ ان دنوں قادیاں کے گرد و نواح میں چند بزرگ ہستیاں موجود تھیں جن کی طرف بڑا رجوع خلائق تھا۔ مثلاً قصبہ بٹالہ میں پیر سید ظہور الحسن اور پیر سید ظہور الحسین صاحبان سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشائخ موجود تھے۔ موضع رتڑ چھتڑ ضلع گورداسپور میں پیر سید امام علی شاہ صاحب نقشبندی مسند آرا تھے اسی طرح موضع مسانیاں میں ایک بڑی گدّی تھی۔ ان حضرات کو مرجع خلائق دیکھ دیکھ کر قادیانی صاحب کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی کہ مشیخت اور پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ لیکن پھر رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ معلوم نہیں یہ کوشش بارآور ہو یا نہ ہو اور لوگ رجوع کریں یا نہ کریں۔ اسی کشمکش و پیچ میں طبیعت نے فیصلہ کیا کہ سردست اسی عزم کو عملی جامہ پہنایا

جائے جس کے متعلق سیالکوٹ میں مشورے ہوتے تھے یعنی غیر اسلامی مذاہب کی تردید میں ایک جامع کتاب مرتب کر کے شائع

مولوی محمد حسین بٹالوی سے مشورہ

قادیانی صاحب اِسی اُدھیڑ بُن میں تھے کہ اتنے میں خبر آئی کہ ان کے بچپن کے رفیق و ہم مکتب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی لاہور سے بٹالہ آئے ہیں۔ ان کی ملاقات کا قصد کیا جن ایام میں مرزا صاحب سیالکوٹ میں ملازم تھے ان دنوں مولوی محمد حسین دہلی میں شیخ الحدیث مولنا سید نذیر حسین صاحب کی شاگردی میں اکتساب علوم کر رہے تھے۔ اور دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر لاہور چلے آئے تھے۔ ایک مرتبہ لاہور سے بٹالہ گئے تو مرزا صاحب نے بٹالہ آکر ملاقات کی۔ مدت کے بچھڑے ہوئے دوست ایک دوسرے سے مل کر محظوظ ہوئے۔ دوران گفتگو میں مولوی محمد حسین بولے۔ کہو یار اب تو تم اچھے خاصے شیخ چلی بن گئے۔ سنا ہے کہ بالا خانہ سے بہت کم نیچے اترتے ہو۔ ہر وقت اوراد و وظائف اور کتب بینی کا مشغلہ ہے۔ بھائی صاحب! شغل تو خوب ہے میں آپ کے حالات سن سن کر بہت خوش ہوا کرتا تھا۔ مرزا صاحب نے کہا کہ جب سیالکوٹ میں سلسلۂ ملازمت ترک کیا تو ایک سال کا طویل عرصہ قانون یاد کرنے میں کھو دیا۔ اور عمر عزیز کو ناحق برباد کیا اور پھر یاس و حرمان کے سوا کچھ حاصل نہ ہُوا۔ لیکن نہیں نہیں۔ قانون تو میں نے ملازمت ہی کے زمانہ میں رخصت لے کر یاد کیا تھا۔ ملازمت سے علیحدہ ہونے کے بعد کچھ عرصہ مقدمات کی پیروی میں مشغول رہا۔ مدت سے آپ کی ملاقات کا اشتیاق تھا جب سُنا کہ آپ بٹالہ آئے ہیں تو جی چاہتا تھا کہ پَر لگا کر بٹالہ جاؤں اور آپ سے ملوں" مولوی محمد حسین نے کہا کہ "میری آنکھیں بھی ہر وقت آپ کو ڈھونڈ رہی تھیں اور دل ملاقات کے لئے بے قرار تھا" مرزا صاحب نے کہا کہ اب میری بھی خواہش ہے کہ قادیاں کو چھوڑ کر کسی شہر میں قیام کر دوں" مولوی صاحب نے کہا "میری رائے میں بھی یہی قرین مصلحت ہے۔ جب ادھر جہاں کا قصد ہو مجھے اطلاع دینا۔ اگر لاہور کا قیام پسند ہو تو وہاں میں ہر طرح سے آپ کی مدد کر سکتا ہوں" مرزا صاحب نے کہا بہت دنوں سے میرا ارادہ ہے کہ غیر مسلم ادیان کے ردّ میں ایک کتاب لکھوں۔ مولوی محمد حسین نے کہا ہاں یہ بہت مبارک خیال ہے لیکن اس راہ میں ایک بڑی دقّت یہ حائل ہے کہ غیر معروف مصنف کی کتاب بہت مشکل سے فروخت ہوتی ہے۔ قادیانی صاحب بولے کہ حصول شہرت تو کوئی مشکل کام نہیں اصل مشکل یہ ہے کہ تالیف و اشاعت کا کام سرمایہ کا محتاج ہے، اور اپنے پاس روپیہ نہیں ہے مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کام شروع کر کے اپنے اس عزم کو مشتہر کیجئے۔ میں بھی کوشش کروں گا اور اپنے احباب کو بھی سعی بلیغ کی تاکید کروں گا۔ حق تعالیٰ مسبب الاسباب ہے لیکن یہ کام قادیاں میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ لاہور یا امرتسر چلے چلیئے" (چودھویں صدی کا مسیح ص ۲۴ ۔ ۳۴)

باب ۱۱ ۔ رجوعات و فتوحات کی دُعا کرانے کیلئے امرتسر کا سفر

مولوی محمد حسین بٹالوی کی ملاقات کے چند روز بعد مرزا صاحب امرتسر گئے، اور مولوی عبداللہ مرحوم غزنوی سے ملاقات کی۔ یہ ایک مشہور صوفی المشرب عالم تھے۔ مولوی صاحب نے ان سے فرمایا تم مسافر معلوم ہوتے ہو۔ مرزا صاحب نے کہا ہاں آپ کا خیال درست ہے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کیا نام ہے اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ کہا ضلع گورداسپور میں قادیاں نام ایک گاؤں ہے وہاں کا رہنے والا ہوں۔ مولوی صاحب نے دریافت فرمایا یہاں کس طرح آنا ہُوا؟ مرزا صاحب نے کہا میرے

والد مرزا غلام مرتضیٰ قادیان کے رئیس ہیں۔ میں پہلے سیالکوٹ کی کچہری میں نوکر تھا قلیل تنخواہ میں بسر اوقات نہ ہوتی تھی اس لئے طیاری کرکے مختاری کا امتحان دیا لیکن ناکام رہا۔" مولوی صاحب نے پوچھا اب کیا مشغلہ ہے ؟ مرزا صاحب نے کہا اب نوکری وغیرہ کا تو قصد نہیں۔ محض توکل پر گذارہ کرنا چاہتا ہوں۔ رجوعات اور فتوحات کی مدد کا خواستگار ہوں۔ آپ دعا فرما دیجئے۔" مولوی صاحب نے کہا تم جو کے رئیس ہو خدا کا تم پر فضل ہے اگر نیک نیتی سے کام ہو تو خدا اس پر برکت دے گا۔ مرزا صاحب نے کہا میرا قصد ہے کہ مخالفین اسلام کے رد و ابطال میں کتابیں لکھوں۔ اثبات حقیت اسلام و کتاب اللہ و سنت خیر الانامؐ لکھ کر شائع کروں اور بقیۃ العمر اسی شغل میں بسر کروں۔" مولوی صاحب نے فرمایا جزاک اللہ! نہایت مبارک عزم ہے۔ حق تعالیٰ حسن نیت کی توفیق بخشے اور برکت دے۔ آپ کو کیا مشکل ہے۔ عنایت ایزدی سے صاحب اقتدار ہو اور جب تصنیف و اشاعت کا کام چل پڑے تو توجہ پر کچھ بار بھی نہیں رہے گا۔ مرزا صاحب نے کہا یہ درست تو بجا ہے لیکن ابتدا میں اس کام کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ اور روپیہ کا انتظام سخت دشوار نظر آتا ہے۔ جائداد پر بھی روپیہ نہیں مل سکتا کیونکہ وہ پہلے ہی رہن و مکفول ہے۔ اگر خدانخواستہ آج والد کی آنکھیں بند ہو جائیں تو شاید ساری جائداد فروخت ہونے پر بھی بار قرض سے سبکدوشی نہ ہو سکیں گے۔"

اتنے میں شام ہو گئی۔ نماز مغرب پڑھی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانا آ گیا۔ سب نے مل کر تناول فرمایا۔ نماز عشا کے بعد مولوی عبداللہ صاحب گھر تشریف لے گئے اور مرزا صاحب کے لئے بستر بھجوا دیا۔ مولوی صاحب کی عادت تھی کہ صبح کی نماز کے بعد مختصر سا وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس دن مولوی صاحب نے دوران وعظ میں فرمایا کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کے لئے خداوند عالم تنگی سے کشائش کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اور اسے ایسی ایسی جگہوں سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اُسے وہم و گمان نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کو صبر، توکل اور تقویٰ کی نعمت حاصل ہو جائے وہ کبھی کسی کا محتاج نہیں رہ سکتا اور اس کے سارے کام از خود سدھرتے رہتے ہیں۔ جو کوئی دنیا کا طالب ہوا سے صرف دنیا ہی ملتی ہے اور جو آخرت کا طلبگار ہو اُسے آخرت بھی ملتی ہے اور دنیا میں بھی بابرکت رہتا ہے۔ اس کے بعد مرزا صاحب کی طرف خطاب کرکے فرمایا۔ عزیز من! تقویٰ اللہ اختیار کرو۔ اور توکل علی اللہ سے اعانت چاہو۔ فتوحات اور رجوعات کے لئے اس سے بہتر کوئی عمل اور وظیفہ نہیں ہے۔ ع

چوں از وگشتی ہمہ چیز از تو گشت

اس کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور مرزا صاحب قادیان آ کر لاہور کی طیاریاں کرنے لگے۔ (چودھویں صدی کا مسیح ص ۵۴ تا ۵۸)

باب ۱۲۔ لاہور میں ورود، مذہبی چھیڑ چھاڑ اور مناظرانہ سرگرمیاں

فصل ۱۔ مرزا غلام احمد بحیثیت مبلغ اسلام

مولوی محمد حسین کی صلاح اور صواب دید کے بموجب مرزا جی نے مقدمہ بازی اور گوشہ نشینی کے جھمیلوں سے دست بردار ہو کر اپنے مستقبل کے متعلق جو سلسلہ عمل تجویز کیا اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں سے اُلجھ کر شہرت و نمود کی دنیا میں

قدم رکھنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموّج برپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بہت کچھ دریدہ دہنی کر رہے تھے۔ اب مرزا صاحب نے لاہور کا قصد کیا۔ ان ایام میں ان کے بچپن کے دوست و ہم سبق مولوی محمد حسین بٹالوی مسجد چینیاں والی لاہور میں خطیب تھے۔ مرزا صاحب لاہور آ کر ان سے ملے اور انہی کے پاس مسجد چینیاں میں اقامت اختیار کی۔ مرزا صاحب کو غیر اسلامی مذاہب کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف کچھ مولوی محمد حسین کے مشورہ کے بعد ہی توجہ نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے نیم ملّا بننے کے بعد ہی سے ہندو لٹریچر اور مسیحی کتب اور ان تصنیفات کا مطالعہ شروع کر دیا تھا جو غیر اسلامی مذاہب کی تردید میں لکھی گئی تھیں۔ چنانچہ لالہ بھیم سین کا بیان ہے کہ مرزا صاحب تحفۃ الہند، تحفۃ الہنود، تقلعت الہنود اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابیں شروع سے دیکھا کرتے تھے۔ (چودھویں صدی کا مسیح ص ۱۱-۱۲) خود مرزا غلام احمد صاحب براہین احمدیہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ سے

بہ مذہبے غور کردم بسے | شنیدم ز دل حجّتِ ہر کسے
بخواندم ز ہر ملتے دفترے | بدیدم ز ہر قوم دانشورے
ہم از کودکی سوئے ایں تاختم | دریں شغل خود را بینداختم
جوانی ہمہ اندریں باختم | دل از غیر ایں کار پرداختم
بماندم دریں غم زمانے دراز | نخفتم ز فکرش شبانِ دراز

یعنی میں نے ہر مذہب کی کتابیں خوب پڑھی ہیں۔ ہر مذہب کے آدمیوں سے مبادلہ خیالات کیا ہے۔ کتب مذاہب کے مطالعہ میں بچپن سے منہمک ہوں اور ساری جوانی اسی ایک مشغلہ کی نذر کر دی ہے یہاں تک کہ راحت و آرام سے دستکش رہ کر اکثر راتوں میں بھی مصروف مطالعہ رہا ہوں۔" چونکہ اب لاہور کے مذہبی معرکوں میں علمی حربوں کے جوہر دکھانے کا وقت تھا اس لئے نہ صرف مولوی محمد حسین کی مشاورت کے بعد سے لاہور آنے تک بلکہ مسجد چینیاں میں اقامت گزین ہونے کے بعد بھی مرزا صاحب نے ان کتابوں کا مطالعہ خاص طور پر زیادہ کر دیا تھا جو علمائے اسلام کی طرف سے ہنود اور نصاریٰ کی تردید میں لکھی جا چکی تھیں۔

لاہور کی ابتدائی سرگرمیاں اب مرزا صاحب کا لاہور میں قیام ہے اور مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی مشیر خاص ہیں۔ مرزا صاحب کی قابلیت اور بزرگی کا شب و روز پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ بابو عبدالحق اکاؤنٹنٹ حافظ محمد یوسف ضلعدار اور لاہور کے تمام دوسرے اہل حدیث اکابر و معززین معاونین کے زمرہ میں ہیں۔ عمائد شہر کی آمد و رفت شروع ہو چکی ہے۔ مشورے ہوتے ہیں۔ طرح طرح کی تدبیریں جن سے مرزا غلام احمد آسمان شہرت پر آفتاب بن کر چمک سکیں زیر غور ہیں۔ چند روز کے بعد آریوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی گئی ہے۔ اور کبھی عیسائیوں کے مقابلہ میں ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ لاہور میں ہر طرف مرزا غلام احمد کا چرچہ ہے کہیں مناظرہ کا تذکرہ کہیں حمایت اسلام کا اظہار کہیں زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت کا افسانہ غرض ہر جگہ مرزا صاحب ہی کا ذکر خیر ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، بابو عبدالحق اکونٹنٹ، منشی الٰہی بخش وغیرہ جہاں جاتے ہیں ان کی مدح و توصیف کے پھول برساتے جاتے ہیں۔ لاہور میں آریہ سماج بالکل نئی نئی قائم ہوئی ہے۔ مسٹر عبداللہ آتھم پنشن لے چکے ہیں۔ عیسائیوں اور آریوں کا کوئی نہ کوئی

پرچارک سرِشام لوہاری دروازہ کے باہر باغ میں آجاتا ہے اور مرزا صاحب ان میں سے کسی ایک سے اُلجھ پڑتے ہیں۔ آج غلام احمد صاحب کسی آریہ سے برسرِ مقابلہ ہیں دوسرے دن کسی پادری سے جا لگتے ہیں۔ غرض اسلام کا یہ نوخیز پہلوان ہر وقت کشتی کے لئے جوڑ کی تلاش میں رہتا ہے اور مجمع کو اپنے گرد جمع کر کے اپنے پہلوانی کمال دکھاتا ہے۔ بالجملہ کچھ دن یہی دلچسپ مشغلہ جاری رہا۔ چونکہ مرزا صاحب نے اپنے مجادلوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادم و نمائندۂ اسلام ظاہر کیا تھا اور وہ پبلک میں صرف مرزا غلام احمد رئیس قادیاں کے نام سے روشناس تھے یعنی نہ تو کسی مہدویت و مسیحیت کے مدعی تھے اور نہ ابھی باقاعدہ الحاد و زندقہ ہی کے کوچہ میں قدم رکھا تھا اس لئے ہر عقیدہ و خیال کا مسلمان مرزا صاحب کا مؤید و معاون تھا۔ خصوصاً وہ تمام علما، جنہوں نے آئندہ چل کر مرزا صاحب کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا مرزا صاحب کو حامی و ناصرِ دین یقین کرتے تھے۔ اور ہر طرف سے اُن کی عون و نصرت ہو رہی تھی۔ چند ماہ تک لاہور میں تبلیغی ہنگامے برپا رکھنے کے بعد مرزا صاحب قادیاں چلے گئے اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر کے مقابلہ و مناظرہ کے نمائشی چیلنج دیتے رہے۔ چونکہ بحث و مباحثہ مقصود نہیں ہوتا تھا بلکہ حقیقی غرض نام و نمود اور شہرت طلبی تھی اس لئے آریوں کی ہر شرط و مطالبہ کو بلطائف الحیل ٹال جاتے اور اپنی طرف سے ایسی ناقابل قبول شرطیں پیش کر دیتے تھے کہ مناظرہ کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اس وجہ سے قادیانی صاحب کی ساری اشتہار بازی بے نتیجہ رہی اور بدمزگی بڑھ جانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا البتہ اس سے مرزا جی کی دلی آرزو یعنی حصول شہرت و نمود پوری ہوگئی۔

فصل ۲۔ مرزا غلام احمد کی مناظرانہ حیثیت

یہاں یہ جتلا دینا بھی ضرور ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب بحث و مناظرہ کے مرد میدان نہیں تھے۔ کاغذی گھوڑے تو بھلے بُرے دوڑا لیتے تھے۔ لیکن تقریری بحث میں بہت جلد دم توڑ دیتے تھے۔ کبھی نہ دیکھا گیا کہ وہ کسی معرکہ سے کامیاب و فاتحانہ باہر نکلے ہوں۔ بایں ہمہ دشمن کو للکارنے اور چیلنج دینے کے بڑے بہادر تھے۔ اگر فریق مقابل علمی سرمایہ سے تہی دست ہوتا تو وہ اُن کے طوفان خیز چیلنج سے مرعوب ہو کر دم بخود رہ جاتا اور اگر کوئی عالم شریعت سچ مچ مقابلہ ہی پر ڈٹ جاتا تو اُسے پیچ در پیچ شرطوں کی بھول بھلیوں سے باہر نکل کر مقابلہ کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ آج کل کے مرزائیوں کا طریق عمل ہمارے سامنے ہے کیسی ہی ذلت آفرین شکست سے کیوں سابقہ نہ پڑے ہمیشہ اپنی ہی فتح کا راگ الاپتے ہیں اور اپنی شکست و بدحالی اور ہزیمت و فرار کو خصم کی شکست و ہزیمت قرار دیتے ہیں۔ یہی حال ان کے پیر و مرشد کا تھا۔ وہ بھی ہمیشہ اپنی ہزیمت کو دشمن کی ہزیمت سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ پرنسپل (یا پروفیسر) فورمن کرسچن کالج لاہور نے کیا خوب لکھا کہ مرزا غلام احمد کی گذر اور اقبال مندی کا مدار سراسر شہرت پر تھا۔ مباحثہ کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو تاہم مرزا صاحب بے تکلف اپنی فتح کا اعلان کر دیتے تھے۔ عقلی طور پر وہ اپنے دعاوی کو ولولہ انگیز پیرایہ میں مشتہر کرنے اور اپنی باتوں کو مضبوط بنانے میں بڑے ہوشیار تھے۔ خصوصاً عوام الناس کی توجہ جذب کرنے کے فن میں تو اُستاد کامل تھے۔ (کتاب موسوم بہ "مرزا غلام احمد قادیانی مسیح و مہدیٔ موعود" مؤلفہ ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ ص ۳۵)

مولانا ثناء اللہ کا ایک پادری سے مناظرہ انشاء اللہ العزیز آپ کسی موقعہ پر آگے چل کر پڑھیں گے کہ قادیاں

کے "مسیح موعود" صاحب عبداللہ آتھم نام ایک مرتد عیسائی سے دو ہفتے تک تحریری مناظرہ کرتے رہے لیکن اسے مغلوب نہ کر سکے۔ بلکہ روداد مناظرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل پرست ہونے کے باوجود وہ مرزا صاحب کو بُری طرح رگیدتا رہا۔ لیکن خدا کے مقبول بندے اہل باطل کے مقابلہ میں مرزا صاحب کی طرح گھنٹوں اور دنوں تک گاؤ زوری نہیں کیا کرتے بلکہ دشمن کو منٹوں اور سکنڈوں میں پچھاڑتے اور معاً ان کی چھاتی پر سوار ہو جاتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسہ مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کے زمانہ میں جب کہ مغلیہ سلطنت کا آفتاب اقبال رو بزوال تھا ایک بڑا لسّان پادری دہلی آیا اور علمائے اسلام کو مناظرہ کی دعوت دی بعض علمائے سوء کو جو شاہ عبدالعزیز کے خاندان سے حسد وعناد رکھتے تھے شاہ اسحاق صاحبؒ سے بڑی کاوش تھی۔ اُنہوں نے جا کر اس پادری کو پٹی پڑھائی کہ تم عام علماء کو چھوڑ کر خاص شاہ اسحاق کو اپنا مخاطب بناؤ۔ اور انہی کو مناظرہ کا چیلنج دو۔" چونکہ شاہ صاحب بالکل سادہ مزاج کم سخن اور دنیا سے منقطع تھے اور زبان میں کسی قدر لکنت تھی معاندین کا خیال تھا کہ یہ لسّان پادری شاہ صاحب کو ضرور مات دے گا۔ اور ان کی رسوائی ہوگی۔ اب پادری نے شاہ صاحب کو مقابلہ کے لئے للکارنا شروع کیا۔ شاہ صاحب نے بھی بے تکلف یہ دعوت منظور فرمالی۔ انہی دنوں دہلی میں مولوی فریدالدین مرادآبادی اور مولوی محمد یعقوب صاحب اہل کتاب کے مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جب اُنہوں نے سُنا کہ شاہ صاحب نے دعوت مناظرہ منظور فرمالی ہے تو بہت گھبرائے۔ اور جا کر شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ بذات خود مناظرہ نہ فرمائیں ہم کو اپنا وکیل بنا دیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا مشکل یہ ہے کہ اس نے میرا ہی نام لیا ہے اس لئے اعراض و انکار کی کوئی صورت نہیں۔ ظفر شاہ بادشاہ دہلی بھی شاہ صاحب کا مخالف تھا۔ قلعہ معلّٰی میں مناظرہ کی ٹھہری۔ دھوم دھام سے مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ یہ شاہ صاحب کا کچھ باطنی تصرف تھا کہ جب پادری شاہ صاحب کے سامنے آیا تو اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور ایسا حواس باختہ ہوا کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکا۔ جب کچھ دیر ہو گئی تو شاہ صاحب نے پادری سے فرمایا کہ آپ کچھ فرمائیں گے یا میں ہی عرض کروں؟" اس نے کہا آپ ہی فرمائیے۔ شاہ صاحب نے تقریر شروع کی۔ حقانیت اسلام کے دریا بہا دیئے۔ اور بطلان مسیحیت کے وہ وہ دلائل پیش کئے کہ اعداء بھی اش اش کر گئے۔ پادری بالکل دم بخود بیٹھا تھا۔ نہ تو اُس نے آپ کی تقریر پر کوئی اعتراض کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی سوال کر سکا جب تمام لوگوں پر پادری کا عجز ظاہر ہو گیا تو شاہ صاحب نے اُن بدطینت مولویوں کی طرف جنہوں نے اس پادری کو اُبھارا تھا متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہمارے خاندان کا معمول رہا ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے بائبل پڑھا دیا کرتے تھے کیونکہ بائبل پر عبور ہوئے بغیر قرآن فہمی میں وہ لطف نہیں آتا جو تورات انجیل اور زبور پڑھ لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اسی قاعدے کے بموجب مجھے بھی یہ کتابیں پڑھائی گئی تھیں اس لئے میں عیسائی مذہب کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش کے بموجب اسحاق کو شکست اور ذلت ہوتی تو اس میں کچھ مضائقہ نہ تھا کیونکہ مجھے علم کا دعویٰ ہی کب ہے؟ لیکن اسلام تو تمہارا بھی تھا۔ اس سے تمام مخالف پانی پانی ہو گئے اور مناظرہ ختم ہوا (امیر الروایات ص۲۲)

باب ۱۳۔ حکیم مرزا غلام مرتضیٰ کا انتقال

مرزا غلام احمد صاحب امتحان مختاری کی ناکامی کے بعد ۱۸۶۸ء میں قادیاں چلے آئے تھے۔ باپ نے قانون دان اور خصومت پسند پاکر آتے ہی مقدمہ بازی کے کام میں لگا دیا۔ ۱۸۶۸ء سے لے کر ۱۸۷۶ء تک یعنی قریباً آٹھ سال تک برابر لوگوں سے دست وگریباں رہے۔ مقدمہ بازی کے آخری ایام میں حکیم غلام مرتضیٰ کا آفتاب حیات لب بام تھا۔ جب ان کا پیمانہ حیات آب فنا سے لبریز ہوا تو انہیں پیچش کا عارضہ لاحق ہوا۔ مرزا غلام احمد صاحب اس وقت لاہور آئے ہوئے تھے ان کو خط لکھا گیا۔ یہ قادیاں پہنچے تو باپ بستر مرگ پر دراز تھا۔ جب گھر پہنچے تو تیمارداروں نے جو پاس بیٹھے تھے کہا غلام احمد تم آگئے؟ یہ سن کر باپ نے منہ سے چادر اٹھائی اور بیٹے کی طرف دیکھ کر کہا بیٹا غلام احمد تم آگئے؟ خط پہنچ گیا تھا؟ مرزا غلام احمد نے کہا خط تو نہیں ملا میں نے آپ کو خواب میں بیمار دیکھا تھا۔ (کتاب البریہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۵۹) باپ نے کہا ہاں مجھے پیچش نے ہلاک کر ڈالا۔ اب کل سے کسی قدر افاقہ ہے۔ آہ دنیا بہت ناپائیدار ہے۔ بیٹا! جسقدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر وہی سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب اور غوث ہوتا۔ (ایضاً ص ۱۵۶) میں نے دنیا کے لئے ناحق عمر عزیز برباد کی اب میرا وقت آخری ہے اور جو دم ہے دم واپسیں ہے۔ اس کے بعد شاید دوسرے ہی دن تیر قضا کا نشانہ بن گئے اور مسجد کے گوشہ میں سپرد خاک ہوئے۔

کیا رب العلمین نے مرزا غلام مرتضیٰ کی عزاداری کی؟

مرزا غلام احمد صاحب اپنے باپ کے حادثہ مرگ کے متعلق لکھتے ہیں۔ "دوپہر کے وقت ہم سب عزیز ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اس وقت تم ذرا آرام کرلو۔ کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کے لئے ایک چوبارہ (بالاخانہ) میں چلا گیا اور ایک نوکر پیر دبانے لگا۔ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضا و قدر کا مبدء ہے اور قسم اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا۔ اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزاپرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا۔ سُبْحَانَ اللّٰہ! کیا شان خداوند عظیم ہے اور ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اس کی وفات کو عزاپرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔

اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے کہ خدا تعالیٰ کی عزاپرسی کیا معنی رکھتی ہے مگر یاد رہے کہ حضرت عزت جل شانہ جب کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے کرتا ہے۔ (کتاب البریہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۶۰-۱۶۱) نبیع قادیاں کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ خدائے بے نیاز نے مرزا غلام احمد صاحب سے ان کے والد کے حادثہ مرگ پر ایک دوست کی طرح تعزیت کی۔ لوگ حیرت زدہ ہیں کہ خدائے احکم الحاکمین نے حضرت یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کی رحلت پر عزاپرسی نہ کی اور اگر کی ہوتی تو ضرور احادیث نبویہ میں اس کا ذکر ہوتا۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام کے پاس ان کے والد مکرم حضرت اسحاق علیہ السلام کے حادثہ انتقال پر تعزیت نہ فرمائی اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے ان کے پدر بزرگوار جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر کوئی عزاپرسی نہ کی۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان کے والد اکرم حضرت داؤد خلیفۃ اللہ علیہ السلام کے انتقال پر تعزیت نہ کی حالانکہ یہ تمام باپ بیٹے انبیاء و مرسلین تھے لیکن عزاداری کی تو حکیم غلام مرتضیٰ کے انتقال پر کی جو نہ نبی تھے نہ صدیق،

نہ مہاجر تھے نہ شہید، نہ زاہد تھے نہ عارف نہ عالم تھے نہ حافظ غرض کچھ بھی نہ تھے۔ لیکن میں اس راز کو افشا کر دینا چاہتا ہوں کہ سنت مستمرہ کے خلاف ایسا کیوں ہُوا؟ سو معلوم ہو کہ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب میں دو خصوصیتیں ایسی پائی جاتی تھیں جو نہ کسی نبی میں گذری ہیں اور نہ کسی صدیق، شہید، عارف اور ولی میں۔ ان میں سے پہلی خصوصیت یہ تھی کہ وہ حضرت مرزا غلام احمد "مسیح زمان" کے والد تھے۔ دوسری یہ کہ وہ بے نماز تھے۔ مؤخر الذکر خصوصیت کے متعلق مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں۔ "ایک بغدادی مولوی آیا تو آپ (مرزا غلام مرتضیٰ) نے اس کی کمال خدمت کی۔ مگر اس نے کہا کہ تم نماز نہیں پڑھتے؟ آپ نے کمزوری کا اعتراف کیا۔ تکرار کے بعد مولوی نے کہا کہ تمہیں خدا دوزخ میں ڈالے گا تو آپ نے جوش میں آکر کہا کہ تم کو کیا معلوم مجھے کہاں ڈالے گا۔ میں خدا سے بدظن نہیں ہوں۔ میری عمر ۷۵ سال کی ہے۔ خدا نے میری پیٹھ نہیں لگنے دی تو کیا اب مجھے دوزخ میں ڈالے گا؟ (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۲۱۲) مرزا غلام مرتضیٰ کے عقاید و اعمال کے متعلق مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے اپنے ماہوار رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں لکھا تھا۔ "الہامی صاحب کے باپ مرزا غلام مرتضیٰ جن کو میں نے بھی دیکھا ہے اور ان کے دیکھنے والے بہت سے لوگ اس وقت زندہ ہیں صرف حکیمانہ مذہب رکھتے (یعنی دہریہ تھے)۔ اگر مذہب کی طرف کچھ میلان تھا تو تشیع کی طرف تھا۔ اور اس پیرانہ سالی میں جب کہ میں نے ان کو دیکھا ہے ان کو نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ ارکان شرعیہ کا التزام نہ تھا۔ ممنوعات شرعیہ کا حال ہم نہیں لکھتے۔ یہ خود قادیانی سے یا اُس کے دوستوں سے پوچھنا چاہیئے (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵ ص ۱۷۰)

تعزیت کرنے والی ذاتِ شریف

ظاہر ہے کہ جب ایسے عقاید و اعمال رکھنے والے شخص کی موت پر خدا نے ماتم پرسی کی تو یہ وہ خدا نہیں ہو سکتا جو رب السمٰوٰت والارض ہے بلکہ وہ قادیاں کا حاجی خدا ہوگا۔ جسے ٹیچی ٹیچی یا اس قسم کے کسی دوسرے نکوہیدہ نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہاں یہ جتلا دینا بھی ضرور ہے کہ جس باپ کے مرنے پر "خدا" نے مسیح صاحب کے پاس ماتم پرسی کی تھی مسیح صاحب اُس باپ کے کہاں تک فرماں بردار تھے۔ اور انہوں نے اپنے باپ کی کس حد تک خدمت گذاری کی تھی۔ مرزا احمد علی صاحب امرتسری کتاب "دلیل العرفان" میں لکھتے ہیں "منشی محمد عبداللہ نے رسالہ "شہادۃ قرآنی" کے صفحہ ۵ پر لکھا ہے کہ مولوی باقر علی بٹالوی نے ان سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مرزا غلام مرتضیٰ پر فالج کا سخت حملہ ہوا اور زندگی سے مایوس ہو کر اپنے مخلص احباب کو اور مجھے (مولوی باقر علی کو) الوداعی ملاقات کے لئے بلا بھیجا۔ جب ہم لوگ قادیاں پہنچے تو اس وقت مرزا غلام مرتضیٰ کی یہ حالت تھی کہ کروٹ تک نہ بدل سکتے تھے۔ ان کے ورود پر وہ کچھ مضطرب سے دکھائی دیئے۔ دریافت کرنے پر کہنے لگے کہ میں اس خیال سے پریشان ہوں کہ تمہاری مہمانداری کون کرے گا؟ ہم نے کہا آپ کے فرزند مرزا غلام قادر۔ انہوں نے کہا اسے میں نے کسی ضروری کام کے لئے کہیں باہر بھیجا ہے۔ ہم نے کہا اچھا غلام احمد جو ہے۔ اُنہوں نے سرد آہ بھر کر جواب دیا کہ جب وہ میرے پرسا تک کو نہیں آتا تو آپ لوگوں کی کیا پروا کرے گا۔ اس نے تو آج کل آوارگی اختیار کر رکھی ہے۔ مولوی باقر علی کا بیان ہے کہ کچھ دنوں کے بعد ڈپٹی قائم علی کے مکان پر مرزا غلام مرتضیٰ سے میری ملاقات ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں میں نے غلام احمد کا حال دریافت کیا۔ اور میں نے کہا کہ اب تو شاید اس کا چال چلن ٹھیک ہو گیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ چال چلن کیسا اس کی تو قیامت تک اصلاح نہیں ہوگی (دلیل العرفان مؤلفہ مرزا احمد علی امرتسری ص ۱۱۳ — ۱۱۴) اس بیان کی تائید خود مرزا غلام احمد صاحب کی ایک تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ جس سے یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچتا ہے کہ مرزا غلام مرتضیٰ

اپنے بیٹے مرزا غلام احمد سے ناخوش تھے۔ اور غلام احمد صاحب اپنے والد محترم کے بے فرمان اور عاق تھے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے والد کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد لکھا تھا "ایسا ہی میرا بھائی امام الدین مجھے پیش آیا۔ وہ ان باتوں میں میرے باپ کے مقابلہ کا تھا۔ پس خدا نے ان دونوں کو وفات دی اور زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھا اور اس نے مجھے کہا کہ ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا تاکہ تجھ سے خصومت کرنے والے باقی نہ رہیں۔ رسالہ ریویو جلد ۲ صفحہ ۵۸۔ (دلیل العرفان ص ۱۱۴)

باب ۴ ۔ مرزا غلام احمد عارفِ کامل اور باخدا صوفی کی حیثیت سے

لاہور اور قادیان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے بعد رئیس قادیان کو جو شہرت و نمود حاصل ہوئی وہ ہر قسم کے دام تزویر کے کامیاب بنانے کی ضامن تھی۔ اس وقت مستقبل کے متعلق مرزا غلام احمد کے سامنے دو تجویزیں تھیں۔ کتابوں کی تصنیف و فروخت سے مالی منفعت۔ یا ولی کامل یا مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اپنی بزرگی کا رنگ جمانا۔ اور حطام دنیوی کا حاصل کرنا۔ پہلی تجویز کے متعلق مرزا صاحب نے کتاب "براہین احمدیہ" نام کی ایک کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس کا مواد انہی ایام میں جمع کرنا شروع کر دیا تھا جبکہ مرزا صاحب شروع شروع میں لاہور تشریف لا کر چینیانوالی مسجد میں اقامت گزین تھے۔ چونکہ یہ کام مرزا صاحب کی سی قابلیت کے آدمی کے لئے کئی سال کی تگ و دو اور جان فشانی کا محتاج تھا اور دوسرا کام یعنی تقدس و کبریائی کا زبانی دعویٰ ان کی نظر میں مہلت طلب اور صبر آزما نہ تھا اس لئے ارادہ کیا کہ پہلے اسی کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بموجب لوگوں سے منقطع ہو کر خلوت نشین ہو گئے۔ جس طرح کسی استاد کے سامنے زانوے تلمذ تہ کئے بغیر کوئی علم و ہنر حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح کسی پیر طریقت کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور استفادہ باطنی کئے بغیر کوے طریقت کی بھی راہ نہیں مل سکتی۔ لیکن مرزا صاحب اس خیال و عقیدہ کے آدمی نہیں تھے ان کے دل میں یہ بیہودہ خیال سرایت کر گیا تھا کہ بیعت و استفادہ بیکار ہے۔ انسان کو خود ہی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ حق تعالٰے نے فرمایا ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۲۵۳) (اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے (نجات و فلاح کے) راستے ضرور دکھائیں گے) مگر ظاہر ہے کہ تقدس مآب حضرت مرزا صاحب کی فہم نارسا اس آیۃ کا صحیح مفہوم سمجھنے ہی سے قاصر تھی۔ اس آیۃ کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اُستاد یا رہبر کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا صرف یہ مفہوم ہے کہ کوشش اور جدوجہد ہی فلاح و کامرانی کی کلید ہے۔ غرض اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر رئیس قادیان نے علم طریقت کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اور پیر کامل کی برکتِ انفاس سے محروم رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی مدت العمر کوے ضلالت میں سرشار رہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ مرزا صاحب نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے عزلت گزینی کا طریقہ اختیار کیا۔ دن بھر بالاخانہ میں زاویہ نشین رہنے لگے اور وظائف و عملیات کی کتابوں کا مطالعہ کر کے از خود خشک عملیات و وظائف شروع کر دیئے۔ ایک امرتسری دوست نے بٹالہ کے بعض ثقات سے روایت کی کہ مرزا صاحب ان دنوں قادیان سے باہر رات کے وقت خندق میں جا بیٹھتے اور کالے علم (جادو) کے عملیات بھی پڑھا کرتے۔ اس سلسلہ میں قادیانی صاحب نے خوابوں سے بھی مستقبل کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اہل اللہ

ہیں یہ استعداد فطرۃً ودیعت ہوتی ہے مرزا صاحب اس صلاحیت سے عاری تھے اس لئے یہ بیچارے شب و روز خواب ناموں کی ورق گردانی میں مصروف رہتے ۔ انہیں خواب ناموں سے اتنا شغف تھا کہ رات کو سوتے وقت بھی خواب نامہ تکیہ کے نیچے رکھ کر سوتے اور دن کو بیدار ہونے کے ساتھ ہی ان کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ رات کو جو جو اضغاث احلام دیکھے ہوتے اُن کی تعبیریں خواب نامہ میں تلاش کرنے لگتے ۔ یہاں تک کہ دن کا معتد بہ حصہ اسی بیہودہ شغل کی نذر ہو جاتا ۔ ان ایّام میں مرزا صاحب کا یہ بھی معمول تھا کہ اپنے خواب لوگوں کو سنایا کرتے اور دوسروں کے خواب سن کر تعبیر نامہ میں اس کی تعبیر تلاش کرتے ۔ اور لوگوں کو بتاتے ۔ (ضمیمہ تکذیب براہین ص ۲۳۶) مرزا صاحب کو غیبی امور کے انکشاف کا یہاں تک شوق چرایا تھا کہ حسب بیان میاں بشیر احمد ایم ۔ اے جن دنوں کوئی اہم امر مرزا صاحب کے پیش نظر ہوتا تھا گھر کی عورتوں اور بچوں اور خادماؤں تک سے پُوچھا کرتے تھے کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے ؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو بڑے غور اور توجہ سے سُنتے تھے ۔ (سیرۃ المہدی جلد ۱ ص ۱۷۶)

باب ۱۵ ۔ مراق کا عارضہ اور دوسری بیماریاں

یہ امر مسلّم ہے کہ انبیاء کرام کے روحانی و جسمانی قویٰ بالکل بے عیب اور غیر انبیاء کے قویٰ سے ممتاز و برتر ہوتے تھے ۔ عارضی طور پر بعض معمولی رنجوریاں مثلاً بخار و درد سر وغیرہ ان کے بھی عائد حال ہوتی تھیں لیکن یہ کبھی نہ ہُوا کہ کسی نبی کی کوئی بیماری سایہ کی طرح ہمیشہ ساتھ ہی لگی رہی ہو ۔ اور قادیانی صاحب کی بیماریوں کی طرح اس نے قبر تک پہنچا کر ہی پیچھا چھوڑا ہو ۔ قادیانی صاحب مدعی نبوّت بیماریوں کا مجسمہ اور رنجوریوں کا مخزن و معدن تھے ۔ ان کی اکیلی ذات میں بیماریاں اس کثرت و تنوع کے ساتھ جمع ہو گئی تھیں کہ پندرہ بیس آدمیوں میں بھی مجتمعاً کہیں نہ پائی جائیں گی ۔ ان کی بے شمار بیماریوں میں سب سے زیادہ قابل ذکر ان کا مرض مراق ہے جو دیوانگی کی ایک قسم ہے ۔ یہ ایک ایسا مرض ہے کہ جس کا کسی نبی یا ولی میں پایا جانا ناممکنات میں سے ہے ۔ یہی وہ مرض ہے جس کے بدولت حضرت مسیح موعود صاحب اپنے قوائے ذہنیہ کھو بیٹھے تھے ۔ معلوم ہو کہ مراق مالیخولیا کی ایک قسم ہے اور مالیخولیا ایک دماغی مرض ہے ۔ جو انسان کو غور و تدبر اور فکر صحیح سے باز رکھتا ہے اس میں عموماً ایسی باتیں سوجھتی ہیں جو سراسر عقل کے خلاف ہوتی ہیں ۔ (میزان الطب ص ۳۴) خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین لکھتے ہیں ۔ مالیخولیا جنون (دیوانگی) کا ایک شعبہ ہے ۔ اور مراق مالیخولیا کی ایک شاخ ہے (بیاض نورالدین حصہ اوّل ص ۲۱۱) مراق کے متعلق طب کی مشہور کتاب شرح اسباب میں لکھا ہے ۔ نوعٌ مِنَ الماليخوليا يسمّى المراقى (شرح اسباب جلد اوّل ص ۷۴) مراق مالیخولیا کی ایک قسم ہے جسے مراقی مالیخولیا کہتے ہیں ۔ مراقی کی باتیں اوہام کا مجموعہ ہوتی ہیں چنانچہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں ۔ مگر یہ بات تو جھوٹا منصوبہ ہے اور یا کسی مراقی عورت کا وہم ۔ (کتاب البریہ ص ۲۳۹) ڈاکٹر شاہ نواز خاں مرزائی اسسٹنٹ سرجن نے قادیان کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں لکھا کہ مرض مراق میں مریض کو اپنے جذبات پر قابو نہیں رہتا ۔ (ریویو آف ریلیجنز اگست ۱۹۲۶ء) اسی طرح مراقی کی تمام باتیں بے ربط اور بے سرو پا ہوتی ہیں چنانچہ منشی احمد حسین مرزائی فرید آبادی نے اخبار بدر قادیان میں لکھا کہ قاضی عبدالعزیز تھانیسری نے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ میں خلیفۂ وقت ہوں جب میں نے اس شخص کا یہ مضمون دیکھا تو ہنس کر ٹال دیا کہ ایسے مراقی اور کمزور طبع آدمی کی بے ربط اور بے سرو پا باتوں کا کیا نوٹس لیا جائے ۔ (اخبار بدر

قادیان ۶ دسمبر ۱۹۰۶ء ص ۴) مراقی آدمی طرح طرح کے ایسے خیالات کرتا ہے جن کی واقعات تردید کر دیتے ہیں۔ (ریویو آف ریلیجنز بمئی ۱۹۲۷ء ص ۲۳) کبھی قبض کبھی دست آتے ہیں (بیاض نورالدین حصہ اول ص ۲۱۳) اکثر بے خوابی کی شکایت رہتی ہے۔ ہضم اچھا نہیں ہوتا۔ تپ کا گمان رہتا ہے۔ کبھی ہاتھ پاؤں جلتے ہیں۔ کبھی ٹھنڈے۔ مرض کے بیان کرنے میں بس نہیں کرتا۔ ہر وقت سوچ میں رہتا ہے۔ کمر سے شانوں تک درد محسوس کرتا ہے۔ کانوں میں آوازیں آتی ہیں جس بیماری کا بھی کہیں تذکرہ ہو جھٹ بول اٹھتا ہے کہ یہ مجھ کو ہے (ایضاً) مالیخولیا صفراوی کا مریض غضبناک، بدحواس، حیران و پریشان بدخلق بکواسی ہوتا ہے اور زیادہ بیدار رہا کرتا ہے۔ (مخزن حکمت جلد ۲ ص ۱۳۵۲ طبع پنجم) مراقی تنہائی پسند ہوتا ہے (شرح اسباب جلد اول ص ۶۰)

مراق کا ذی علم مریض وحی والہام کا دعویٰ کرتا ہے

بعض مراقیوں کی علامت یہ ہے کہ اگر وہ نیم ملّا اور صاحب علم آدمی ہوں تو نبوّت، خدائی، غیب دانی، بادشاہت یا اس قسم کا کوئی اور تعلّی آمیز دعویٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ حکیم اعظم خاں کتاب "اکسیر اعظم" میں لکھتے ہیں۔ "اگر مریض دانشمند بودہ باشد دعوائے پیغمبری و کرامات کند و سخن از خدائی گوید و خلق را دعوت کند۔ (اکسیر اعظم مطبوعہ نولکشور جلد اول ص ۱۸۸) (اگر مراق کا مریض ذی علم آدمی ہو تو پیغمبری اور کرامات کا دعویٰ کرتا ہے اور خدائی باتیں کہتا ہے۔ اور لوگوں کو اپنی پیغمبری کی دعوت دیتا ہے) مریض اپنے آپ کو غیب دان سمجھتا ہے بسا اوقات آئندہ ہونے والے واقعات کی قبل از وقت اطلاع دیتا ہے۔ بعض مریض اپنے تئیں فرشتہ اور بعض خدا سمجھنے لگتے ہیں۔ شرح اسباب جلد اول ص ۶۹) بعض عالم اس مرض میں مبتلا ہو کر پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ اور اپنے بعض اتفاقی واقعات کو معجزات قرار دیتے ہیں۔ (مخزن حکمت جلد ۲ ص ۱۳۵۲ طبع پنجم) مالیخولیا کا کوئی مریض خیال کرتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں کوئی خیال کرتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں۔ کوئی سمجھتا ہے کہ میں خدا ہوں" (بیاض نورالدین ص ۲۱۲) اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جائے گی کہ اس فصل میں مراقیوں کی جسقدر علامتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب کی سب قادیانی صاحب میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

فصل ۱۔ مسیح قادیاں کو اپنے مراق کا اعتراف

مرزا جی دوسرے بے شمار امراض کے علاوہ مرض مراق میں بھی مبتلا تھے جو جنون اور دیوانگی کی ایک قسم ہے یہ صحیح ہے کہ انبیاء کرام کو بھی اعدائے دین از راہ عناد دیوانگی کی طرف منسوب کرتے رہے۔ لیکن نہ تو ان سے کبھی اس قسم کی کوئی حرکت سرزد ہوئی جو (معاذ اللہ) اختلال حواس پر دلالت کرتی اور نہ خدا کے کسی فرستادہ نے کبھی اس الزام کو صحیح تسلیم کیا۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے کتب و صحف سماوی میں ہمیشہ ان افتراؤں کی تردید کی۔ اس کے برخلاف مرزا غلام احمد مدعیٔ نبوت کو خود اپنے مراقی ہونے کا اعتراف تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ (۱) "دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلعم نے پیشگوئی کی تھی جو اس طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان سے جب اُترے گا تو دو زرد چادریں اُس نے پہنی ہوں گی۔ سو اس طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرتِ بول (رسالہ تشحیذ الاذہان جون ۱۹۰۶ء ص ۶) (۲) "میرا یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ سے مبتلا رہتا ہوں تاہم آج کل کی مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات کو بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا

ہوں حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے (کتاب منظور الٰہی یعنی مجموعہ اقوال مرزا صاحب مرتبہ منظور الٰہی مرزائی ص ۳۴۸) (۳) اور لکھا کہ مجھے مراق کی بیماری ہے (ریویو آف ریلیجنز بابت اپریل ۱۹۲۵ء ص ۵۴) اسی طرح ایک مرزائی مضمون نگار نے لکھا کہ مراق کا مرض حضرت (مرزا) صاحب میں موروثی نہ تھا بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا اور اس کا باعث سخت دماغی محنت، تفکرات، غم اور سوء ہضم تھا۔ جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق، اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دوران سر کے ذریعہ ہوتا تھا۔ (ایضاً بابت اگست ۱۹۲۶ء ص ۱) حضرت (مرزا) صاحب نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ مجھ کو مراق ہے (ایضاً)

مرزائیوں کے عذر ہائے لنگ جب مرزائیوں سے کہا جاتا ہے کہ تم تو مراقی نبی کے پیرو ہو تو گھبرا کر کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے بےخبری میں اپنے آپ کو مراقی لکھ دیا ہے ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مراق دیوانگی کی ایک قسم ہے!! اس کا جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب ماشاء اللہ طبیب بھی تھے اور مراق، اور مالیخولیا کو اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب نے کتاب البریہ میں لکھا کہ میں نے فن طبابت کی چند کتابیں اپنے والد سے جو ایک نہایت حاذق طبیب تھے پڑھیں۔ (کتاب البریہ حاشیہ ص ۱۵۰) اور لکھتے ہیں کہ میں نے طب کی کتابیں پڑھی ہیں اور ان کتابوں کو ہمیشہ دیکھتا رہا ہوں (سیرۃ مسیح موعود مؤلفہ مرزا محمود احمد ص ۱۱) اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب طبیب بھی تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص طبیب ہو یا کم از کم نیم طبیب ہو وہ اتنا جاہل نہیں ہو سکتا کہ مراق کا مفہوم سمجھنے سے بھی قاصر ہو۔ بعض مرزائی کہتے ہیں کہ مراق سے کوئی دوسرا مرض مثلاً درد سر یا دوران سر وغیرہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس کے جواب میں حکیم عبدالرحمن صاحب ساکن یتیجہ کلاں ضلع گورداسپور کی طرف سے ۱۸ مئی ۱۹۳۴ء کے جریدہ "اہل حدیث امرتسر" میں ایک چیلنج شائع ہوا تھا کہ مراق کا لفظ مفرد طور پر صرف مالیخولیا یا مراقی کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے اور اگر اس کے خلاف کسی طبیب یا ڈاکٹر یا مولوی کو دعویٰ ہو تو مجھ سے مباحثہ کرلے۔ مگر کسی کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔

فصل ۲۔ مرزا غلام احمد مراق کا کس طرح شکار ہوئے؟

مالیخولیا مراقی میں مبتلا ہونے کی دو وجہیں تھیں ایک تو مسلسل کئی مہینے کے نفلی روزے جو انہوں نے اوائل میں اس خیال سے رکھے ہوں گے کہ شاید ان سے درجۂ ولایت مل جاتا ہوگا۔ دوسری کثرت مطالعہ۔ مرزا جی نے دونوں کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ "کتاب البریہ" میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی غذا کو کم کرنا شروع کیا یہاں تک کہ میں تمام رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلت غذا کے خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا (کتاب البریہ ص ۱۶۵) اور لکھا کہ میں نے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے ہیں کہ جنہوں نے شدید ریاضتیں اختیار کیں اور آخر یبوست دماغ سے وہ مجنون ہوگئے۔ اور بقیہ عمر ان کی دیوانہ پن میں گذری یا دوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلا ہوگئے۔ آج کل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پس ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ (کتاب البریہ ص ۱۶۷) اور فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے فرشتوں کو انسان کی شکل پر دیکھا یاد نہیں کہ

قادیاں ہے" یا تین (ان میں سے ایک تو غالباً مرزا صاحب کا رفیق اعلیٰ تیجی تیجی ہوگا اور دوسرے اس کے بھائی بند ہوں گے - راقم) یہ آپس میں باتیں کرتے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ کیوں اس قدر مشقت اٹھاتا ہے اندیشہ ہے کہ بیمار نہ ہو جاوے - میں نے سمجھا کہ یہ جو ۶ ماہ کے روزے رکھے ہیں ان کی طرف اشارہ ہے (البشریٰ جلد اول حصہ دوم ص ۴۴) ان تحریروں میں قادیانی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ تقلیل غذا اور خشک مجاہدوں سے دماغ میں یبوست پیدا ہوتی ہے اور جنون و دیوانگی آ گھیرتی ہے - چنانچہ بہت سے جاہل (وبے مرشد) درویش جنون کا شکار ہوگئے اور اُن کی عمر دیوانگی یا سل و دق وغیرہ امراض میں گذری" لیکن بوالعجبی دیکھو کہ اپنے متعلق الہامی صاحب نادانی سے یہی سمجھتے رہے کہ وہ تقلیل غذا کے باوجود ہر بلا و آفت سے محفوظ ہیں" حالانکہ ان کا مراق بلاشبہ اسی یُبس دماغی کا نتیجہ تھا جو کسی مرشد کامل کے حکم کے بغیر تقلیل غذا سے پیدا ہو گیا تھا

مراق کی تولید کا دوسرا سبب کثرت مطالعہ تھا - معراج الدین مرزائی نے لکھا ہے کہ مرزا صاحب کو خدا تعالیٰ نے کتابوں کے دیکھنے کا اس قدر شوق اور شغل دیا ہوا تھا کہ مطالعہ کے وقت گویا دنیا میں نہیں ہوتے تھے - آپ کی عادت شروع سے ایسی ہی تھی کہ اکثر مطالعہ ٹہل کر کرتے تھے اور ایسے محو ہو کر کثرت سے ٹہلتے تھے کہ جس زمین پر ٹہلتے تھے دب دب کر باقی زمین سے متمیز اور بہت نیچی ہو جاتی تھی - (سوانح عمری مرزا صاحب ملحقہ براہین احمدیہ ص ۶۳) اور مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اسقدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہیں تھا - میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے - کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے - (کتاب البریہ ص ۱۵۰) لیکن صحت میں فرق آکے رہا + مراقی مسیح کے پیروؤں نے ان کے مراق کے بعض اور وجوہ واسباب بھی بتائے ہیں - مثلاً ایک نے لکھا کہ حضرت (مرزا) صاحب کی تمام تکالیف مثلاً دوران سر - دردسر، کمی خواب، تشنج دل، بدہضمی، اسہال، کثرت پیشاب اور مراق وغیرہ کا صرف ایک ہی باعث تھا اور وہ عصبی کمزوری تھی - (رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیاں ص ۶۷ مئی سنہ ۱۹۲۶ء) دوسرا لکھتا ہے کہ مرض مراق حضرت (مرزا) صاحب کو ورثہ میں نہیں ملا بلکہ مراقی علامات کے دو بڑے سبب تھے - اول کثرت دماغی محنت، تفکرات، قوم کا غم اور اس کی اصلاح کی فکر - دوسرا غذا کی بے قاعدگی کی وجہ سے سوء ہضم اور اسہال کی شکایت - (ایضاً بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۲۶ء ص ۹)

فصل ۳ - مراقی ہونے کے عملی ثبوت

مسیح صاحب مراقی تھے اور اُن کا مراقی ہونا ان کے تمام حرکات و سکنات عادات و اطوار سے مترشح ہوتا تھا چند دل آویز نمونے پیش کئے جاتے ہیں - ایک مرتبہ مرزا صاحب گورداسپور گئے اور مقدمہ کے دوران میں اپنی چھڑی میاں محمد علی (موجودہ امیر جماعت احمدیہ لاہور) کو رکھنے کے لئے دی - جب مرزا صاحب کچہری سے رخصت ہونے لگے تو میاں محمد علی صاحب نے وہ چھڑی الہامی صاحب کو دینی چاہی - اُنہوں نے چھڑی ہاتھ میں لے کر اُسے بغور دیکھا اور فرمایا کہ یہ کس کی چھڑی ہے؟ عرض کیا گیا حضور ہی کی ہے - حضور ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں - مرزا صاحب نے فرمایا اچھا! میں تو سمجھا تھا کہ میری نہیں ہے حالانکہ وہ چھڑی مدت سے ان کے ہاتھ میں رہتی تھی - (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۲۲۷)

جوتی پاؤں میں تلاش گاؤں میں یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر اخبار الحکم قادیاں نے کتاب حیات النبی میں لکھا

کہ سردی کا موسم تھا۔ مرزا صاحب نے چمڑے کے موزے پہن رکھے تھے۔ رات کو سونے لگے تو پاؤں سے جوتا اتارا۔ ایک جوتا تو نکل گیا اور دوسرا پاؤں ہی میں رہا۔ اس جوتے سمیت ہی رات بھر سوئے رہے۔ اٹھے تو جوتے کی تلاش ہوئی۔ ادھر اُدھر بہتیرا دیکھا پتہ نہیں چلتا ایک پاؤں موجود ہے اور یہ خیال نہیں آتا کہ دوسرا پاؤں میں رہ گیا ہوگا۔ خادم نے کہا کہ شاید کُتا لے گیا ہوگا۔ اور اس خیال سے وہ ادھر اُدھر دیکھنے بھالنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو اتفاق سے مسیح صاحب کا ہاتھ اپنے پاؤں سے چھو گیا تو معاً فرمانے لگے۔ اوہو یہ تو پاؤں ہی میں ہے اور ہم یہ خیال کرتے رہے کہ صرف جراب ہے۔ خیر خادم کو آواز دی کہ جوتا مل گیا پاؤں میں رہ گیا تھا۔ (حیات النبی جلد اول ص ۱۵۱) ایک مرتبہ مرزا صاحب اور سید محمد علی شاہ تلاش روزگار کے خیال سے قادیاں سے چلے۔ کلانور کے قریب ایک نالے سے گزرتے ہوئے مرزا صاحب کی جوتی کا ایک پاؤں نکل گیا مگر اُس وقت تک انہیں معلوم نہ ہوا جب تک وہاں سے بہت دور جا کر یاد نہیں کرایا گیا (حیات النبی جلد اوّل ص ۵۸) ماسٹر کریم بخش معروف بہ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی لکھتے ہیں۔ "مجھے یاد ہے کہ حضرت لکھ رہے تھے۔ ایک خادمہ کھانا لائی اور حضرت کے سامنے رکھ دیا اور عرض کیا کھانا حاضر ہے۔ فرمایا خوب کیا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی اور میں آواز دینے کو تھا" وہ چلی گئی اور مرزا صاحب پھر لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ اتنے میں کتا آیا اور بڑی فراغت سے سامنے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ برتنوں کو بھی خوب صاف کیا۔ اور بڑے سکون اور وقار سے چلا گیا۔ بہت دیر کے بعد ظہر کی اذان ہوئی تو مرزا صاحب کو کھانا یاد آیا۔ آواز دی۔ خادمہ دوڑی آئی۔ عرض کیا میں تو بہت دیر ہوئی جب کھانا آپ کے آگے رکھ کر آپ کو اطلاع کر گئی تھی" (سیرۃ مسیح موعود ص ۳۰) ایک مرتبہ ایک ضعیف العمر آدمی نے خاکسار راقم الحروف سے بیان کیا تھا کہ ایک عیار جسے ملہم صاحب کے مراقی ہونے کا بخوبی علم تھا قادیانی صاحب کی مجلس میں آیا اور مریدوں کی طرح ہاتھ پاؤں چوم کر ایک دھیلہ نذر کیا۔ ملہم صاحب نے دھیلے کو گنی (اشرفی) سمجھ کر جیب میں ڈال لیا۔ اس وقت اور لوگ بھی نذرانے پیش کر رہے تھے۔ اور الہامی صاحب حسب معمول تمام رقمیں جیب میں ڈالتے جاتے تھے۔ جب اس شخص کو یقین ہو گیا کہ اس کا پیش کردہ دھیلہ روپوں میں مل چکا ہوگا تو کہنے لگا حضور! میں نے جو گنی نذر کی ہے اس میں سے پانچ روپے حضور کا نذرانہ ہے۔ باقی دس روپے مجھے عطا فرمائیے۔" ملہم صاحب نے دس روپے کا نوٹ اس کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد جب الہامی صاحب اپنے دولتکدہ پر تشریف لے گئے اور محمود احمد کی والدہ کوٹ کی جیبوں سے روپے اور نوٹ نکالنے لگیں تو الہامی صاحب نے فرمایا کہ روپوں میں ایک گنی بھی ہے اسے احتیاط سے الگ کر لینا" بیوی نے روپے نکال کر بہت دیکھ بھال کی مگر گنی دکھائی نہ دی۔ آخر کہنے لگیں کہ گنی تو کوئی نہیں البتہ ایک دھیلہ ضرور موجود ہے" اب الہامی صاحب کو احساس ہوا کہ فلاں شخص جس نے دس روپے کا نوٹ لیا تھا چکمہ دے گیا ہے۔ اس کے تعاقب میں چند آدمی دوڑائے مگر اب وہ کہاں مل سکتا تھا"

جوزہ ذبح کرنے کی بجائے اپنی اُنگلی کاٹ ڈالی

مرزا بشیر احمد نے ان عجائبات سے بھی بڑھ کر ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ گھر میں مرغی کا ایک چوزہ ذبح کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس وقت گھر میں کوئی اور آدمی اس کام کے انجام دینے والا نہیں تھا۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب اس چوزہ کو لے کر خود ہی ذبح کرنے

وہ میرے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ طبی اصول ..... بق اس کے لئے چہل قدمی مفید ہے۔ (منظور الٰہی ص ۲۴۴ بحوالہ اخبار الحکم قادیاں ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء) مرزا محمود احمد صاحب موجودہ خلیفۃ المسیح نے دیکھا کہ والدین نے مراق کی وادی لاہوت میں قدم رکھا ہے اور خلف الرشید ہونے کی حیثیت سے میری سعادت اسی میں ہے کہ والدین کے جوہر مصفّٰی سے اپنے آئینۂ دماغ کو جلا دوں تو ان سے اس موہبت کبریٰ کی درخواست کی۔ انہوں نے کچھ حصہ بانٹ دیا لیکن پورا بخرہ نہ دیا اور اگر پوری فیاضی سے کام لیا ہوتا تو ان کی طرح یہ بھی پورے مراقی ہوتے۔ لیکن چونکہ نعمت ناتمام رہی اس لئے مکمل مراقی تو نہ بن سکے البتہ نیم مراقی ہونے میں خطا نہیں۔ چنانچہ انہیں بھی کبھی کبھی مراق کے دَورے پڑتے ہیں۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں لکھا ہے۔ کہ "حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے فرمایا کہ مجھ کو بھی کبھی کبھی مراق کا دورہ ہوتا ہے (ریویو آف ریلیجنز جلد ۲۵ نمبر ۸ بابت اگست ۱۹۲۶ء ص ۱۱)

فصل ۵:- مرض ہسٹیریا کا حملہ

قادیاں کے مسیح صاحب مراق کی طرح مرض ہسٹیریا میں بھی گرفتار تھے۔ مراق اور مرگی کی طرح اس مرض میں بھی مریض کو اپنے جذبات اور خیالات پر قابو نہیں رہتا۔ چنانچہ ڈاکٹر شاہ نواز مرزائی نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں لکھا کہ "مراق میں تخیل بڑھ جاتا ہے اور مرگی اور ہسٹیریا والوں کی طرح مریض کو اپنے جذبات اور خیالات پر قابو نہیں رہتا (ایضاً ص ۶) حالانکہ انبیائے کرام کی ذات ہائے اقدس میں اجتماع توجہ بالارادہ ہوتا تھا۔ اور ان برگزیدہ نفوس کو جذبات پر پوری طرح قدرت حاصل تھی۔ (ایضاً بابت ماہ مئی ۱۹۲۷ء ص ۳۰ - ۳۱) مرزا صاحب کے مرض ہسٹیریا کے متعلق ان کے منجھلے صاحبزادہ میاں بشیر احمد ایم اے سیرۃ المہدی میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو پہلی مرتبہ دوران سر اور ہسٹیریا کا دورہ بشیر اول کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا۔ رات کو سوتے ہوئے اتھو آیا۔ اس کے بعد طبیعت خراب ہوگئی۔ مگر یہ دورہ خفیف تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک دفعہ نماز کے لئے باہر گئے اور جاتے ہوئے فرما گئے کہ آج کچھ طبیعت خراب ہے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر کے بعد شیخ حامد علی نے دروازہ کھٹکھٹایا کہ جلدی سے پانی کی ایک گاگر گرم کردو۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میں سمجھ گئی کہ حضرت (مرزا) صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی ہوگی۔ چنانچہ میں نے کسی خادمہ سے کہا کہ اس سے پوچھو کہ میاں کی طبیعت کا کیا حال ہے؟ شیخ حامد علی نے کہا کہ کچھ خراب ہوگئی ہے۔ میں پردہ کرا کے مسجد میں چلی گئی۔ آپ لیٹے ہوئے تھے۔ جب میں پاس گئی تو فرمایا کہ میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی لیکن اب افاقہ ہے۔ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کوئی کالی کالی چیز میرے سامنے سے اٹھی ہے اور آسمان تک چلی گئی ہے۔ پھر میں چیخ مار کر زمین پر گر گیا اور غشی کی سی حالت ہوگئی۔" والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ کو باقاعدہ دَورے پڑنے شروع ہوگئے۔ خاکسار نے پوچھا کہ دورہ میں کیا ہوتا تھا؟ والدہ صاحبہ نے کہا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے۔ اور بدن کے پٹھے کھچ جاتے تھے خصوصاً گردن کے پٹھے اور سر میں چکر ہوتا تھا اور اس وقت آپ اپنے بدن کو سہار نہیں سکتے تھے۔ شروع شروع میں یہ دَورے بہت سخت ہوتے تھے پھر اس کے بعد کچھ تو دَوروں کی ایسی سختی نہیں رہی اور کچھ طبیعت عادی ہوگئی (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۱۳) بیاں والدہ محمود

احمد صاحب نے اپنے شوہر کو ہسٹیریا کا مریض بھی بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ مراق ہی کو ہسٹیریا سمجھی ہوں۔ کیونکہ کتب طب میں مالیخولیا مراقی کی ایک علامت یہ لکھی ہے کہ اس میں مریض کو دھوئیں جیسے سیاہ بخارات چڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں (شرح اسباب جلد اول ص ۷۰) اور مرزا صاحب نے بھی دیکھا تھا کہ کوئی کالی کالی چیز ان کے سامنے سے اُٹھ کر آسمان تک چلی گئی ہے۔ ٭ صفحات ماسبق سے آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ قادیانی صاحب مالیخولیا مراقی اور ہسٹیریا کے مریض تھے۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان امراض کا مریض الہام، وحی، مہدویت، مسیحیت۔ نبوت وغیرہ قسم کے جتنے بھی دعوے کرے وہ جھوٹا ہے۔ چنانچہ مرزائی ڈاکٹر شاہ نواز خاں اسسٹنٹ سرجن نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیاں میں لکھا "ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو ہسٹیریا، مالیخولیا یا مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعویٰ کی تردید کے لئے پھر کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ یہ ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے (ریویو آف ریلیجنز بابت اگست ۱۹۲۶ء ص ۶-۷)

فصل ۶۔ مسیح قادیاں کی دوسری بیماریاں

نہ تو الہامی صاحب کی بیماریوں کا استقصاء کوئی آسان کام ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے اس لئے یہاں موقع کی رعایت سے صرف چند مشہور بیماریوں کے تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ میں دائم المرض آدمی ہوں۔ ہمیشہ درد سر، کمی خواب، تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے۔ (ضمیمہ اربعین نمبر ۳ و ۴ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۴) مجھے دو بیماریاں مدت دراز سے تھیں۔ ایک شدید درد سر جس سے میں نہایت بے تاب ہو جایا کرتا تھا اور ہولناک عوارض پیدا ہو جاتے تھے اور یہ مرض قریباً پچیس برس تک دامنگیر رہی اور اس کے ساتھ دوران سر بھی لاحق ہو گیا اور طبیبوں نے لکھا ہے کہ ان عوارض کا آخری نتیجہ مرگی ہوتی ہے۔ چنانچہ میرے بڑے بھائی مرزا غلام قادر قریباً دو ماہ تک اسی مرض میں مبتلا ہو کر آخر مرض صرع (مرگی) میں مبتلا ہو گئے اور اسی سے ان کا انتقال ہو گیا (حقیقۃ الوحی مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۳۶۳) اور فرماتے ہیں کہ مرض ذیابیطس مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔ بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کے لئے جب زینہ چڑھ کر اوپر جاتا ہوں تو مجھے اپنی ظاہر حالت پر امید نہیں ہوتی کہ زینہ کی ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھنے تک زندہ رہوں گا۔ (ضمیمہ اربعین نمبر ۳ و ۴ ص ۴-۵) کوئی وقت دوران سر سے خالی نہیں گزرتا۔ مدت ہوئی نماز تکلیف سے بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض وقت درمیان میں توڑنی پڑتی ہے۔ اکثر بیٹھے بیٹھے رنگین ہو جاتی ہے۔ اور زمین پر قدم اچھی طرح نہیں جمتا۔ قریب چھ سات ماہ یا زیادہ عرصہ گزر گیا ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی اور نہ بیٹھ کر اس وضع پر پڑھی جاتی ہے جو مسنون ہے۔ اور قرأۃ میں شاید قل ہو اللہ بمشکل پڑھ سکوں کیونکہ ساتھ ہی توجہ کرنے سے تحریک بخارات کی ہوتی ہے (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ ص ۸۸) مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں۔ مگر جس وقت پاخانہ کی حاجت ہوتی ہے تو مجھے افسوس ہی ہوتا ہے کہ ابھی کیوں حاجت ہوئی۔ (کتاب منظور الٰہی

یعنی ملفوظات مرزا غلام احمد صاحب ص ۴۴۹) ایک مرتبہ قولنج زحیری سے سخت بیمار ہُوا اور سولہ دن پاخانہ کی راہ سے خون آتا رہا اور سخت درد تھا جو بیان سے باہر ہے۔ جب سولہ دن میرے مرض پر گذرے تو آثار نومیدی کے ظاہر ہو گئے۔ اور میں نے دیکھا کہ بعض عزیز میرے دیوار کے پیچھے روتے تھے اور مسنون طور پر تین مرتبہ سورۂ یٰسٓ سنائی گئی (حقیقۃ الوحی مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲۳۴) ایک دفعہ نصف حصۂ اسفل میرا بے حس ہو گیا (ایضاً) علاوہ ذیابیطس اور دوران سر اور تشنج قلب کے دق کی بیماری کا اثر ابھی بکلّی رفع نہیں ہُوا تھا۔ (نزول المسیح مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲۰۹) اتفاقاً مجھے درد گردہ شروع ہو گیا۔ اس سے پہلے مجھے ایک دفعہ دس دن برابر درد گردہ رہی تھی اور میں اس سے قریب موت کے ہو گیا تھا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۳۴۵) اور لکھا کہ حافظہ اچھا نہیں۔ یاد نہیں رہا۔" (نسیم دعوت ص ۲۵)

حضرت "مسیح موعود" نے حکیم نور الدین صاحب کو جو بظاہر مرید لیکن بباطن مسیح صاحب کے ہادی اور گرو تھے ایک خط میں لکھا کہ جس قدر ضعف دماغ کے عارضہ میں یہ عاجز مبتلا ہے مجھے یقین نہیں کہ آپ کو ایسا ہی عارضہ ہو۔ جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں۔ اسی طرح ایک اور خط میں لکھا کہ ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھی کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوظ بکلّی جاتا رہتا تھا۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ ص ۸۸) نُعُوظ بالفتح برخاستن قضیب (منتخب اللغات) نُعُوظ بضمتین وظائے معجمہ اِستادگیٔ ذکر (غیاث اللغات)

مرزائی نبوّت و مجدّدیت کے متعلق ایک لمحۂ فکریہ

اب یہ حقیقت قابل غور ہے کہ جو شخص بیماریوں کے نیچے اس طرح بے بسی کے عالم میں پڑا ہو۔ جس طرح مُردہ غسّال کے ہاتھ میں بے حسّ و حرکت پڑا ہوتا ہے۔ جس شخص کی نمازوں کا یہ حال ہو کہ اچھی طرح بیٹھ کر نماز بھی ادا نہ کر سکتا ہو اور سورۂ اخلاص کی قراءۃ بھی اس کے لئے مشکل ہو اور پھر جیسی الٹی سیدھی پڑھتا ہو وہ بھی خشوع و خضوع اور حضور قلب سے خالی ہو۔ جسے ہر روز سو مرتبہ یعنی چودہ پندرہ منٹ کے بعد پیشاب کی حاجت ہوتی ہو۔ اور ابھی پہلے پیشاب کے استنجاء سے فارغ نہ ہوا ہو کہ دوسرے پیشاب کا تقاضا سر پر سوار ہو جاتا ہو۔ زکوٰۃ اس نے کبھی نہ دی ہو۔ روزے رکھنے سے وہ عاری ہو۔ حج اس نے نہ کیا ہو نہ دشمنانِ دین سے جہاد و قتال کیا ہو نہ ان کے ہاتھ سے قتل ہوا ہو۔ بلاد کفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت بھی نہ کی ہو۔ تو ایسا شخص محض ادنیٰ درجہ کا مومن ہو سکتا ہے چہ جائیکہ مجدد و مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ اس کو زیب دے اور مہدی، مسیح اور نبی تو چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ اس نے دین میں کوئی الحاد اور فتنہ انگیزی نہ کی ہو۔ لیکن جس شخص کا اوڑھنا بچھونا ہی زندقہ اور بے دینی ہو۔ جس نے تحریف و تبدیلِ دین میں باطنیہ کے بھی کان کاٹے ہوں ایسا شخص کسی طرح اہل ایمان کے زمرہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تا بہ مدارج قرب و وصال و ماموریت

باب ۱۶ ۔ مرزا غلام احمد بحیثیت مُلہم و صاحبِ کشف

جب مالیخولیا مراقی کا مرض مرزا صاحب کے دل و دماغ پر پوری طرح مسلّط ہو چکا تو اس کے بعد ان پر بڑے زور شور سے الہامی آندھیاں چلنے لگیں۔ چونکہ مرزا صاحب نے اپنے مُلہم و مستجاب الدعوات ہونے کے متعلق بکثرت اشتہارات

شائع کئے۔ ان کے تقدس و مشیخت کی خبر اطراف واکناف ملک میں پھیل گئی اور اہل حاجات نے دُور دُور سے قادیاں کا رُخ کیا۔ مرزا صاحب جس مقام پر بیٹھے بیٹھے یا لیٹ کر الہام سوچا کرتے تھے اس کو بیت الفکر کے نام سے موسوم فرمایا تھا۔ کیونکہ بیت الفکر عربی میں سوچنے کے مکان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک بالا خانہ تھا جس میں ملہم صاحب عزلت گزین تھے (البشریٰ جلد اول ص ۵۷) چونکہ الہامات کی آمد بہت تھی اور ان کا یاد رکھنا دشوار تھا۔ الہامی صاحب الہام کی غنودگی کے بعد اسے فوراً ضبط تحریر میں لے آتے۔ اوائل میں اپنی کسی عام کتاب میں نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ پھر ایک بڑے سائز کی کاپی بنوائی۔ اس کے بعد ایک چھوٹے سائز کی مگر ضخیم نوٹ بک بنوالی۔ (سیرۃ المہدی اوّل ص ۱۵)

ایک ہندو لڑکا بحیثیت کاتب وحی

الہامی صاحب لکھتے ہیں کہ ان دنوں ایک پنڈت کا بیٹا شام لال نام جو ناگری اور فارسی دونوں میں لکھ سکتا تھا بطور روزنامہ نویس نوکر رکھا گیا اور بعض اُمور غیبیہ جو ظاہر ہوتے تھے اس کے ہاتھ سے ناگری اور فارسی خط میں قبل از وقوع لکھائے جاتے تھے۔ اور پھر شام لال مذکور کے اس پر دستخط کرائے جاتے تھے۔ (البشریٰ جلد اول حصہ دوم ص ۱۰) یہ لڑکا کئی سال تک الہامی صاحب کا روزنامچہ نویس رہا۔ اور جب شروع شروع میں وہ نوکر رکھا گیا تو اس وقت اس کی عمر صرف بارہ سال کی تھی۔ چنانچہ الہامی صاحب کے عمزاد بھائی مرزا امام الدین نے الہامی صاحب کے متعلق جو اعلان زیر عنوان "اشتہار صداقت اظہار" ۱۳؍ اگست ۱۸۸۵ء کو شائع کیا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ "مرزا غلام احمد نے ایک ہندو لڑکے شام لال کو الہامات کا روزنامچہ نویس مقرر کر رکھا ہے۔ جب یہ لڑکا مرزا صاحب کے پاس ملازم ہُوا تھا تو اس وقت اس کی عمر بارہ سال کی تھی اور پرلے درجے کا بے سمجھ اور سادہ لوح تھا بلکہ اس وقت بھی سو تک بمشکل شمار کر سکتا ہے۔ اگر کسی طالب حق کو الہامات کی تحقیق کے لئے قادیاں آنے کا اتفاق ہو تو ایسے گواہوں کو بچشم خود دیکھنا چاہیئے تاکہ الہامات کی حقیقت روشنی میں آ سکے۔" (تکذیب براہین صفحہ ۳۲۸)

مرزا امام الدین کے بیان میں اس عقدہ کو حل نہیں کیا گیا کہ روزنامچہ نویسی کے لئے ایک ہندو اور وہ بھی نابالغ اور سادہ لوح لڑکا کیوں انتخاب کیا گیا؟ لیکن راقم کے خیال میں الہام نویس کا ہندو ہونا اس مصلحت پر مبنی تھا کہ قادیاں کے ہندو اس کی شہادت کے بھروسہ پر مرزا صاحب کے الہاموں پر بسہولت ایمان لا سکیں۔ اور نابالغ اور سادہ لوح اس لئے انتخاب کیا گیا کہ الہامی صاحب کے ہاتھ میں موم کی ناک بن کر رہے۔ اس سے ہر قسم کی شہادت دلا سکیں اور وہ حالات و مقتضیات کے ماتحت الہامی عبارتوں میں ترمیم و تبدیل کرنے کے لئے الہامی صاحب کے اشاروں پر چلے۔ اور اس کی طرف سے کسی مخالفانہ افشائے راز کا خدشہ نہ ہو۔

لنگر کا اجراء

تھوڑے دن کے بعد لالہ شرمپت رائے، اور لالہ ملاوامل نام قادیاں کے دو ہندوؤں سے مرزا صاحب کے خاص دوستانہ روابط قائم ہو گئے۔ اب یہ الہامی صاحب کے مشیر خاص اور رات دن کے حاشیہ نشین تھے۔ مرزا صاحب نے دل میں یہ منصوبہ ٹھہرا رکھا تھا کہ بوقت ضرورت ان سے اپنے الہاموں کی شہادت دلائی جائے گی۔ یہ معلوم نہیں کہ اُنہوں نے بھی اس قسم کا کوئی قول و قرار کیا تھا یا نہیں تاہم مرزا صاحب ان کی خوشنودی خاطر کا ایسا ہی خیال رکھتے تھے جس طرح مقدمہ باز لوگ اپنے گواہانِ مقدمہ کی خاطر مدارات ملحوظ رکھتے ہیں۔ شام لال روزنامچہ نویس جس قدر الہام

ضبطِ تحریر میں لاتا تھا مرزا صاحب ان پر اس ت۔ دستخط کرا لیتے تھے۔ اب معتقدین کا بھی جمگھٹا ہونے لگا۔ خوشامدی مُفت خورے، قورمہ پلاؤ اڑانے والے، ہاں میں ہاں ملانے والے بھی ہر طرف سے اُمنڈ آئے۔ لنگر جاری کر دیا گیا تاکہ آیا گیا ہر ایک شخص الہامی صاحب کے مطبخ سے کھانا کھا کر جائے اور شہرت و نمود کا باعث ہو۔ اب لوگوں کا تانتا بندھا ہے۔ کوئی فاقہ کش لنگر جاری ہونے کی خبر سُن کر آ رہا ہے کسی حاجت مند نے دعا کے لئے قادیاں کا رُخ کیا ہے۔ مرزا صاحب نیم حکیم بھی تھے اس لئے بعض لوگ دواؤں کے لئے بھی رجوع کرتے تھے۔ چونکہ مستجاب الدعوات ہونے کے اشتہاروں نے اور اس سے پیشتر لاہور کے مناظروں اور اشتہار بازیوں نے بام شہرت پر پہنچا دیا تھا اس لئے نذر و نیاز اور چڑھاووں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ رجوعات و فتوحات کا شجرِ آرزو بار آور ہونے لگا۔ اور تمناؤں کی کشتِ زار لہلہاتی نظر آئی۔ اب لوگوں نے بیعت کی درخواستیں کیں۔ مرزا جی ہر ایک کو یہی جواب دیتے تھے کہ ابھی ہم کو کسی سے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا۔ اس وقت تک صبر کرو جب تک اس بارہ میں حکمِ الٰہی نہ آئے۔ (چودھویں صدی کا مسیح ص ۶۲ ـ ۶۳)

باب ۷۱۔ مرزائی الہامات کے مصدر و مآخذ

چونکہ اب مرزا صاحب نے باقاعدہ تقدس کی دکان کھول لی تھی اور نہ صرف مالیخولیا مراقی کے دورہ کے اثناء میں الہامات کی بکثرت آمد تھی بلکہ حسب ضرورت صحت حواس کے وقت بھی الہام تراشتے رہتے تھے اس لئے ممکن نہ تھا کہ الہامی صاحب اُس "ذات شریف" اور اس کی ذریات کی نظر التفات سے محروم رہتے۔ جو جنت سے آدم علیہ السلام کے اخراج کا ذریعہ ثابت ہوئی تھی۔ میں اپنی کتاب "معیار الحق" میں نہایت شرح و بسط سے شیطانی وحی و الہام پر تبصرہ کر آیا ہوں۔ وہاں یہ بھی واضح طور پر بتا دیا ہے کہ شیاطین کیا کیا شکلیں اختیار کر کے اہل تصوف اور متصوفہ کو چکمہ دیتے اور کیسے کیسے سنہری روپہلی جال بچھا کر اہل ایمان کو راہ حق سے بھٹکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ جنود ابلیس مرزا صاحب پر بھی اپنی شکلوں میں ظاہر ہوا کرتے تھے۔ اور القاء الہام کر کے شریعت حقہ کی متابعت سے منحرف کرتے رہتے تھے۔ اور بیچارے مرزا صاحب اس تقین و وثوق کے ساتھ کہ وہ رب السموٰت والارض اور اس کے ملائکہ مقربین کو دیکھتے اور ان سے ہمکلام ہوتے ہیں کٹ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر رقص کیا

رب العلمین اور ملائکہ کے عیاناً دیکھنے کا دعویٰ

یہ امر مسلّم ہے کہ کوئی بشر دار دنیا میں اپنی سر کی آنکھوں سے رب العلمین کی رویت کی تاب نہیں لا سکتا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام طالب دیدار ہوئے تو رب العلمین عزاسمہٗ نے فرمایا تھا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا کمال اشتیاق دیکھ کر فرمایا کہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر وہ بحال و برقرار رہا تو سمجھ لینا کہ میں بھی رویت خداوندی کی تاب لا سکوں گا۔ چنانچہ الٰہ العلمین نے پہاڑ پر ایک تجلی فرمائی۔ پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے۔ اور جناب موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے بہرحال کوئی بشر دار دنیا میں رب العلمین کو عیاناً نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ دار آخرت میں اہل جنت کو ایسی آنکھیں عطا فرمائی

جائیں گی جو خدائے برتر کو بلا کیف و بلا جہت دیکھ سکیں گی۔ اور یہ جو بعض جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ ہم خدا کو ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو وہ دراصل شیطان کو دیکھا کرتے ہیں اور جیسا کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس کا ہمیشہ سے معمول چلا آیا ہے کبھی کبھی حضرت مرزا صاحب کو بھی اپنا روشن اور نورانی چہرہ دکھایا کرتا تھا اور یہ بیچارے اس کو (معاذ اللہ) رب العلمین یقین کرتے تھے۔ چنانچہ قادیانی صاحب کتاب "ضرورت الامام" میں لکھتے ہیں:۔ "امام الزمان کا ایسا الہام نہیں ہوتا کہ جیسے ایک کلوخ انداز در پردہ ایک کلوخ پھینک جائے اور بھاگ جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا بلکہ خدائے تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرہ پر سے جو نور محض ہے اتار دیتا ہے اور یہ کیفیت دوسروں کو میسر نہیں آتی۔ (ضرورۃ الامام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۳) ایک مرتبہ مرزا صاحب نے اپنے ایک حواری مولوی شیر علی سے بیان کیا کہ میں لدھیانہ میں چہل قدمی کے لئے جا رہا تھا۔ ایک انگریز میری طرف آکر کہنے لگا "میں نے سنا ہے کہ خدا آپ کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ انگریز نے کہا کس طرح کلام کرتا ہے؟ میں نے کہا اسی طرح جس طرح آپ میرے ساتھ ہمکلام ہیں (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۲) مرزا صاحب کے ان بیانات سے ثابت ہوا کہ واقعی معلم الملکوت مرزا صاحب کے قریب ہو کر انہیں اپنا جمال جہاں آرا دکھایا کرتا تھا۔ چنانچہ اسی ملاقات کے دوران میں ایک مرتبہ مرزا صاحب نے ابلیس سے جسے (معاذ اللہ) خدا سمجھ بیٹھے تھے خیریت مزاج بھی پوچھی اس نے جواباً یہ انگریزی الہام کیا۔ "ییس آئی ایم ہیپی" (براہین ص ۴۸۳) (ہاں میں خوش ہوں)+

خدائے بیچون کے عیاناً دیکھنے کا تخیل کہاں سے اڑایا

یہاں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ الہامی صاحب نے خدائے بیچوں کے عیاناً دیکھنے کا تخیل بھی سید محمد جونپوری مدعی مہدویت کے پیروؤں سے چرایا تھا۔ چنانچہ مولانا زمان خاں مرحوم نے "ہدیۂ مہدویہ" میں سید محمد جونپوری کے جو تیس احکام محکمات نقل کئے ہیں ان میں ایک حکم "وقوع دیدار خدا کو دنیا میں جائز اور ممکن سمجھنا" بھی داخل ہے۔ چنانچہ قارئین کرام کی بصیرت افروزی کے لئے تیس احکام محکمات میں سے چند وہ احکام نقل کئے جاتے ہیں جن میں مرزا صاحب نے فرقۂ مہدویہ کی خوشہ چینی کی ہے چنانچہ میراں جی مہدوی رقمطراز ہے:۔ "بر جملہ مصدقان مہدی (سید محمد جونپوری) علیہ السلام واضح ولائح باد کہ حاصل احکام محکمات مہدی علیہ السلام مجموع سی حکم اند۔ بعضے ازاں فرائض اعتقادی و برخے فرائض عملی اند۔ اما احکام فرائض اعتقادی کہ ہر مصدق را ایں اعتقاد داشتن فرض است و بجز اعتقاد براں چارہ نیست بست عدد ند بدیں تفصیل (۱) منکر مہدی (سید محمد جونپوری) علیہ السلام را کافر دانستن (۲) تمام احکام مہدی ثابت بامر اللہ دانستن (۳) منکر یک حرف را از بیان مہدی عند اللہ ماخوذ دانستن (۴) صحت حدیث نبوی بر موافقت کتاب خدا و بحال مہدی دانستن (۵) حکم مجتہدان و مفسران و جز آن مخالف بیان مہدی علیہ السلام ناصحیح دانستن۔ (۶) تقلید عمل بر مذاہب ائمۂ اربعہ نارواد انستن۔ (۷) وقوع دیدار خدا در دنیا جائز و ممکن دانستن۔ (ہدیۂ مہدویہ ص ۳۰۸ و ۳۰۹)

پنڈت لیکھرام نے ناطقہ بند کر دیا

مرزا صاحب کو فرشتوں کی دید کا بھی دعویٰ تھا۔ چنانچہ "آئینۂ کمالات" میں

لکھی کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ بارہا عالم کشف میں میں نے ملائک کو دیکھا ہے۔ ان سے بعض علوم اخذ کئے ہیں اور ان سے گزشتہ یا آنے والی خبریں معلوم کی ہیں جو مطابق واقعہ تھیں۔ (آئینہ کمالات ص ۱۸۲ - ۱۸۳) لیکن معلوم ہو کہ یہاں بھی بیچارے مرزا صاحب غلط فہمی ہی میں مبتلا رہے۔ جن لوگوں سے اُنہوں نے علوم حاصل کئے اور غیب کی خبریں معلوم کیں وہ ملائکہ نہیں بلکہ شیاطین تھے۔ اور اگر ملائکہ ہوتے تو ان کی بتائی ہوئی خبریں کبھی جھوٹی نہ نکلتیں موقع کی رعایت سے یہاں فرشتوں کی قادیانی دید کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ پنڈت لیکھرام جی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں قادیاں میں مرزا صاحب کے مکان پر بیٹھا تھا۔ چند معزز آریہ اور مسلمان بھی تشریف فرما تھے۔ مرزا صاحب اپنی کرامات کی شیخی بگھارنے لگے۔ دورانِ گفتگو میں فرمایا کہ مجھے فرشتے دکھائی دیتے ہیں۔" میں نے کہا کیا سچ کہتے ہو؟ کہا ہاں۔ میں نے ایک کاغذ پر لفظ اوم لکھ کر اپنے ہاتھ میں رکھ لیا اور کہا ازراہ مہربانی اپنے فرشتوں سے پوچھ کر بتلایئے کہ میں نے کون سا لفظ لکھا ہے؟ مرزا صاحب تھوڑی دیر تک کچھ منہ میں گنگناتے رہے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ اس طرح نہیں کسی اور جگہ رکھو۔ میں نے کاغذ کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اور کہا بتلایئے کیا لکھا ہے؟ تھوڑی دیر تک اپنے من گھڑت فرشتوں سے پوچھتے رہے مگر کچھ بتلا نہ سکے۔ آخر شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ اس واقعہ کے دس بارہ آدمی گواہ ہیں۔" (تکذیب براہین ص ۱۶۷)

باب ۱۸ - پنڈت دیانند کو قادیانی دعوتِ اسلام اور اُس کی حقیقت

مرزا صاحب نے "براہین احمدیہ" میں لکھا کہ اس احقر نے پنڈت دیانند آریوں کے سرگروہ کو ان کی وفات سے ایک مدت پہلے راہ راست کی طرف دعوت کی اور آخرت کی رسوائی یاد دلائی اور ان کے مذہب اور اعتقاد کا سراسر باطل ہونا براہین قطعیہ سے ان پر ظاہر کیا اور نہایت عمدہ اور کامل دلائل سے بادب تمام اُن پر ثابت کیا گیا کہ دہریوں کے بعد تمام دنیا میں آریوں سے بدتر اور کوئی مذہب نہیں۔ (تکذیب براہین ص ۲۶۳) پہلی چٹھی کے بعد دو دفعہ بذریعہ خط رجسٹری شدہ حقیقت دینِ اسلام سے بدلائل واضح ان کو متنبہ کیا گیا اور لکھا گیا کہ اگر کسی کے ثبوت میں شک ہو تو اسی جگہ قادیاں میں آکر اپنی تسلی کر لینی چاہیئے۔ اور یہ بھی پنڈت صاحب کو لکھا گیا کہ آپ کی آمد و رفت کا معمولی خرچ اور نیز واجبی خرچ خوراک ہمارے ذمہ رہیگا اور وہ خط ان کے بعض آریوں کو بھی دکھلایا گیا اور دونوں رجسٹریوں کی ان کی دستخطی رسید بھی آگئی۔ پر انہوں نے حُبّ دنیا اور ناموس دنیوی کے باعث اس طرف ذرا بھی توجہ نہ کی۔ آخر بصد حسرت اس کو چھوڑ کر اس دار الفنا سے کوچ کر گئے۔ (تکذیب براہین ص ۲۶۲)

پنڈت دیانند جی کے مقابلہ سے فرار

پنڈت لیکھرام نے اس کے جواب میں لکھا کہ مرزا صاحب ان کے مقابلہ سے دُم دبائے رہے اور روبرو آنے سے برقع میں منہ چھپائے رکھا اور اب اُن کے مرنے کے بعد باتیں بناتے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۶۴) مرزا صاحب پنڈت جی کے مقابلہ سے اسی طرح منہ چھپاتے رہے جیسے آفتاب سے چمگادڑ۔ اور یہی حال آج تک ہے کہ مقابلہ میں نہیں آتے (ایضاً ص ۲۷۰) ہم قادیاں میں بھی گئے مگر آپ نے کسی طرح

کی تسلی نہ کی اور نہ کوئی معجزہ دکھلایا۔ ظاہر ہے کہ جب پنڈت (دیانند) صاحب کے ایک شاگرد سے بھی عہدہ برآ نہ ہوسکے تو ان کو دعوت دینی ایک جھوٹی شیخی تھی۔ (ایضاً ص ۲۷۲) مرزا صاحب سے جہاں تک ممکن ہوا اس کا موقع نہ دیا کہ سوامی دیانندجی سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ وہ گورداسپور گئے اور بہت دن تک وہاں ٹھہرے رہے اور مناظرے کئے۔ قادیان سے متعدد آدمیوں نے گورداسپور جا کر ان سے ملاقاتیں کیں لیکن مرزا صاحب چار آنہ یکّہ کا کرایہ دے کر نہ گئے اس کے بعد سوامی دیانندجی امرتسر آئے۔ اور مرزا صاحب کو ان کے دعوتی خطوط کے جواب میں کہلا بھیجا کہ خدا کے واسطے آیئے اور گفتگو فرمایئے۔ اگر حق سمجھیئے تو مانیئے۔ ورنہ کوئی جبر نہیں ہے۔ مگر ایک دفعہ ضرور تشریف لایئے۔ اس پیغام کے پہنچتے ہی مرزا صاحب کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ سب الہام بھول گئے۔ اور حالت نزع طاری ہوگئی۔ نہ قادیاں سے باہر نکلے اور نہ مقابلہ کی جرأت ہوئی (تکذیب براہین ص ۱۳۶ — ۱۳۷) مرزا صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ پنڈت دیانند کے سفر آخرت کی خبر بھی جو اس کو ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۳ء کے دن پیش آیا، قریباً تین مہینے پہلے خداوند کریم نے اس عاجز کو دی تھی۔ چنانچہ یہ خبر بعض آریہ کو بھی بتلائی گئی تھی۔ افسوس کہ پنڈت صاحب کو خدا نے ایسا موقع ہدایت پانے کا دیا کہ اس عاجز کو ان کے زمانہ میں پیدا کیا مگر وہ باوصف ہر طور کے اعلام کے ہدایت پانے سے بے نصیب گئے۔ ایک بندۂ خدا نے بارہا ان کو بھلائی کے لئے اپنی طرف بلایا مگر انہوں نے اس طرف قدم بھی نہ اٹھایا۔ حالانکہ اس عاجز کے دس ہزار روپیہ کے اشتہار کے اول نشانہ وہی تھے اور اسی وجہ سے ایک مرتبہ رسالہ "برادر ہند" میں بھی ان کے لئے اعلان چھپوایا گیا مگر ان کی عزت سے کبھی صدا نہ اٹھی۔ یہاں تک کہ خاک میں یا راکھ میں جا ملے۔" (ایضاً ص ۲۷۳ - ۲۷۴)

پنڈت لیکھرام کا تبصرہ اس کے جواب میں پنڈت لیکھرام نے لکھا کہ اگر ان کی وفات کی خبر خداوند کریم نے تین مہینے پہلے ہی دے دی تھی تو مرزا صاحب نے تین مہینہ کے اندر اس کا اعلان کیوں نہ کیا؟ کیوں عام منادی نہ کرائی تاکہ ہزاروں آدمی آپ کی صداقت پر ایمان لاتے اور آریہ دھرم کو چھوڑ کر مرزائی ہو جاتے۔ ان کی وفات کے بعد ۱۸۸۴ء میں آپ کیوں یہ چالاکی کرنے لگے؟ ان کی وفات سے پہلے ہی لاہور یا امرتسر کی آریہ سماج کے نام کیوں خط نہ لکھا؟ اور کیوں ۱۸۸۴ء میں اس آریہ کا نام نہ شائع کیا جس کو آپ نے یہ خبر دی تھی؟ اور اس بارہ میں سوامی دیانندجی کے نام رجسٹری شدہ چٹھی کیوں نہ بھیجی؟ چونکہ آپ نے ان امور میں سے کوئی کام بھی نہیں کیا اس لئے ہمیں کہنا پڑا کہ مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید۔ برکلہ خود باید زد۔ (ایضاً ص ۲۷۴) رسالہ "برادر ہند" سوامی جی کے مطالعہ میں نہیں آتا تھا کیونکہ وہ اردو فارسی نہیں جانتے تھے۔ اور پنڈت شو نرائن ایڈیٹر برادر ہند سنسکرت نہیں جانتے۔ پس وہ اشتہار بے سود تھا۔ ہاں اگر کلکتہ کے اخبار بھارت متر یا کسی اور ناگری اخبار میں شائع کراتے تو بھی ایک بات تھی۔ اور تعجب یہ ہے کہ جس طرح آپ کو خدا عربی میں الہام کرتا تھا سنسکرت میں کیوں نہ کیا۔ تاکہ سوامی جی سے سنسکرت میں مباحثہ کر کے فتح یاب ہوتے پس ہم مرزا صاحب کے دعوٰی کو "اپریل فول" سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتے۔ (ایضاً ص ۲۷۶) خاکسار راقم حروف کے نزدیک "تکذیب براہین" مؤلفہ پنڈت لیکھرام کا یہ بیان بے مبالغہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ مرزا غلام احمد صاحب کی درخواست کے بموجب حکیم نورالدین نے "تکذیب براہین" کے جواب میں "تائید براہین" نام جو ایک کتاب لکھی اس میں

پنڈت لیکھرام کے اس بیان کی کوئی تردید نہیں پائی جاتی۔ اس سے قطع نظر "تکذیب براہین" کی اشاعت کے بعد خود مرزا صاحب نے کم از کم اسّی کتابیں اپنے پروپیگنڈا میں لکھیں لیکن کسی میں انہیں اس بیان کے ابطال کی جرأت نہ ہوئی پس کوئی وجہ نہیں کہ اس بیان کو غیر صحیح یا مبالغہ آمیز تصور کیا جائے۔ غرض جن ایام میں پنڈت دیانند جی سرستی پنجاب کا دورہ کر کے علماء اسلام اور پرانے خیال کے پنڈتوں کے مقابلہ میں ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ (کوئی مقابلہ کرنے والا ہے؟) کے نعرے لگا رہے تھے مرزا صاحب قادیاں ہی میں سہمے بیٹھے رہے۔ اور اتنی ہمت نہ ہوئی کہ مولانا احمد حسن بتالوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی اور دوسرے حاملان شریعت کی طرح پنڈت جی کی فتنہ انگیزیوں کا مقابلہ کر کے اسلام کی طرف سے حفظ و دفاع کی کوئی خدمت انجام دیں۔ مرزا صاحب دو ایک دعوتی رقعے بھیج کر یہی سمجھ بیٹھے کہ ان کی مجددیت کا فرض منصبی ادا ہو گیا۔ حالانکہ ان پر لازم تھا کہ پنڈت جی کا تعاقب کر کے ان کے سامنے اسلام کی حقانیت کے دلائل پیش کرتے اور ان کو مسلمان نہیں تو کم از کم بھگا کر اور منہزم کر کے واپس آتے۔ اصل میں مرزا صاحب کو اپنے من گھڑت معجزات کی لمبی چوڑی فہرستیں طیار کرنے اور ان پر شیخی بگھارنے کے لئے سخن تراشی اور فسانہ طرازی کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس لئے یہ قصہ بھی وضع کر لیا گیا۔ ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس بیان کی تہ میں کس قدر رسوائی ننگ و عار اور بیچارگی پنہاں ہے۔

باب ۱۹۔ براہین احمدیہ کی تالیف و اشاعت

فصل ۱۔ علماء سے قلمی اعانت کی درخواست

مرزائیت کا سب سے پہلا علمی کارنامہ جس پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے مرزا غلام احمد صاحب کی کتاب "براہین احمدیہ" ہے۔ یہ ۵۶۲ صفحات کی کتاب ہے۔ جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس ضخامت کی اس سے بہتر کتاب چھ ماہ مہینہ میں بسہولت لکھی جا سکتی ہے۔ لیکن مصنف علّام نے اس کی تالیف و تدوین میں کئی سال لگا دیئے گو اس کا مواد سالہا سال سے جمع ہو رہا تھا لیکن مصنف صاحب ۱۸۷۹ء سے لے کر کئی سال تک صرف اس ایک کام کے لئے وقف رہے۔ ۱۸۸۰ء میں پہلے دو حصّے شائع کئے۔ ۱۸۸۲ء میں تیسرا حصہ طبع ہوا۔ اور ۱۸۸۴ء میں چوتھا حصّہ گویا کتاب کے پہلے چار حصوں پر جو ۵۶۲ صفحوں پر مشتمل ہیں چھ سال سے زائد عرصہ لگا۔ (تفصیل کیلئے دیکھو سیرۃ المہدی جلد اول ص ۸۶ اور جلد دوم ص ۱۵۱ پہلی چھ سطریں) حالانکہ ان صفحات پر جنہیں حصۂ اول سے تعبیر کیا جاتا ہے کوئی علمی مضمون نہیں بلکہ صرف دس ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار ہے۔ جسے صفحات اور حصص کی تعداد بڑھانے کے لئے پہلا حصہ قرار دے لیا ہے۔ اور پھر جہاں تک خاکسار راقم الحروف کی تحقیق کو دخل ہے مرزا صاحب نے اس کتاب میں اپنی کاوش طبع سے شاید ایک حرف بھی نہیں لکھا بلکہ جو کچھ زیب رقم فرمایا ہے وہ یا تو علماء سلف کی کتابوں سے اخذ کیا ہے یا علمائے معاصرین کے سامنے کاسۂ گدائی پھرا کر ان کی علمی تحقیقات حاصل کر لی گئی ہیں اور قادیاں کے سلطان القلم صاحب نے انہی کو بے حوالہ زینت قرطاس بنا لیا ہے۔ فراہمی مواد کے سلسلہ میں مرزا صاحب نے ہندوستان کے علماء سے

مشاہیر کو خطوط لکھے اور ان سے درخواست کی کہ حقانیت اسلام کے متعلق مضامین بھیج کر قلمی امداد فرمائیں۔ ان دنوں حیدر آباد دکن میں نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب علوم عقلیہ میں خاص دستگاہ رکھتے تھے خط و کتابت کرکے براہین کی تالیف میں ان سے استمداد کی۔ انہوں نے اپنی بہت سی بیش بہا علمی تحقیقات قلمبند کرکے مرزا صاحب کے پاس بھیج دیں۔ مرزاجی نے انہیں براہین میں شامل کر لیا اور مولوی صاحب کا حوالہ اس لئے نہ دیا کہ اس سے مولوی صاحب کی عظمت اور مرزاجی کی علمی بے مائگی کا اظہار ہوتا تھا مولوی چراغ علی مرحوم کے کاغذات میں مرزاجی کے کئی خطوط ملے ہیں جن کے بعض حصے مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا نے کتاب "سیر المصنفین" کی جلد دوم (صفحہ ۱۱۹) میں درج کئے ہیں۔ یہ کتاب مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی نے طبع کرائی ہے۔ مرزاجی ایک خط میں مولوی چراغ علی کو لکھتے ہیں "جب آپ سا اولوالعزم صاحب فضیلت دینی و دنیوی تہ دل سے حامی ہو اور تائید دین حق میں دل گرمی کا اظہار فرمائے تو بلا شائبہ ریب اس کو تائید غیبی خیال کرنا چاہیئے۔ ماسوا اس کے اگر اب تک کچھ دلائل یا مضامین آپ نے نتائج طبع عالی سے جمع فرمائے ہوں تو وہ بھی مرحمت ہوں" دوسرے خط میں لکھا "آپ کے مضمون اثبات نبوت کی اب تک میں نے انتظار کی۔ پر اب تک نہ کوئی عنایت نامہ نہ مضمون پہنچا۔ اس لئے مکرر تکلیف دیتا ہوں کہ براہ عنایت بزرگانہ بہت جلد مضمون اثبات حقانیت فرقان مجید تیار کرکے میرے پاس بھیج دیں" ایک اور خط میں التماس کی "آپ کو جو اپنی ذاتی تحقیقات سے اعتراض ہنود پر معلوم ہوئے ہوں یا وید پر جو اعتراض ہوں اُن اعتراضوں کو ضرور ہمراہ دوسرے مضمون اپنے کے بھیج دیں" مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا کی طرح مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو نے بھی کتاب "چند ہم عصر" (صفحات ۴۸ تا ۵۵) میں قادیاں کے الہامی صاحب کے وہ خطوط درج کئے ہیں جن میں اُنہوں نے براہین احمدیہ کی تالیف میں مولوی چراغ علی مرحوم سے مدد طلب کی تھی۔ کتاب "چند ہم عصر" انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد (دکن) نے طبع کرائی ہے۔ اس کتاب میں مندرجہ بالا خطوط کے علاوہ چند اور چٹھیاں بھی درج ہیں۔ چند خطوط کے ضروری اقتباس ملاحظہ ہوں۔ لکھتے ہیں "میں نے ایک کتاب جو دس حصے پر مشتمل ہے تصنیف کی ہے اور نام اس کا براہین احمدیہ رکھا ہے اور صلاح یہ ہے کہ آپ کے فوائد و جرائد بھی اس میں درج کروں اور اپنے مختصر کلام سے اُن کو زیب و زینت بخشوں۔ سو اس امر میں آپ توقف نہ فرماویں اور جہاں تک جلد ہو سکے مجھ کو مضمون مبارک اپنے سے ممنون فرماویں" ایک اور خط مورخہ ۱۹ فروری ۱۸۷۹ء میں تحریر فرماتے ہیں "فرقان مجید کے الہامی اور کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں آپ کا مدد کرنا باعث ممنونی ہے۔ میں نے بھی اسی بارے میں ایک چھوٹا سا رسالہ تالیف کرنا شروع کیا ہے۔ آپ کی اگر مرضی ہو تو وجوہات صداقت قرآن جو آپ کے دل پر القا ہوں میرے پاس بھیج دیں۔ تا اسی رسالہ میں حسب موقع اندراج پا جائے" اور ۱۰ رمئی ۱۸۷۹ء کی چٹھی میں رقم فرماتے ہیں "کتاب براہین احمدیہ ڈیڑھ سو جزو ہے جس کی لاگت تخمیناً نو سو چالیس روپیہ ہے اور آپ کی تحریر ملحق ہو کر اور بھی زیادہ ضخامت ہو جائے گی"

ان خطوط سے نہ صرف مرزاجی کی مجددیت کی حقیقت عالم آشکار ہو جاتی ہے۔ بلکہ کتاب "براہین احمدیہ" کے الہامی ہونے کی بھی خوب قلعی کھلتی ہے۔

فصل ۲۔ زر طلبی کا سلسلہ اشتہارات

میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں مرزا غلام احمد ہی فن پروپیگنڈا کے سب سے پہلے علم بردار اور معلم ہیں۔ گو یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ فن انہوں نے استادِ یورپ سے سیکھا تھا یا خود ہی اس کے بانی و مؤسس تھے۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ ان سے پہلے ہندوستان میں کسی شخص نے حصول مقاصد کے لئے اتنا بے پناہ پروپیگنڈا نہیں کیا جتنا مرزا صاحب سے ظہور میں آیا۔ اگر کسی کو اس بیان کی صداقت میں شبہ ہو تو وہ مرزا صاحب کی اسّی بچاسی تالیفات کے علاوہ ان کے مکتوبات اور مجموعۂ اشتہارات کو دیکھے جن میں پروپیگنڈا کا سیلاب موجزن ہے۔ مرزا صاحب نے ملکی جرائد و رسائل میں بھی براہین کا نہایت زبردست پروپیگنڈا کیا۔ اور اس کی طباعت کے لئے قوم سے امداد کی مسلسل اپیلیں کیں۔ اس کے علاوہ درخواستہائے اعانت کے جو اشتہار یکے بعد دیگرے مختلف عنوانوں سے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرائے وہ بھی ایک ورجن سے کسی طرح کم نہ ہوں گے۔ براہین کی طباعت کے لئے حصول اعانت کا جو سب سے پہلا اشتہار اپریل ۱۸۷۹ء میں زیر عنوان "اشتہار بغرض استعانت از انصار دین محمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ الابرار" شائع کیا۔ اس میں لکھا کہ "اس خاکسار نے ایک کتاب متضمن اثبات حقانیت قرآن و صداقت دین اسلام ایسی تالیف کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد طالب حق سے بجز قبولیت اسلام اور کچھ نہ بن پڑے۔ اس کتاب کے ساتھ اس مضمون کا ایک اشتہار دیا جاوے گا کہ جو شخص اس کے دلائل کو توڑ دے میں اپنی جائداد تعدادی دس ہزار روپیہ اس کے حوالے کر دوں گا۔ پہلے ہم نے اس کتاب کا ایک حصہ پندرہ جزو (دو سو چالیس صفحہ) میں تصنیف کیا۔ بغرض تکمیل تمام ضروری امور کے نو حصے اور زیادہ کر دیئے۔ جن کے سبب سے تعداد کتاب ڈیڑھ سو جزو (دو ہزار چار سو صفحہ) ہو گئی ہر ایک حصہ اس کا ایک ایک ہزار نسخہ چھپے تو چورانوے روپیہ صرف ہوتے ہیں پس کل حصص کتاب نو سو چالیس روپے سے کم میں نہیں چھپ سکتے۔ از انجا کہ ایسی بڑی کتاب کا چھپ کر شائع ہونا بجز معاونت مسلمان بھائیوں کے بڑا مشکل امر ہے اور ایسے اہم کام میں اعانت کرنے میں جس قدر ثواب ہے وہ ادنیٰ اہل اسلام پر بھی مخفی نہیں۔ لہٰذا اخوان مومنین سے درخواست ہے کہ اس کے مصارف طبع میں معاونت کریں۔ اغنیاء لوگ اگر اپنے مطبخ (باورچی خانہ) کے ایک دن کا خرچ بھی عنایت فرمائیں گے تو یہ کتاب بسہولت چھپ جائے گی۔ ورنہ یہ مہر درخشاں چھپا رہے گا۔ یا یوں کریں کہ ہر ایک اہل وسعت بہ نیت خریداری کتاب پانچ پانچ روپیہ مع اپنی درخواستوں کے راقم کے پاس بھیج دیں۔ جیسی جیسی کتاب چھپتی جائے گی ان کی خدمت میں ارسال ہوتی رہے گی۔ غرض انصار اللہ بن کر اس نہایت ضروری کام کو جلد تر بسرانجام پہنچا دیں۔ (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۵/۶) کچھ دنوں کے بعد ایک اور اشتہار زیر عنوان "اشتہار کتاب براہین احمدیہ بجہت اطلاع جمیع عاشقان صدق و انتظام سرمایہ طبع کتاب" شائع کیا۔ جس کا مضمون قریب قریب وہی تھا جو پہلے اشتہار کا تھا۔ البتہ اتنا اضافہ تھا "بڑی شکر گذاری سے لکھا جاتا ہے کہ حضرت مولوی چراغ علی خاں صاحب معتمد مدار المہام دولت آصفیہ حیدر آباد دکن نے بغیر ملاحظہ کئے کسی اشتہار کے خود بخود اپنے کرم ذاتی و ہمت اور حمایت و حمیت اسلامیہ سے بوجہ چندہ اس کتاب کے ایک نوٹ دس روپیہ کا بھیجا ہے۔ (ایضاً ص ۹-۱۰)

براہین کی قیمت مرزا صاحب ابھی دو ہی اشتہار شائع کرنے پائے تھے کہ روپیہ چاروں طرف سے مینہ کی طرح برسنا شروع ہوا! اور مرزا صاحب کا ساغر دل اپنی اسکیم کی کامیابی پر خوشی سے چھلک گیا لیکن حریص تاجروں کا جذبۂ حرص و آز قلیل نفع سے تسکین نہیں پاتا اس لئے مرزا صاحب اب سوچنے لگے کہ اگر کتاب کی قیمت دو چند کر دی جائے تو آمدنی بھی دو چند ہونے لگے گی۔ چنانچہ قیمت پانچ کی جگہ دس روپے کر دی۔ اب مرزا صاحب نے ۳ دسمبر ۱۸۷۹ء کو یہ اعلان شائع کیا۔ "واضح ہو کہ جو اصل قیمت اس کتاب کی بلحاظ ضخامت اور حسن اور لطافت ذاتی اس کے اور نیز بنظر اس پاکیزگی خط اور تحریر اور عمدگی کاغذ وغیرہ لوازم اور مراتب کے کہ جن کے التزام سے یہ کتاب چھاپی جائے گی بیس روپیہ سے کم نہ تھی مگر ہم نے محض اس امید سے جو بعض امرائے اسلام جو ذی ہمت اور اولوالعزم ہیں۔ اس کتاب کی اعانت میں توجہ کامل فرمائیں گے صرف پانچ روپیہ مقرر کی تھی۔ مگر اب تک ایسا ظہور میں نہ آیا اور ہم انتظار کرتے کرتے تھک بھی گئے۔ بباعث اس کے جو قیمت کتاب کی نہایت ہی کم تھی اور جبر نقصان اس کے کا بہت سی اعانتوں پر موقوف تھا جو محض فی سبیل اللہ ہر طرف سے کی جائیں طبع کتاب میں بڑی توقف ظہور میں آئی۔ ناچار بصد اضطرار یہ تجویز سوچی گئی جو قیمت کتاب کی جو بنظر حیثیت کتاب کے بغایت درجہ قلیل اور ناچیز ہے دو چند کی جائے۔ لہٰذا من بعد جملہ صاحبین باستثناء ان صاحبوں کے جو قیمت ادا کر چکے ہیں یا ادا کرنے کا وعدہ ہو چکا ہے قیمت اس کتاب کی بجائے پانچ روپیہ کے دس روپیہ تصور فرمائیں مگر واضح رہے کہ اگر بعد معلوم کرنے قدر و منزلت کتاب کے کوئی امیر عالی ہمت اس قدر اعانت فرمائیں گے کہ جو کسر کمی قیمت کی ہے اس سے پوری ہو جائے گی تو پھر وہی پہلی ہی قیمت قرار پا جائے گی۔ انشاء اللہ یہ کتاب جنوری ۱۸۸۰ء میں زیر طبع ہو کر فروری میں شائع ہو جائے گی۔ میں مندرجہ ذیل صاحبوں کا دل مشکور ہوں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اس کتاب کی اعانت کے لئے بنیاد ڈالی اور خریداری کتب کا وعدہ فرمایا۔ (۱) جناب نواب شاہجہان بیگم صاحبہ بالقابہ والیۂ ریاست بھوپال (۲) نواب صاحب بہادر فرمانروائے ریاست لوہارو (۳) خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر اعظم ریاست پٹیالہ (۴) جناب نواب محمد فیروز الدین خاں صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست بہاولپور (۵) جناب غلام قادر خاں صاحب وزیر ریاست نالاگڑھ (پنجاب) (۶) جناب نواب مکرم الدولہ بہادر حیدر آباد دکن (۷) جناب نواب نظیر الدولہ بہادر بھوپال (۸) جناب نواب سلطان الدولہ بہادر بھوپال۔ (۹) جناب نواب علی محمد خاں صاحب بہادر لدھیانہ (۱۰) جناب نواب غلام محبوب سبحانی خاں صاحب رئیس اعظم لاہور۔ (۱۱) جناب سردار غلام محمد خاں صاحب رئیس واہ (۱۲) جناب مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب نائب معتمد مدار المہام حیدر آباد دکن (۱۳) جناب مرزا سعید الدین احمد خاں صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر فیروزپور (تبلیغ رسالت جلد اول ص $\frac{8}{5}$) (۱۴) شیخ محمد بہاؤ الدین صاحب مدار المہام ریاست جوناگڑھ (البشریٰ جلد اول حصہ ۲ ص ۷) مرزا صاحب کے بے پناہ پروپیگنڈا نے لوگوں کو کتاب کا بڑا مشتاق بنا دیا تھا۔ جب پہلے دو حصے چھپ چکے تو مرزا صاحب کے جذبۂ زر طلبی میں اور زیادہ تشنگی پیدا ہوئی اب اس کی قیمت دس روپے کی بجائے مرفہ الحال مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے کم از کم پچیس روپے قرار پائی۔ اور ہر ایک سے پچیس روپیہ سے لے کر سو روپیہ تک وصول کیا جانے لگا۔ پچیس روپے سے لے کر سو روپیہ

"تک قیمت مقرر کرنے کے متعلق مرزاجی نے جو اشتہار شائع کیا اس میں لکھا کہ کتاب براہین احمدیہ" جس میں تین سو مضبوط
دلیل سے حقیت اسلام ثابت کی گئی ہے۔ اور ہر ایک مخالف کے عقاید باطلہ کا ایسا استیصال کیا گیا ہے کہ گویا اس
مذہب کو ذبح کیا گیا اور پھر زندہ نہیں ہوگا اس کتاب کے بارے میں بجز چند عالی ہمت مسلمانوں کے جن کی توجہ سے
دو حصے اور کچھ تیسرا حصہ چھپ گیا ہے جو کچھ اور لوگوں نے اعانت کی وہ ایسی ہے کہ اگر بجائے تصریح کے اِنَّا لِلّٰهِ وَ
اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پر قناعت کریں تو مناسب ہے۔ پہلے یہ کتاب تیس پینتیس جز تک تالیف ہوئی تھی اور پھر سو جز
(سو ۱۶۰۰ سو صفحے) تک بڑھا دی گئی اور دس روپیہ عام لوگوں کے لئے اور پچیس روپیہ دوسری قوموں اور خواص کے لئے
مقرر ہوئی۔ مگر اب یہ کتاب بوجہ احاطہ جمیع ضروریات تحقیق و تدقیق تین سو جزو (چار ہزار آٹھ سو صفحات) تک پہنچ
گئی ہے۔ جس کے مصارف پر نظر کر کے یہ واجب معلوم ہوتا تھا کہ آیندہ قیمت کتاب سو روپیہ رکھی جائے۔ مگر بہ باعث
پست ہمتی اکثر لوگوں کے یہی قرین مصلحت معلوم ہوا کہ اب وہی قیمت مقررہ سابقہ کہ گویا کچھ بھی نہیں ایک دوامی قیمت
قرار پا دے اور لوگوں کو ان کے حوصلہ سے زیادہ تکلیف دے کر پریشان نہ کیا جائے۔ اور واضح رہے کہ اب یہ کام ان
لوگوں کی ہمت سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا کہ جو مجرد خریدار ہونے کی وجہ سے ایک عارضی جوش رکھتے ہیں بلکہ اس وقت
کئی ایک ایسے عالی ہمتوں کی توجہات کی حاجت ہے کہ جن کا بے بہا ایمان خرید و فروخت کے تنگ ظرف میں سما نہیں سکتا
بلکہ اپنے مالوں کے عوض میں بہشت جاودانی خریدنا چاہتے ہیں۔ (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۲۳۔۲۴)

زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنیکے ہتھکنڈے

اب قادیانی صاحب نے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے دو ڈھنگ اختیار کئے۔ اوّل تو یہ کوشش کی کہ کوئی شخص قیمت کا لفظ ہی زبان پر نہ لائے کیونکہ
خرید و فروخت کا خیال تنگ ظرفی کی دلیل ہے" بلکہ وہ اندھا دھند اپنے متاع عزیز کا ایک بڑا حصہ مرزا صاحب کو
خیرات میں دے دے اور اس کے معاوضہ میں مرزا صاحب سے بہشت جاوداں کا تمغہ حاصل کرلے اور اگر کوئی شخص
اس طرح نہیں پھنستا تھا یا پچیس روپے سے بھی کم دینا چاہتا تھا تو ہوشیار دکاندار کی طرح اس سے کہا جاتا تھا کہ تم
ایک پائی نہ دو بلکہ مفت ہی لے لو۔ کیونکہ ہم غریبوں کو مفت بھی دیتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا کون بے حیا مستطیع
خریدار ہوگا جو غریب بن کر مفت مانگتا یا پچیس روپے سے کم قیمت پر کتاب مانگنے کی جرأت کرتا۔ مرزا صاحب نے سردار
محمد علی خاں مالیر کوٹلوی کے نام جو خط بھیجا اس میں لکھا تھا کہ "قیمت کتاب سو روپیہ سے پچیس روپیہ تک حسب مقدرت
ہے۔ یعنی جس کو سو روپیہ کی توفیق ہے وہ سو روپیہ ادا کرے اور جس کو کم توفیق ہے وہ کم۔ مگر بہرحال پچیس روپیہ
سے کم نہ ہو۔ اور نادار کو مفت للّٰہ ملتی ہے۔ آپ جس صیغہ میں چاہیں لے سکتے ہیں اور چاہیں تو مفت بھیجی جاوے"
(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۴ ص ۴) تھوڑے دن کے بعد مرزا صاحب نے ایک اور اپیل شائع کی جس میں لکھا "امید یہ کی
گئی تھی کہ اُمرائے اسلام جو ذی ہمت اور اولوالعزم ہیں اس کتاب کی اعانت میں دلی ارادت سے مدد کریں گے لیکن
اب تک وہ اُمید پوری نہ ہوئی۔ بلکہ بجز عالی جناب خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ (پنجاب)
کہ جنہوں نے مسکین طالب علموں کو تقسیم کرنے کے لئے پچاس جلدیں اس کتاب کی خریدیں۔ اور نیز فراہمی خریداروں میں

بڑی مدد فرمائی - اکثر صاحبوں نے ایک یا دو نسخے سے زیادہ نہیں خریدا - لہٰذا بذریعہ اس اعلان کے بخدمت ان ذی
ہمت امراء کے جو حمایت دین اسلام میں مصروف ہو رہے ہیں عرض کی جاتی ہے کہ وہ ایسے کار ثواب میں کہ جس سے اعلائے
کلمۂ اسلام ہوتا ہے اعانت سے دریغ نہ فرمائیں۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۸)

ان حضرات کا شکوہ جنہوں نے براہین کو بے مصرف خیال کیا

غرض مرزا صاحب اسی طرح اشتہار پر اشتہار چھاپتے اور پروپیگنڈا کرتے رہے
اس اثناء میں بعض حضرات نے یہ کہہ کر صاف گوئی اور راست بیانی کا حق ادا
کیا کہ کتاب "براہین احمدیہ" کی اشاعت ہی غیر ضروری ہے۔" مرزا صاحب ان لوگوں کا شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں
"ایک اور بڑی تکلیف ہے جو بعض نافہم لوگوں کی زبان سے ہم کو پہنچ رہی ہے اور وہ یہ ہے جو بعض صاحب جن کی
رائے بباعث کم توجہی کے دینی معاملات میں صحیح نہیں ہے وہ اس حقیقت حال پر اطلاع پاکر جو "براہین احمدیہ" کی طیاری
پر نو ہزار روپیہ خرچ آتا ہے بجائے اس کے جو دلی غمخواری سے کسی نوع کی اعانت کی طرف متوجہ ہوتے۔ جو زیر باری
بوجہ کمی قیمت کتاب و کثرت مصارف طبع کے عاید حال ہیں ان کے جبر نقصان کے لئے کچھ للّٰہ فی اللّٰہ ہمت دکھلاتے
منافقانہ باتیں کرنے سے ہمارے کام میں خلل انداز ہو رہے ہیں اور لوگوں کو یہ وعظ سناتے ہیں جو کیا پہلی کتابیں کچھ
تھوڑی ہیں جو اب اس کی حاجت ہے؟ یہ لوگ اس جہد بلیغ کی تحقیر کرکے لوگوں کو اس کے فوائد عظیمہ سے محروم رکھنا
چاہتے ہیں - اور نیش زنی کر رہے ہیں - کتاب "براہین احمدیہ" بغیر اشد ضرورت کے نہیں لکھی گئی - ورنہ ضرور نہ تھا کہ جو ہم
سالہا سال اپنی جان کو محنت شدیدہ میں ڈال کر اپنی عمر عزیز کا ایک حصہ خرچ کرتے (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۳۰)

مرزا صاحب نے ایک اعلان میں بعض نوابوں اور رئیسوں کی توہین اور بعض کی تعریف بھی کی چنانچہ لکھا "حالانکہ
بخوبی مشتہر کیا گیا تھا کہ اب بباعث بڑھ جانے ضخامت کے اصل قیمت کتاب کی سو روپیہ ہی مناسب ہے کہ ذی
مقدرت لوگ اس کی رعایت رکھیں کیونکہ غریبوں کو یہ صرف دس روپے میں دی جاتی ہے سو جبر نقصان کا واجبات
سے ہے - مگر بجز سات آٹھ آدمی کے سب غریبوں میں داخل ہو گئے - خوب جبر (تلافی) کیا - ہاں نواب اقبال الدولہ
صاحب حیدرآباد نے اور ایک اور رئیس نے ضلع بلند شہر سے ایک نسخہ کی قیمت میں سو سو روپیہ بھیجا ہے - اور ایک عہدہ
دار محمد افضل خاں نے ایک سو دس روپے اور نواب صاحب مالیر کوٹلہ نے تین نسخہ کی قیمت میں سو روپیہ بھیجا اور سردار
عطر سنگھ صاحب رئیس اعظم لدھیانہ نے بطور اعانت پچیس روپے بھیجے ہیں - بخیل اور ممسک مسلمانوں کو جو بڑے بڑے
لقبوں اور ناموں سے بلائے جاتے ہیں اور قارون کی طرح بہت سا روپیہ دبائے بیٹھے ہیں۔ اپنی حالت کو سردار صاحب
کے مقابلہ پر دیکھ لینا چاہیئے - (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۴۲) جب پروپیگنڈا اور اشتہار بازی کی بدولت انجام
کار روپیہ کی خوب ریل پیل ہوئی تو مرزا صاحب نے معاونین و محسنین کرام کا ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔" اس خداوند
عالم کا کیا کیا شکر ادا کیا جائے کہ جس نے براہین کے چھپوانے کے لئے اسلام کے عمائد اور بزرگوں اور اکابر اور امیروں اور
دیگر بھائیوں اور مومنوں اور مسلمانوں کو شائق اور راغب اور متوجہ کر دیا - پس اس جگہ ان تمام حضرات معاونین کا شکر کرنا
بھی واجبات سے ہے کہ جن کی کریمانہ توجہات سے میرے مقاصد دینی ضائع ہونے سے سلامت رہے ہیں ان صاحبوں

کی اعانتوں سے ایسا ممنون ہوں کہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ جن سے میں اُن کا شکریہ ادا کرسکوں۔ (تبلیغ رسالت جلد ۱ ص ۴۸)

فصل ۳۔ خلفِ وعد اور خریداروں کا روپیہ ہضم کرنیکی مضحکہ خیز توجیہ

جب قادیانی صاحب تین سو جزو (چار ہزار آٹھ سو صفحات) کی کتاب کی قیمت میں اور کچھ خیرات کے طور پر ہزار ہا روپیہ قوم سے وصول کرچکے تو اب تقدس مآب نے صرف چار حصوں یعنی ۵۶۲ صفحات کی کتاب پر ہی لوگوں کو ٹرخا دینے اور ہزار ہا روپیہ کی رقم خطیر بے ڈکار ہضم کرجانے کا عزم صمیم فرمالیا۔ لیکن اس بدمعاملگی کے جواز کی بھی کوئی وجہ تجویز ہونی چاہیئے تھی۔ سخن تراشی تو مسیح صاحب کے گھر کی لونڈی تھی۔ بات یہ بنائی کہ اب خود رب العلمین اس کتاب کا متولی و مہتمم ہوگیا ہے۔ اس تولیت و اہتمام خداوندی کا یہ مطلب تھا کہ اب میں باقی ماندہ کتاب کی طبع و اشاعت کا کوئی ذمہ نہیں لے سکتا۔ چنانچہ ۱۸۸۴ء میں مرزا صاحب نے براہین احمدیہ (حصہ چہارم) کے آخری صفحہ پر "ہم اور ہماری کتاب" کے زیر عنوان یہ اعلان شائع کردیا۔ "ابتدا میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اُس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً اور باطناً حضرت رب العلمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدار تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس نے جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام کے ظاہر کئے ہیں یہ بھی اتمام حجت کے لئے کافی ہیں۔ اس جگہ ان نیک دل ایمانداروں کا شکر کرنا لازم ہے۔ جنہوں نے اس کتاب کے طبع ہونے کے لئے آج تک مدد دی ہے۔ بعض صاحبوں نے اس کتاب کو محض خرید و فروخت کا ایک معاملہ سمجھا ہے۔ اور بعض کے سینوں کو خدا نے کھول دیا۔ اگر حضرت احدیت کا ارادہ ہے تو کسی ذی مقدرت کے دل کو بھی اس کام کے انجام دینے کے لئے کھول دے گا۔ واللّٰہ علیٰ کلِّ شیئٍ قدیر۔" (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۴۷-۴۸) اس تحریر سے مرزا صاحب کا یہ مقصد تھا کہ باقی ماندہ کتاب کے متعلق کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی۔ کیونکہ کتاب کی پیشگی قیمتیں ہضم ہوچکی ہیں۔ البتہ اگر حق تعالیٰ کی خواہش ہو تو وہ کسی سرمایہ دار کو آمادہ کردے کہ وہ اپنے سرمایہ سے باقی ماندہ کتاب طبع کرادے۔ اور اس طرح قارون زماں بننے کے دیرینہ مرزائی ارمان پورے کردے۔ واقعی دیانتداری اور صفائی معاملہ اسی کو کہتے ہیں۔ جس کا قادیاں کے مجدد صاحب نے ثبوت دیا۔

تین سو جزو کے وعدہ کے عدم ایفاء کا اعلان

چونکہ مرزا صاحب براہین کے خریداروں سے کتاب کی قیمت پیشگی وصول کرچکے تھے اور ہزار ہا روپیہ کی وصول یابی کے بعد اب خریداروں کی طرف سے کسی نئی رقم کے ملنے کی توقع نہ تھی اس لئے قادیاں کے مجدد صاحب "براہین احمدیہ" کو نظر انداز فرما کر اس کی جگہ دوسری کتابیں مثلاً "سرمہ چشم آریہ" اور رسالہ "سراج منیر" وغیرہ چھپوا کر زر اندوزی کے سامان مہیا فرمانے لگے۔ اور براہین کے متعلق اعلان کردیا کہ الہامات الٰہیہ کی بنا پر تین سو جزو کے وعدے پورے نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ ستمبر ۱۸۸۶ء میں اپنی نئی کتاب "سرمہ چشم آریہ" کے ٹائیٹل پیج پر یہ اعلان درج کیا۔ "یہ رسالہ کحل الجواہر سرمہ چشم آریہ نہایت صفائی سے چھپ کر ایک روپیہ بارہ آنہ اس کی قیمت عام لوگوں کے لئے قرار پائی ہے اور خواص اور ذی استطاعت لوگ جو کچھ بطور امداد دیں اُن کے لئے موجب ثواب ہے۔ کیونکہ "سراج منیر" اور "براہین" کی طباعت کے لئے اسی قیمت سے سرمایہ جمع ہوگا۔ اس کے

بعد رسالہ "سراج منیر" چھپے گا۔ اس کے بعد پنجم حصہ کتاب "براہین احمدیہ" چھپنا شروع ہوگا۔ جو بعض لوگ توقف طبع براہین سے مضطرب ہو رہے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اس زمانہ توقف میں کیا کیا کارروائیاں بطور تمہید کتاب کے عمل میں آئی ہیں۔ ۲۰ ہزار کے قریب اشتہار تقسیم کیا گیا اور صدہا جگہ ایشیا و یورپ و امریکہ میں خطوط دعوت اسلام اردو انگریزی میں چھپوا کر اور رجسٹری کرا کر بھیجے گئے۔ بایں ہمہ اگر بعض صاحب اس توقف سے ناراض ہوں تو ہم ان کو فسخ بیع کی اجازت دیتے ہیں وہ ہم کو اپنی خاص تحریر سے اطلاع دیں تو ہم بدیں شرط کہ جو وقت ہم کو ان کی قیمت مرسلہ میسر آ دے اس وقت بافذ کتاب واپس کر دیں گے۔ بلکہ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ایسے صاحبوں کی ایک فہرست تیار کی جائے اور ایک ہی دفعہ سب کا فیصلہ کیا جائے۔ اور یہ بھی ہم اپنے گذشتہ اشتہار میں لکھ چکے ہیں کہ اب یہ سلسلہ تالیف کتاب بوجہ الہامات الٰہیہ دوسرا رنگ پکڑ گیا ہے۔ اور اب ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب تین سو جزو تک ضرور پہنچے بلکہ جس طور سے خدائے تعالیٰ مناسب سمجھے گا کم یا زیادہ بغیر لحاظ پہلی شرط کے اس کو انجام دے گا۔ کہ یہ سب کام اسی کے ہاتھ میں اور اسی کے امر سے ہے (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۹۱)

ان خریداروں کا شکوہ جنہوں نے مسیح صاحب کو دغاباز ٹھہرایا

جب مرزا صاحب لوگوں کی رقمیں شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے اور خریداروں کو اپنی رقموں کی طرف سے قطعی مایوسی ہوئی تو یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ رنجشوں کے بخارات قلزم دل سے اٹھ اٹھ کر ساحل لب سے ٹکراتے اور مظلوم خریدار شکوہ و شکایت کے دفتر کھولتے۔ جب ملہم صاحب نے دیکھا کہ ان کے خلاف ہر طرف طعن و تشنیع کی گرم بازاری ہے تو انہوں نے اس خوف سے کہ مبادا مریدین عقیدت شعار برگشتہ ہو جائیں یکم مئی ۱۸۹۳ء کو آٹھ صفحوں کا ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ مجھے ان مسلمانوں کی حالت پر نہایت افسوس ہے کہ جو اپنے پانچ یا دس روپیہ کے مقابل پر ۳۶ جزو (۵۶۲ صفحات) کی ایسی کتاب پا کر جو معارف اسلام سے بھری ہوئی ہے ایسے شرمناک طور پر بدگوئی اور بدزبانی پر مستعد ہو گئے کہ گویا ان کا روپیہ کسی چور نے چھین لیا۔ یا ان پر کوئی قزاق آ پڑا اور گویا وہ ایسی بے رحمی سے لوٹے گئے کہ اس کے عوض میں کچھ بھی ان کو نہیں دیا گیا اور ان لوگوں نے زبان درازی اور بدظنی سے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا کہ کوئی دقیقہ سخت گوئی کا باقی نہ رکھا۔ اس عاجز کو چور قرار دیا مکار ٹھہرایا۔ مال مردم خور کر کے مشہور کیا۔ حرام خور کہہ کر نام لیا۔ دغاباز نام رکھا۔ اور اپنے پانچ یا دس روپیہ کے غم میں وہ سیاپا (سینہ کوبی) کیا کہ گویا تمام گھر ان کا لوٹا گیا۔ لیکن ہم ان بزرگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ کتابیں جو اس کے عوض میں تم نے لیں جن کے ذریعے سے تم نے وہ علم حاصل کیا جس کی تمہیں اور تمہارے باپ دادوں کو کیفیت معلوم نہ تھی۔ اور وہ بغیر ایک عمر خرچ کرنے کے اور بغیر خون جگر کھانے کے یونہی تالیف ہو گئی تھیں۔ اور بغیر صرف مال یوں ہی چھپ گئی تھیں۔ اور اگر درحقیقت وہ بے بہا جواہرات تھی جس کے عوض آپ نے پانچ یا دس روپے دیئے تھے۔ تو کیا یہ شکوہ روا تھا کہ بے ایمانی اور دھوکہ دہی سے ہمارا روپیہ لے لیا گیا۔ آخر ان پرجوش مسلمانوں کو دیکھنا چاہیئے جنہوں نے براہین کے ان حصوں کو دیکھ کر بغیر خریداری کی نیت کے صرف حقائق و معارف کو مشاہدہ کر کے صدہا روپیہ سے محض للہ مدد کی۔ اور پھر عذر کیا کہ ہم کچھ نہیں کر سکے

واپسی قیمت کے وعدوں کی حقیقت

مرزا صاحب نے اعتراضات سے تنگ آ کر یکم مئی ۱۸۹۳ء کو یعنی

(اشتہار ... ملحقہ ...)

براہین حصہ چہارم کی اشاعت کے نو سال بعد ایک اشتہار شایع کیا جس میں لکھا کہ "اب میں اُن خریداروں سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا جو پکے ارادت مند اور معتقد نہیں ہیں۔اس لئے عام طور پر یہ اشتہار دیتا ہوں کہ ایسے لوگ جو آیندہ کسی وقت جلد یا دیر سے اپنے روپیہ کو یاد کر کے اس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو طیار ہیں یا ان کے دل میں بھی بدظنی پیدا ہو سکتی ہے وہ براہ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھ کو بذریعہ خط مطلع فرماویں۔اور میں ان کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کروں گا کہ ایسے شہر میں یا اُس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دوں گا کہ تا چاروں حصے کتاب کے لے کر روپیہ اُن کے حوالے کردے۔اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدار کتاب فوت ہو گیا ہو اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملتی ہو تو چاہیئے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے وہ خط میری طرف بھیج دے تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیج دیا جائے گا اور اگر کسی وارث کے پاس کتاب ہو تو وہ بھی بدستور اس میرے دوست کے پاس روانہ کرے لیکن اگر کوئی کتاب کو روانہ کرے اور یہ معلوم ہو کہ چاروں حصے کتاب کے نہیں ہیں تو ایسا پیکٹ ہرگز نہیں لیا جائے گا۔جب تک شخص فرستندہ یہ ثابت نہ کرے کہ اسی قدر کتاب اُن کو بھیجی گئی تھی۔" (تبلیغ رسالت جلد ۳ ص ۳۳) مرزا صاحب کی اس نمائیشی آمادگی کے متعلق جس میں قیمت کی واپسی کا بڑے طمطراق سے وعدہ کیا گیا ہے منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ لاہور نے کتاب "عصائے موسیٰ" میں لکھا کہ براہین کی قیمت کے بارہ میں شاید یہ عذر کیا جائے کہ ہم نے واپسی روپیہ کا اشتہار دے دیا تھا اس لئے ہم بری الذمہ ہو گئے لیکن اول تو پہلے سے ایسی کوئی شرط نہیں تھی۔ثانیاً یہ اعلان صرف اپنے مریدوں میں تقسیم کیا گیا تمام چندہ دہندوں میں اس کی اشاعت ضروری نہ خیال کی گئی۔تیسرا اس اشتہار میں بھی ایسی چالاکی کی گئی کہ بیچارے مظلوم شرم کے مارے مطالبۂ زر کی جرأت نہ کریں اور اگر کریں تو مرزا صاحب کے کسی معتمد علیہ کو تلاش کرتے پھریں۔اور اگر مل جائے تو اس سے تصدیق نامہ حاصل کریں۔اور پھر مرزا صاحب کے حضور میں پیش کریں۔پھر جن لوگوں نے براہین کے لئے روپیہ پیشگی دیا تھا ان کے پاس بھی اشتہار نہیں پہنچا۔اگر مرزا صاحب کی نیت بخیر ہوتی تو فہرست خریداروں کو دیکھ کر تمام خریداروں کو قیمت واپس کر دی جاتی۔یہ حق العباد تھا۔اس میں جس قدر بھی سعی و اہتمام کیا جاتا تھوڑا تھا۔" (عصائے موسیٰ) معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے واپسی قیمت کا اعلان دو تین مرتبہ کیا تھا لیکن اعلانوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حقیقت میں لوگوں کی رقمیں واپس دے کر حقوق العباد سے سبکدوش ہو جائیں۔بلکہ محض دکھلاوے اور ریاکاری کا ایک کھیل کھیلا گیا تھا۔ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ۱۸۹۳ء کے متذکرۂ صدر اشتہار کے قریباً چھ سال بعد یعنی ۱۸۹۹ء میں مکرر اعلان کرنے کی ضرورت پیش آتی۔اس اعلان میں جو "ایام الصلح" طبع اول کے صفحہ اول پر درج ہے مرزا صاحب فرماتے ہیں "براہین احمدیہ کا بقیہ نہ چھاپنے پر اعتراض پیش کرنا محض لغو ہے۔قرآن شریف بھی باوجود کلام الٰہی ہونے کے تیئیس ۲۳ برس میں نازل ہوا۔پھر اگر خدا تعالیٰ کی حکمت نے بعض مصالح کی غرض سے براہین کی تکمیل میں توقف ڈال دی تو اس میں کون سا حرج ہوا۔" لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مرزا صاحب کی طرح خداوند عالم نے بھی (معاذ اللہ) چار ہزار آٹھ سو صفحات کا قرآن شائع کرنے کے سبز باغ دکھا کر لوگوں سے کوئی رقمیں وصول کی تھیں؟ جب ایسا نہیں تو نزول قرآن کی تدریج سے استدلال کرنا انتہا درجہ کی ابلہ فریبی ہے۔آگے چل کر حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ "اگر یہ خیال ہے کہ بطور پیشگی خریداروں سے روپیہ لیا گیا تھا تو ایسا خیال کرنا بھی حمق و ناواقفی کے باعث ہو گا

کیونکہ اکثر "براہین احمدیہ" کا حصہ مفت تقسیم کیا گیا ہے۔ اور بعض سے پانچ روپیہ اور بعض سے آٹھ آنہ تک قیمت لی گئی ہے۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں جن سے دس روپے لئے گئے ہوں اور جن سے پچیس روپے لئے گئے وہ صرف چند آدمی ہیں۔ پھر باوجود اس قیمت کے جو ان حصص "براہین احمدیہ" کے مقابل پر جو منطبع ہو کر خریداروں کو دئے گئے ہیں کچھ بہت نہیں ہے بلکہ عین موزون ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ۷ ص ۷۷ ۔ ۷۸) لیکن افسوس مرزا صاحب اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر گئے کہ انہوں نے شروع میں چار ہزار آٹھ سو صفحہ کی کتاب جس میں تین سو مفید دلائل ہونے چاہئیں تھے۔ پانچ یا دس روپے میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ پانسو یا ساٹھ صفحہ کی کتاب کے لئے انہیں کسی نے پانچ یا دس یا پچیس یا سو روپے نہیں دیئے تھے۔" اس کے بعد مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے انہوں نے کتابیں بھیج دیں۔ اور قیمت واپس لے لی۔ اور کئی دفعہ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہم ایسے کمینہ طبعوں کی ناز برداری کرنا نہیں چاہتے اور ہر ایک وقت قیمت واپس دینے پر طیار ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے دنی الطبع لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہم کو فراغت بخشی (ایضاً)

خریداروں کو گالیاں ظاہر ہے کہ اس سراپا دشنام اعلان کو پڑھ کر کوئی شریف اور باحیا آدمی چند روپوں کیلئے "کمینہ" "سفیہ" "جاہل" "دنی الطبع" بننا گوارا نہ کریگا۔ انصاف و دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس غرض سے روپیہ وصول کیا تھا وہ پوری کی جاتی یا کم از کم مطبوعہ حصہ کی قیمت وضع کر کے باقی روپیہ خریداروں کو بھیج دیا جاتا۔ ایک تو ایفائے عہد نہ کرنا دوسرے لوگوں کا روپیہ ہضم کر جانا تیسرے مطالبہ کرنے والوں کو گالیاں دینا کہاں کی شرافت و ایمانداری ہے؟ حضرت مرزا صاحب کو بخاری و مسلم کی اس حدیث سے سبق آموز ہونا چاہیئے تھا جس میں جناب خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی چند علامتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے دو علامتیں یہ ہیں کہ امانت میں خیانت کرے اور کسی سے بگاڑ ہو جائے تو گالیاں دے۔ بہرحال مرزا صاحب نے اخیر تک حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کا عزم نہ فرمایا۔ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے واپسی قیمت کا اعلان کیا تھا لیکن مرزا صاحب اس قسم کے جو اعلان اپنی کتابوں میں درج کرتے تھے۔ اُن کا شائع کرنا یا نہ کرنا برابر تھا کیونکہ وہ مرزائیوں کے سوا کسی کی نظر سے نہیں گذرتے تھے۔ اگر خلوص دل کے ساتھ لوگوں کی حق رسی منظور تھی تو ان اعلانوں کو اپنی کتابوں میں درج کرنے کے بجائے قومی اخبارات میں شائع کرانا چاہیئے تھا۔ اور چونکہ تمام لوگ اخبار بینی کے عادی نہیں ہوتے اس لئے اس سے بھی زیادہ ضروری یہ تھا کہ خریداروں کا رجسٹر دیکھ کر ہر ایک کے پتے پر یہ اشتہار بھیجے جاتے۔ لیکن ایسا تو وہ کرے جس کے دل میں خوف خدا ہو اور اس بات کا احساس رکھتا ہو کہ فردائے قیامت کو حقوق العباد کے متعلق سخت باز پرس ہو گی۔ چونکہ مرزا صاحب نے لوگوں کی حق رسی نہ کی اور مطالبات علیٰ حالہا قائم رہے اور اعتراضات میں کوئی کمی نہ آئی اس لئے مرزا صاحب نے ۱۹۰۰ء میں یعنی لوگوں سے قیمتیں وصول کرنے کے قریباً بیس اکیس سال بعد ایک اور نمائشی اعلان اپنے رسالہ "اربعین" میں شائع کر کے عند الناس بری الذمہ ہونے کی بے سود کوشش کی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر بالفرض اس قسم کی نمائشی کارروائیوں سے لوگ کسی کو بری الذمہ ہی سمجھ لیں تو بھی وہ عند اللہ بری نہیں ہو سکتا۔ بہرحال مرزا صاحب نے اپنے رسالہ "اربعین" میں جو ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو شائع ہوا لکھا۔ "اگر میں نے براہین احمدیہ" کی قیمت کا روپیہ تم سے وصول کیا ہے تو تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ براہین احمدیہ کے وہ چاروں حصے میرے حوالہ کرو۔ اور اپنا روپیہ لے لو۔ دیکھو میں کھول کر یہ اشتہار دیتا ہوں کہ اب اس کے بعد اگر تم "براہین احمدیہ" کی قیمت کا مطالبہ کرو

اور چاروں حصے بطور ویلیو پے ایبل میرے کسی دوست کو دکھا کر میری طرف نہ بھیج دو اور میں ان کی قیمت بعد لینے ان سرچہار حصوں کے لوانہ کروں تو میرے پر خدا کی لعنت ہو اور اگر تم اعتراض سے باز نہ آؤ اور نہ کتاب کو واپس کرکے اپنی قیمت لو تو پھر تم پر خدا کی لعنت ہو (اربعین نمبر ۴ ص ۲۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے ۱۹۰۰ء تک بھی لوگوں کی رقمیں نہیں چکائی تھیں۔ بیس اکیس سال تک ہمیشہ زبانی جمع خرچ ہی کرتے رہے لیکن روپیہ نکالنے کا نام نہ لیا۔

جلب زر کے قادیانی ہتکنڈوں کے متعلق دہلوی خسر کے خیالات

مرزا صاحب کے خسر دوم میر ناصر نواب دہلوی شروع شروع میں چند سال تک مرزائیت کے دام تزویر سے محفوظ تھے۔ انہی ایام میں انہوں نے جلب زر کے مرزائی ہتکنڈوں کے متعلق ایک نظم زیر عنوان "مثنوی در حالات مکاری اہل زمانہ" لکھ کر مولوی محمد حسین بٹالوی کو رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں شائع کرنے کے لئے دی تھی۔ اس میں شاعر نے بو مسیلم احمد اور عیسائے دوران لکھ کر صاف لفظوں میں اپنے داماد کو مخاطب بنایا ہے۔ اس کا ضروری اقتباس ملاحظہ ہو:۔

بعد ازیں یہ عرض ہے اے مسلمین
سیکڑوں دنیا میں اب پھیلے ہیں روگ
ہر گھڑی ہے مالداروں کی تلاش
ایک دم میں ہوں ولد ریاک سب
ہو یتیموں کا ہی یا رانڈوں کا ہو
حرص کا ہے اس قدر ان کو مرض
پیشگی قیمت مگر لیتے ہیں وہ
جیسے آتا مفت کہیں اُن کا اودھار
بدگمانی کا اُسے آزار ہے
دوسرے بدنام اپنے کو کیا
بد معاش اب نیک از حد بن گئے
ہر طرف مارے اُنہوں نے جال ہیں
ہر طرح سے مال ہیں وہ نوچتے
کچھ نیا اب شعبدہ دکھلایئے
علم ہے دُنیا کمانے کے لئے
آیت قرآں ہیں گویا اُن کے خواب

آج دنیا میں کہیں تقویٰ نہیں
ہے مریدی واسطے پیسوں کے اب
تا کہ حاصل ہو کہیں وجہ معاش
قرض سے اک دفعہ ہو جائے نجات
رنڈیوں کا مال یا بھانڈ وں کا ہو
اور کہیں تصنیف کے ہیں اشتہار
خلق کو اس طرح دم دیتے ہیں وہ
جو کوئی مانگے وہ بے ایمان ہے
سارے بدبختوں کا وہ سردار ہے
کھا گیا جو مال وہ اچھا رہا
بو مسیلم آج احمد بن گئے
ظاہری افعال اُن کے نیک ہیں
ہیں یہی تدبیر ہر دم سوچتے
ہیں امیر اور لیتے ہیں صدقہ زکوٰۃ
دولت دنیا ہے کھانے کے لئے
سیکڑوں کرتے ہیں گو وعدے خلاف

ہیں دغا میں آج کل سرگرم لوگ
ہائے دنیا میں پڑا ہے یہ غضب
کوئی حیلہ جائے جو دولت کا سبب
گو ملے صدقہ کہ مل جائے زکوٰۃ
کچھ نہیں تفتیش سے ان کو غرض
یہ ہی لوگوں نے کیا ہے روزگار
قیمتیں کھا کر نہیں لیتے ڈکار
وہ بڑا ملعون اور شیطان ہے
ایک تو پلہ سے اُس نے زر دیا
کچھ گھٹا اس کا نہ ہرگز اتقاء
عیسیٰ دوراں بنے دجال ہیں
سارے عالم میں وہ گویا ایک ہیں
جس طرح ہو مال کچھ کھا جایئے
دینداری کی نہیں ہے کوئی بات
اپنی تعریفوں سے بھرتے ہیں کتاب
کم نہیں کرتے مگر لاف و گزاف

(اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ ص ۴۸-۱۵۲ء)

مجدد قادیاں پر کتنا روپیہ خورد برد کرنے کا الزام تھا؟

براہین کی اشاعت کے زمانہ میں اور اس کے کئی سال بعد تک مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی مرزا صاحب کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ بلکہ قادیانی تقدس کی بیل دراصل مولوی

محمد حسین ہی کی کوششوں سے منڈھے چڑھی تھی۔ پس اس لحاظ سے کہ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم مرزائی دکانداری کے اسرار و خفایا کو سب سے زیادہ جانتے تھے اس بارہ میں اُن کی شہادت سب سے زیادہ وقیع اور قابل وثوق سمجھی جائے گی کہ مرزا صاحب نے قوم کا کتنا روپیہ کھایا تھا؟ مولوی محمد حسین بٹالوی نے مرزا صاحب کو لکھا تھا کہ "آپ مسلمانوں کا دس ہزار سے زیادہ روپیہ براہین کی قیمت اور قبولیت دعاؤں کی طمع دے کر خورد بُرد کر چکے ہیں اور کتاب براہین ہنوز در بطن شاعر کی صداق ہے اور قبولیت دعاؤں کے امیدوار آپ کا مُنہ دیکھ رہے ہیں" (کتاب "دافع الوساوس" مولفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۳۱۳) اس الزام کے متعلق مرزا صاحب نے اکتوبر ۱۸۹۲ء میں مولوی محمد حسین مرحوم کو ایک مکتوب میں لکھا "آپ کا یہ خیال کہ گویا یہ عاجز براہین احمدیہ کے فروخت میں دس ہزار روپیہ لوگوں سے لے کر خورد بُرد کر گیا ہے یہ اُس شیطان نے آپ کو سبق دیا ہے جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ آپ کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ میری نیت میں براہین کا طبع کرنا نہیں۔ اگر براہین طبع ہو کر شائع ہو گئی تو کیا اُس دن شرم کا تقاضا نہیں ہو گا کہ آپ غرق ہو جائیں؟ ہر یک دیر بدظنی پر مبنی نہیں ہو سکتی۔ اور میں نے تو اشتہار بھی دے دیا تھا کہ ہر ایک مستعجل (عجلت پسند) اپنا روپیہ واپس لے سکتا ہے۔ اور بہت سا روپیہ واپس بھی کر دیا (مکتوبات احمدیہ جلد ۴ ص ۰۴) مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں ایک اور بھی پتے کی بات کہی۔ چنانچہ لکھا کہ جب مرزا صاحب نے دیکھا کہ تین سو موعودہ دلائل کا تو عالم خیال میں بھی کہیں وجود نہیں اور بقیہ حصوں کی طباعت ناممکن ہے اور اُس روپیہ کا جو اس کے عوض میں لیا گیا ہے آسانی سے ہضم ہونا دشوار ہے تو الہامی صاحب نے کتاب کی تیسری اور چوتھی جلد سے الہام بازی کی خاک اڑانی شروع کر دی اور اپنے خریداروں اور معتقدوں کی توجہ اسلام کے عقلی دلائل کی طرف سے ہٹا کر اپنے الہامات کے تماشہ کی طرف منعطف فرما دی (رسالہ اشاعۃ

فصل ۴۔ تین سو موعودہ دلائل

مرزا صاحب نے براہین کی قیمت وصول کرتے وقت کچھ وعدے کئے تھے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ وہ اس کتاب میں حقانیت اسلام کے تین سو دلائل درج کریں گے۔ لیکن مرزا صاحب کتاب کے چاروں حصوں میں ایک دلیل بھی پوری ذکر نہ کر سکے۔ چنانچہ ان کے فرزند گرامی میاں بشیر احمد ایم اے "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں۔ "تین سو دلائل جو آپ (مرزا غلام احمد) نے لکھے تھے ان میں سے صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی اور وہ بھی نامکمل طور پر۔" (سیرۃ المہدی جلد ۱ ص ۹۳) اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے تقدس کے بلند بانگ دعووں کے باوجود اپنے وعدے کا کوئی احساس نہ کیا حالانکہ وہ لکھے پڑھے آدمی تھے اور انہوں نے کم از کم سرور دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ضرور پڑھا یا سُنا ہو گا کہ جس شخص میں یہ چار خصلتیں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے: جب امانت سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور کسی سے جھگڑے تو گالیاں دے (بخاری و مسلم) باوجودیکہ قادیانی صاحب فن سخن سازی اور تاویل کاری کے امام تھے لیکن جب ان پر ہر طرف سے بدعہدی کے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی تو بیچارے بغلیں جھانکنے لگے۔ لاکھ سر پٹکا لیکن کوئی تاویل سمجھ میں نہ آئی۔ آخر تیئیس سال کی سوچ بچار کے بعد جب انتقال سے تھوڑے دن پیشتر براہین کا حصہ پنجم مرتب کیا تو اس میں لکھا کہ "اسلام کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ کامل تعلیم کے لحاظ سے کوئی مذہب

[illegible]

اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پھر دوسری قسم فتح کی جو اسلام میں پائی جاتی ہے جس میں کوئی مذہب اس کا شریک نہیں اس کی زندہ برکات اور معجزات ہیں۔ اس لئے ان دو قسم کی دلیلوں کے موجود ہونے کے بعد کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ اور میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثبات حقیت اسلام کے لئے تین سو دلیل براہین احمدیہ میں لکھوں لیکن میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کے دلائل ہزارہا نشانوں کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا اور مذکورہ بالا دلائل لکھنے کے لئے مجھے شرح صدر عنایت کیا" (براہین حصہ پنجم ص ۳-۴) اہل انصاف غور کریں کہ اگر واقعی خدائے برتر نے مرزا صاحب کا دل تین سو دلائل کی تحریر و تسوید کی طرف سے پھیر دیا تھا تو یہ امر دریافت طلب ہے کہ اُس ذات بے ہمتا نے ان کے دل کو لوگوں کی ہضم شدہ امانتیں واپس کرنے کی طرف کیوں مائل نہ کیا؟ جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سب نفس اماّرہ کے حیلے ہیں جن کو دیانت و صداقت سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں ۔

کیا اعلان طباعت سے پہلے کتاب مرتب ہو چکی تھی؟

ایک اہم سوال یہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین کا اعلان کرنے اور اس کا جواب دینے والے مخالفینِ اسلام کے لئے دس ہزار روپیہ کا انعام مشتہر کرنے سے پہلے کتاب کا کتنا مسوّدہ طیار کر لیا تھا؟ کیا اسی قدر مقالات مدّون ہوئے تھے جو ایک ادھوری دلیل پر مشتمل تھے اور چار حصّوں میں شائع کر دیئے گئے یا تین سو موعودہ یا کسی قدر کم دلائل کا سارا مسوّدہ طیار ہو چکا تھا؟ اس کے متعلق مرزا بشیر احمد سیرۃ المہدی میں لکھتے ہیں۔" جب ۱۸۷۹ء میں براہین کا اعلان کیا تو اس وقت تک اس کا حجم دو اڑھائی ہزار صفحہ تک پہنچ چکا تھا جن میں اسلام کی صداقت پر تین سو دلائل لکھے تھے چنانچہ چار جلدیں شائع ہوئیں۔ مگر اصل کتاب کے صرف چند ورق درج ہوئے ہیں اور صرف ایک دلیل لکھی گئی ہے اور وہ بھی ادھوری (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۹۳) اور خود مرزا غلام احمد صاحب نے براہین کے دوسرے حصہ میں لکھا۔" یہ کتاب تین سو محکم اور قوی دلائل حقیقتِ اسلام اور اصولِ اسلام پر مشتمل ہے۔ دیکھنے سے صداقت اس دین متین کی ہر ایک طالب حق پر ظاہر ہو گی بجز اس شخص کے کہ بالکل اندھا اور تعصب کی سخت تاریکی میں مبتلا ہوئے (براہین ص ۱۳۶) اور براہین کے دوسرے حصہ کے شروع میں" عرض ضروری بحالتِ مجبوری" کے زیر عنوان لکھا۔" ہم نے صدہا طرح کا فتور اور فساد دیکھ کر کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا تھا اور کتاب موصوف میں تین سو مضبوط اور عقلی دلیل سے صداقت اسلام کو فی الحقیقت آفتاب سے بھی زیادہ روشن تر دکھلایا گیا" (ایضاً جلد ۲ ص ب) باپ اور بیٹے کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلان کے وقت تین سو موعودہ دلائل کا مسوّدہ طیار تھا لیکن ہر دو بیانات سراپا غلط ہیں۔ چنانچہ فصل میں مرزا صاحب کا بیان درج کیا جا چکا ہے کہ میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثبات حقیت اسلام کے لئے تین سو دلیل لکھوں لیکن اس کے بعد خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا" اصل یہ ہے جیسا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے رسالہ"اشاعۃ السنۃ" میں لکھا تھا کہ مرزا صاحب نے یہ دیکھ کر کہ تین سو موعودہ دلائل کا تو عالم خیال میں بھی کہیں وجود نہیں اور بقیہ حصّوں کی طباعت ناممکن ہے اور اس روپیہ کا جو اس کے عوض میں لیا گیا ہے آسانی سے ہضم ہونا دشوار ہے تو تیسری اور چوتھی جلد سے الہام بازی شروع کر دی" غرض اس کارروائی میں لوگ مرزا صاحب پر غلط بیانی، وعدہ خلافی، اکل حرام، فریب دہی طرح طرح کے الزام عاید کر رہے ہیں۔

فصل ۵۔ براہین کا لب ولہجہ

براہین کا لب ولہجہ ایسا خراب ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی ہندو یا عیسائی پڑھے اور مشتعل نہ ہو۔ وہی باتیں جو جارحانہ الفاظ اور مبارزانہ انداز میں لکھی تھیں نرم لہجہ اور دلکش الفاظ میں بھی لکھی جا سکتی تھیں۔ مرزا صاحب نے مذہب کی آڑ لے کر اپنے تمام نفسانی مقاصد حاصل کرلئے لیکن مذہب اسلام کو ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچا بلکہ اُنہوں نے اُلٹا اصولِ دین، دینی معاشرت اور قومی وحدت و اتحاد کو بے حد نقصان پہنچایا۔

ہندوؤں اور مسلمانوں میں دائمی عناد کی تخم ریزی

مرزا صاحب نے ملّتِ حنیفی کو یہی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ان کی دریدہ دہنی نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف آریوں اور عیسائیوں کے دلوں میں عناد و منافرت کی مستقل تخم ریزی کردی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا کہ مرزا صاحب نے براہین کی ان جلدوں میں اور اپنے رسائل و اشتہارات میں ہندوؤں کو کوسنا اور اُن کی بہو بیٹیوں کو گالیاں دینا شروع کیا۔ "شحنۂ حق" کے صفحہ ۱۹ پر لکھا کہ تمہیں مجھ کو اپنی لڑکی کا رشتہ تو دینا نہیں جو میری جائداد کی تحقیق کرتے پھرتے ہو۔ "سرمۂ چشم آریہ" میں آریہ لڑکیوں کا ذکر مکروہ الفاظ میں کیا۔ اور ان کے معبودوں کو بُرا بھلا کہا۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کو اپنے الہاموں میں دھمکیاں دینی شروع کیں۔ یہ اسباب ہنود کے کمال اشتعال اور مستقل عداوت کا ذریعہ بن گئے (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۹ ص ۱۳-۱۴) براہین کی مندرجہ ذیل نظم میں گو صراحۃً مخاطب کا نام درج نہ کیا لیکن سیاق وسباق سے اس کا روئے سخن پنڈت دیانند جی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ ذرا "پیغمبر قادیان" کی تہذیب ملاحظہ ہو ارشاد ہوتا ہے

تو خودی زن زادئی ہمچون زناں
پس چہ خوانم نام تو اے رُوسیاہ
گر نہ زادے از وجودِ تو نشاں
نیک بود از فطرت بدگوہرت
تو ہلاکی اے شقیِ سرمدی
در نشانِ صدقِ شانِ مصطفےٰ
این نشان لعنت آمد کایں خساں
راندۂ درگاہِ ربّ العالمین

ناقص ابن ناقص ابن ناقصاں
کوریت صد پردہ ہا بر تو فگند
نیک بودے زیں حیاتِ چوں سگاں
زانکہ کذب وفسق وکفرت در سراست
زانکہ از بانِ جہاں سرکش شندی
مصطفیٰ مہر درخشانِ خداست
ماندہ اندر ظلمتے چوں شپّراں
اے خدا بیخ خبیثانے برآر

خوب کر نزد تو زشت است و تباہ
ویں تعصبہائے تو بیخت بکند
زاغ گر زادے بجائے مادرت
ویں نجاست خوارئ زاں بدتر است
لیک گر خواہی بیا بنگر زما
بر عدوّش لعنتِ ارض وسماست
نے دلِ صافی نہ عقلے راہ بیں
کز جفا با حق نمیدارند کار

انبیاء کرام علیہم السلام کو پنڈت لیکھرام کی گالیاں

مرزا صاحب نے اعلان کیا تھا کہ جو غیر مسلم براہین کا جواب لکھے گا اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ پنڈت لیکھرام نے تکذیب براہین کے نام سے اس کا جواب لکھا لیکن یہ جواب کیا تھا دشنام دہی اور بدگوئی کا ایک نہایت شرمناک مرقع تھا اور یقین ہے کہ جب سے انسان عالم وجود میں آیا کسی بدنہاد عدوّ حق نے خدا کے برگزیدہ نبیوں اور دوسرے مقربانِ بارگاہِ احدیت کو اتنی گالیاں نہ دی ہوں گی جتنی کہ پنڈت لیکھرام نے اس کتاب میں دیں۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی کو لکھنا پڑا کہ پنڈت لیکھرام نے جو ایک جاہل بدزبان آدمی تھا نہایت بدگو اور زبان دراز آریہ تھا۔ اس نے سالہا سال تک دل کھول کر اسلام اور داعیِ اسلام

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بُرا بھلا کہا اور براہین احمدیہ" کے جواب میں چند کتابیں جو محض بدگوئی کا مجموعہ تھیں اور جن کا بہت سا حصہ متعصب عیسائیوں کی تحریروں سے انتخاب کیا تھا شائع کیں اور ساتھ ہی عام جلسوں میں ہادیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کو بُرا کہ کر مسلمانوں کی دل آزاری کرتا تھا" (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۸ ص ۱۴۹) اور یہی وجہ تھی کہ انجام کار پنڈت لیکھ رام کو کسی مسلمان نے شہر خموشاں میں پہنچا دیا۔ لیکن نظر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ پنڈت مذکور کو اسلام اور داعیانِ اسلام علیہم السلام کے خلاف اشتعال دلانے اور دریدہ دہنی پر مائل کرنے والے یہی حضرت مرزا غلام احمد تھے چنانچہ پنڈت لیکھرام نے ۲۴ جون ۱۸۹۳ء کو مرزا غلام احمد کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ "اگر براہین کا جواب لکھنا بے ادبی ہے تو اول مجرم آپ ہیں کیونکہ آپ نے قرآن کے رُو سے کفر کیا۔ ہم کو اشتعال دلایا جس کی وجہ سے ہم نے جواب لکھا۔ اگر آپ ہمیں برانگیختہ نہ کرتے تو پرمیشور جانتا ہے کہ ہمیں ہرگز دین اسلام کے خلاف قلم اُٹھانے کا کبھی خیال نہ تھا۔ پس اگر خدانخواستہ غضب الٰہی نازل ہوگا تو اوّل قادیان میں آپ کی مہیک پر برق غضب گرے گی۔ پھر اگر حفاظت خود اختیاری جرم ہے تو ہم بھی مجرم سہی (ہفتہ وار اخبار ست دھرم پرچارک جالندھر مورخہ ۱۶ جولائی ۱۸۹۷ء)

فصل ۷۔ مرزائی الہامات و مکاشفات کی صحت سے علمائے وقت کا انکار

مرزا صاحب نے براہین کی اشاعت سے پہلے اس کا جو طوفان خیز پروپیگنڈا کیا اس سے لوگ سمجھنے لگے کہ خدا جانے وہ کیسی نادر الوجود چیز ہوگی جس کے منصۂ شہود میں آنے سے پہلے ہی اتنا شور ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ آخر جب شائع ہوئی تو اس شعر کا مصداق تھی۔ ؎ بہت شور سنتے تھے پہلو میں جس کا ۔ جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا۔ ایک جلد تو براہین ہی کے جلی خط اشتہار کی نظر ہو گئی تھی۔ باقی جلدوں میں مضمون شروع ہوئے تھے لیکن ان کی بنیاد بھی عموماً اپنے ہی من گھڑت الہامات و مکاشفات پر رکھی گئی تھی۔ لیکن چونکہ براہین کے الہامات اصول و عقاید اسلامی کے صراحۃً خلاف نہ تھے بلکہ عموماً مدوّر منطق کا حکم رکھتے تھے۔ بعض علما بدستور حسن ظن کے سنہری جال میں پھنسے رہے اور براہین کے الہاموں کو نہ تو قبول کیا اور نہ مسترد بلکہ لغو و بے معنی سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور کوئی تعرض نہ کیا۔ اور لطف یہ ہے کہ مرزا صاحب نے بڑی جسارت کے ساتھ قلیل التعداد علماء کے اسی عدم تعرض کو قبول کر لینے سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔" اور سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ میرے دعوائے مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی الہامات سے پڑی ہے اور انہی میں میرا نام خدا نے عیسیٰ رکھا اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس پیچ میں پھنس گئے (اربعین مرتبہ مرزا غلام احمد صاحب نمبر ۲ ص ۲۱) مگر یہ صریح غلط بیانی ہے مرزا صاحب کے الہامات کو علما میں سے کسی نے قبول نہ کیا بلکہ ان کی بہت بڑی اکثریت صاف و صریح الفاظ میں ان کو مسترد کرتی رہی۔ خود مرزا صاحب کی تحریر سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ براہین میں لکھتے ہیں کہ "شہاب الدین نامی ایک شخص ساکن موضع" منھ غلام نبی" نے آکر بیان کیا کہ مولوی غلام علی صاحب امرتسری اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولوی عبدالعزیز صاحب اور بعض دوسرے مولوی صاحبان اس قسم کے الہام سے جو رسولوں کی وحی کے مشابہ ہے باصرار تمام انکار کر رہے ہیں بلکہ اُن میں سے بعض مولوی صاحبان مجانین (دیوانوں) کے خیالات سے اس کو منسوب کرتے ہیں اور اُن کی اس بارہ میں حجت

ہے کہ اگر یہ الہام حق اور صحیح ہیں تو صحابہ کرامؓ اس کے پانے کے زیادہ مستحق تھے حالانکہ ان کا پانا متحقق نہیں" (براہین احمدیہ ص ۵۴۴)

بعض علماء ایسے بھی تھے جن کی معاملہ فہمی اور فراست ایمانی نے قادیانی فتنہ کو براہین کی اشاعت کے ساتھ ہی بھانپ لیا تھا اور خطرہ ظاہر کیا تھا کہ یہ شخص کسی دن دعوائے نبوت کرے گا۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا بیان ہے کہ میں نے حافظ عبدالمنان مرحوم وزیرآبادی کو خود یہ کہتے سنا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ کسی دن یہ شخص نبوت کا دعویٰ نہ کر بیٹھے" اسی طرح بعض لوگوں کا بیان ہے کہ مولوی غلام علی صاحب مرحوم امرتسری کو بھی مرزا صاحب کی طرف سے فتنہ انگیزی کا خدشہ تھا اور ان کا بھی خیال تھا کہ یہ شخص ضرورت نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اسی طرح مولوی غلام دستگیر قصوری اور مولوی محمد لدھیانوی اور لدھیانہ کے دوسرے علماء بھی مرزا صاحب سے سوء ظن رکھتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں" ہمیں حیرت ہے کہ ان علماء کی فراست کس درجہ تیز تھی کہ انجام کار وہی ہوا جو ان حضرات نے گمان کیا تھا" (تاریخ مرزا ص ۹)

براہین بحیثیت کلام الٰہی مرزاجی کے نزدیک "براہین احمدیہ" بھی (معاذ اللہ) کلام الٰہی تھا چنانچہ رسالہ "دافع البلاء" صفحہ ۶ پر لکھا کہ "براہین احمدیہ" میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں آخری دنوں میں طاعون بھیجوں گا اور "ازالہ" کے صفحہ ۵۲۲ پر لکھا کہ خدائے تعالیٰ نے "براہین احمدیہ" میں بھی اس عاجز کا نام اُمتی بھی رکھا اور نبی بھی۔ اور "اعجاز احمدی" صفحہ ۷ پر لکھا کہ میں بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑے شد و مد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا۔ ان تحریروں سے ثابت ہوا کہ قادیانی صاحب کے نزدیک براہین بھی کلام الٰہی تھا لیکن جب ایک مرتبہ اعتراض ہوا کہ براہین میں تو خود آپ بزرگ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں تشریف لانا تسلیم کیا ہے تو مرزا صاحب نے ازالہ صفحہ ۱۰۱ پر یہ لکھ کر براہین کے کلام الٰہی ہونے کی خود ہی قلعی کھول دی کہ میں نے براہین احمدیہ میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ آنے کی بابت لکھا ہے وہ صرف مشہور عقیدہ کے لحاظ سے

فصل ۷۔ براہین کا جواب

مرزا صاحب نے "براہین احمدیہ" کے ساتھ اس کا جواب لکھنے والے کے لئے دس ہزار روپیہ انعام کا جو اعلان شائع کیا اس میں لکھا تھا کہ "اگر کوئی صاحب منکرین میں سے مشارکت اپنی کتاب کی فرقان مجید سے ان سب براہین اور دلائل میں جو ہم نے دربارہ حقیقت فرقان مجید اور صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اسی کتاب مقدس سے اخذ کر کے کی ہیں اپنی الہامی کتاب میں سے ثابت کر دکھلائے یا اگر تعداد میں ان کے برابر پیش نہ کر سکے تو نصف ان سے یا ثلث ان سے یا ربع ان سے یا خمس ان سے نکال کر پیش کرے یا اگر بکلی پیش کرنے سے عاجز ہو تو ہمارے ہی دلائل کو نمبروار توڑ دے تو ان سب صورتوں میں بشرطیکہ تین منصف مقبولہ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کر دیں کہ ایفاء شرط جیسا کہ چاہئے تھا ظہور میں آگیا میں مشتہر ایسے مجیب کو بلا عذرے و حیلے اپنی جائداد قیمتی دس ہزار روپیہ پر قبض و دخل دے دوں گا (براہین احمدیہ ص ۱۷-۲۶)

آگے چل کر مرزا صاحب نے اس وعدہ انعام کو جن کڑی شرطوں سے مشروط کر دیا اُن کے مطالعہ سے صاف نظر آتا ہے کہ مرزا صاحب نے محض اپنے بچاؤ کے لئے پیچ در پیچ شرطیں لگا دیں ورنہ نہ کوئی معقول آدمی ایسی ناقابل عمل شرطیں پیش کرتا ہے اور نہ ان کو کوئی قبول کر سکتا ہے۔ براہین کے مضامین نے ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کو تعل در آتش کیا ہی تھا لیکن اس سے بھی زیادہ دس ہزار روپیہ کے انعامی اشتہار نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ چنانچہ میاں بشیر احمد ابن مرزا غلام احمد

صاحب کو اعتراف ہے کہ "مخالفین اسلام کے کیمپ میں اس گولہ باری سے ایک ہلچل مچ گئی۔" (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۸۹) البتہ مسلمان بدیں خیال مرزا صاحب کے بڑے گرویدہ ہو گئے کہ یہ کوئی بڑے محب ملت اور خادم اسلام ہیں۔ ہر طبقہ کے مسلمان کے دل پر مرزا صاحب کی خدمت اسلام کا سکہ جم گیا اور لوگ نادیدہ عاشق زار اور مشتاق دیدار ہوئے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

مذہب کے نام پر قمار بازی

خواجہ حسن نظامی دہلوی کے الفاظ میں جوئے کی شرکت کا یہ پہلا موقع تھا جو یورپ کی تقلید سے مرزا صاحب نے سیکھا تھا اور اس کو حیلہ کا لباس پہنا کر انعام نام دیا تھا ورنہ حقیقت میں انعام کا یہ طریقہ ایک طرح کا شرطیہ جوا تھا جس کی بازی مرزا صاحب نے مذہب کا نام لے کر لگائی اور پھر مرزائیوں میں اس کا اتنا رواج پڑا کہ مرزا صاحب کے متبع ہر موقع پر اسی ہتھیار سے کام لینے لگے۔ یہاں تک کہ مرزا صاحب رحلت فرما گئے اور ان کے ایک مرید میر قاسم علی صاحب نے ایک سکھ ثالث کے سامنے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے بازی لگائی کہ اگر مولوی صاحب جیت گئے تو اتنی رقم قادیانی صاحب دیں اور اگر میر صاحب جیت گئے تو اتنی ہی رقم مولوی صاحب کو ادا کرنی پڑے گی۔ بدقسمتی سے میر قاسم علی میں مرزا صاحب جیسی ذومعنی حکمت عملی کی قوت نہ تھی جس کے سبب وہ ہار گئے اور سکھ ثالث نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قادیان والوں کو کود جھر کر روپوں کی ڈھیری حریفوں کے آگے رکھنی پڑی اور وہ جیب خالی کر کے گھر کو واپس آئے۔ ورنہ ہمیشہ انعام کے مرعوب کرنے والے الفاظ ہی کام کرتے تھے۔ اس ہار کے بعد کسی مرزائی نے بازی لگانے کی ہمت نہ کی۔ مرزا صاحب نے دس ہزار روپیہ انعام کا طریقہ اس وقت جاری کیا تھا جب کہ مسلمان اس ڈھنگ سے بالکل بے خبر تھے اس واسطے ان کو یہ جدید چیز بہت عزیز معلوم ہوئی۔ اس انعام نے مسلمانوں کے جذبات کو مسخر کر لیا۔ عامۃ المسلمین نے سمجھا کہ جس دعویٰ کی حقانیت میں دس ہزار روپیہ کی عظیم الشان رقم پیش کی جاتی ہے اس کے سچے ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اور یہی وہ حکمت علم النفس تھی جس کی بنا پر مرزا صاحب نے یہ حربہ ایجاد کیا تھا اور جس کو میر قاسم علی کی شکست نے ابدی نیند سلا دیا۔

براہین کا جواب اور جواب الجواب

براہین کے جواب میں پنڈت لیکھرام نے تکذیب براہین نام ایک کتاب لکھی۔ لیکن مرزا صاحب نے ان کو حسب وعدہ کوئی دس ہزار روپیہ نہ دیا۔ مگر ممکن ہے کہ پنڈت جی نے اس کا مطالبہ ہی نہ کیا ہو۔ ۲۵ اپریل ۱۸۸۶ء کو پنڈت جی نے ایک اشتہار زیر عنوان "کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے" شفیق ہند پریس میں چھپوا کر شائع کیا۔ اس اشتہار میں لکھا تھا۔ "ناظرین اس امر سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ ایک شخص مرزا غلام احمد نام ساکن قادیاں کو یہ دھن سمائی ہے کہ مجھے الہام ہوتے ہیں میں مستجاب الدعوات ہوں۔ مجھے خوارق عادات کی قدرت ہے اور رب العرش مجھے اسرار غیبیہ اور نکات مخفیہ سے ہمیشہ آگاہ کرتا ہے اور نظام عالم کے سبھی احکام میرے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اپنا رتبہ مسیح اسرائیلی سے کم نہیں جانتے اور مسلمانان حال اور نیکوکاران زمانہ میں سے کسی کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے۔ اول انہوں نے باوجود قرضدار ہونے کے دعویٰ کیا کہ جو کوئی میری کتاب براہین کا جواب دے اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ مگر یقینی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آٹھ نو سال گزر جانے کے باوجود مرزا صاحب نے اب تک پوری کتاب تصنیف و طبع نہیں فرمائی۔ مگر ہاں

دام تزویر کے ذریعہ سے دس بارہ ہزار روپیہ مسلمانوں سے کما لیا۔ جس قدر براہین چھپی ہے اس کا جواب تکذیب براہین لکھا گیا اور اکتوبر ۱۸۸۸ء میں ان کو اس جواب کے سننے کے لئے گورداسپور بلایا گیا لیکن انھوں نے آنے سے انکار کیا۔ (ضمیمہ تکذیب براہین ص ۱۳۳) جب براہین احمدیہ کا جواب تکذیب براہین شائع ہوا تو مرزائی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ حکیم مولوی نورالدین آنجہانی اس وقت تک جموں میں تھے۔ مرزا صاحب نے ان سے درخواست کی کہ تکذیب کا جواب لکھیں۔ انہوں نے "تصدیق براہین" کے نام سے اس کی تردید لکھی۔ گو یہ کتاب تکذیب کے صرف پہلے سو صفحہ کا رد ہے اور باقی دو ثلث کتاب کے جواب سے اغماض و تساہل برتا ہے لیکن جس قدر لکھا ہے قابل تحسین ہے۔ پنڈت لیکھرام ایک نہایت فحش گو، بدلگام، منہ پھٹ اور اکھڑ آدمی تھا۔ اس شخص نے "تکذیب براہین" میں خدا کے برگزیدہ نبیوں حضور صلّی حضرت فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ کرامؓ اور اہل بیت اطہار کو وہ گالیاں دی ہیں اور قرآن پاک کی اس درجہ توہین کی ہے کہ جس سے انسانی شرف و مجد پناہ مانگتا ہے۔ اور یقین ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی پنڈت لیکھرام سے بڑھ کر کسی دریدہ دہن نے خدا کے مقبول بندوں کے خلاف دشنام دہی کی اتنی غلاظت نہ اچھالی ہوگی جس کا نمونہ لیکھرام نے پیش کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں حکیم نورالدین صاحب نے کتاب "تصدیق براہین" نہایت مہذب پیرایہ میں لکھی۔ ساری کتاب میں شاید ایک لفظ بھی ایسا نہ مل سکے گا جس پر کوئی حرف گیری کی جاسکے۔ یا اسے خلاف تہذیب کہہ سکیں۔ یا اس سے کسی کی دل آزاری متصور ہو۔ اور شاید "تصدیق براہین" کے شریفانہ طرز بیان ہی کا اثر تھا کہ پنڈت لیکھرام کے لب ولہجہ میں انجام کار وہ اوباش پن نہ رہا جس کا اس نے تکذیب براہین میں مظاہرہ کیا تھا۔ تکذیب براہین کا دوسرا رد مولوی ابو رحمت حسن میرٹھی نے لکھا اس کتاب کا نام "تہذیب المکذبین" ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ میں نے ۱۹۰۹ء میں جب پہلی مرتبہ جو یہ کتاب دیکھی تو وہ اس کا تیسرا ایڈیشن تھا۔ حکیم نورالدین صاحب نے تصدیق براہین میں پنڈت لیکھرام کے صرف الزاموں اور بہتانوں کو اٹھایا ہے لیکن مولوی ابو رحمت چونکہ سنسکرت دان اور ویدوں کے بڑے فاضل بھی تھے انہوں نے تحقیقی اور الزامی ہر قسم کے جواب دیئے ہیں۔ اور ویدک دھرم کی حقیقت خوب آشکارا کی ہے۔

فصل ۸ – ۲۳ سالہ وعدوں کے بعد پانچویں حصہ کی اشاعت

حسب بیان صاحبزادہ میاں بشیر احمد ان کے والد مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۷۸ء میں براہین کی طیاریوں میں مصروف ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں اس کا مسودہ شروع کیا۔ ۱۸۸۰ء میں پہلا اور دوسرا حصہ شائع کیا (جن میں سے پہلا حصہ ایک اشتہار کو قرار دے لیا) ۱۸۸۲ء میں تیسرا اور ۱۸۸۴ء میں چوتھا حصہ شائع کیا (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۵۱) اس رفتار کے بموجب براہین کا پانچواں حصہ ۱۸۸۶ء تک شائع ہو جانا چاہیئے تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چوتھا حصہ شائع کرنے اور مسلمانوں سے دس ہزار روپیہ سے زیادہ رقم وصول کر لینے کے بعد مرزا صاحب نے اپنے تئیں براہین کی طرف سے بالکل سبکدوش قرار دے لیا۔ لیکن جب ۱۸۸۷ء میں کتاب "شحنۂ حق" شائع کی تو اس میں حصہ پنجم کے جلد شائع کرنے کا وعدہ ان الفاظ میں درج تھا۔ "پنڈت لیکھرام نے ہماری کتاب "براہین احمدیہ" کے رد میں چند اوراق چھپوائے ہیں۔ اس کتاب کا نام "تکذیب براہین احمدیہ" رکھا ہے۔ ہمیں ہرگز امید نہیں کہ کوئی تمیز دار ہندو اس کتاب کو پڑھ کر یہ رائے ظاہر کر سکے

کہ اس کے مؤلف کو عقل اور فہم سے کچھ حصّہ ملا ہے یا تہذیب اور شرافت سے اس کی فطرت کو کچھ تعلق ہے۔ ہم عنقریب گند اور افتراء اس جہل مجسّم کا اپنی مبسوط کتاب "براہین احمدیہ" حصّہ پنجم میں ظاہر کریں گے (شحنۂ حق مؤلفہ مرزا غلام احمد ص ۹۹) لیکن مرزا صاحب نے اس وعدہ سے بھی وہی بے التفاتی کا سلوک کیا جو اپنے دوسرے وعدوں سے فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کا آفتابِ حیات لبِ بام آپہنچا اور کلنک کا ٹیکا دُور کرنے کے لئے جو تیئیس یا چوبیس سال سے لگا چلا آرہا تھا حصّۂ پنجم کو معرض تسوید میں لائے۔ اور شاید یہ مرزا صاحب کی سب سے آخری تالیف تھی جسے ان کی وفات کے چار ماہ بعد اکتوبر ۱۹۰۸ء میں شائع کیا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے براہین کے حصّہ پنجم میں بھی اُن زخموں کا کوئی مرہم پیش نہ کیا جو پنڈت لیکھرام نے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور قرآن پاک کی توہین کر کے مسلمانوں کے دلوں پر لگائے تھے بلکہ اس کی جگہ اپنے ہی خانہ ساز تقدس کا نغمہ چھیڑ دیا۔ پہلے باب کا عنوان یہ رکھا "معجزہ کی اصل اور ضرورت کے بیان میں" اس میں معجزہ کو مذہب کا امتیازی نشان قرار دیا لیکن آگے چل کر اس اصول کو اسلام کی صداقت کے لئے استعمال نہ کیا بلکہ اپنی سچائی کی بنیاد قرار دے کر دوسرے باب میں اپنے مسیح موعود ہونے کی عمارت کھڑی کر دی اور اس کی تائید میں پیشین گوئیوں کے انبار لگا دیئے۔

پچاس جلدوں کا وعدہ پانچ سے پورا ہو جانے کی مضحکہ خیز منطق

مرزا صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ براہین احمدیہ پچاس حصّوں (یا جلدوں) میں ضبطِ تحریر میں آئے گی۔ لیکن جب ۲۳ یا ۲۴ سال کے خواب نوشیں کے بعد اپنی زندگی کے آخری ایام میں پانچواں حصہ تالیف کیا تو اس میں لکھا "پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لئے پانچوں حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا (دیباچہ براہین حصہ پنجم ص ۷) اس شاعرانہ خیال آفرینی کے متعلق التماس ہے کہ اس قسم کی طفل تسلّیاں اور مہمل نگاریاں مرزا صاحب کے ماؤف الدماغ اور فریب خوردہ مرید تو قبول کر سکتے ہیں لیکن دنیا کا کوئی دوسرا صحیح العقل انسان ان سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اگر پچاس کا وعدہ پانچ سے پورا ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر کوئی شخص رمضان کے تین روزے رکھ کر باقی روزے ترک کرنے اور کہنے لگے کہ تیس اور تین کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لئے تیس روزوں کا فریضۂ خداوندی ادا ہو گیا تو اربابِ قادیاں اپنے مرزائی اصول کے بموجب اس کی تصدیق نہ کریں یا اگر مرزا صاحب کے ذمہ کسی کے پچاس روپے قرض تھے تو وہ پانچ روپے دیکر قرض خواہ کو اس قسم کی سیلگرانہ منطق سے کبھی مطمئن نہیں کر سکتے تھے کہ پچاس اور پانچ میں ایک ہی نقطہ کا فرق ہے اس لئے سارا قرضہ ادا ہو گیا۔ بہرحال مرزا غلام احمد صاحب مسلمانوں کا جو ہزار ہا روپیہ کھا گئے اس کے متعلق یوم الحساب کو ان سے یقیناً سخت باز پرس ہو گی۔ اور رب العلمین کی بارگاہ عالی میں پچاس کی جگہ پانچ حصوں سے وعدہ پورا کرنے کی جسارت کا جو انجام ہو سکتا ہے وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

باب ۲۰ - دعوائے مجدّدیت

حدیث بعثت مجدّدین

بعثت مجدّدین کے متعلق لاہوری مرزائی جس روایت کی بنا پر اپنے الحاد و خودسری کی

عبارت کھڑی کرتے ہیں یہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا رواہ ابوداؤد	حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ اس اُمّت کی بہتری کے لئے ہر صدی کے سر پر ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔

قادیاں کے الہامی صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو تمام اکابر اہل سنت مانتے چلے آئے ہیں (رسالہ اربعین مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب نمبر ۴ ص ۳۰) لیکن یاد رہے کہ یہ حدیث مرزائی اصول کے بموجب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس روایت کا سارا مدار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر ہے اور حضرت ابوہریرہ رضؓ مرزا کے نزدیک قابل اعتماد نہ تھے چنانچہ مرزا نے اُن کی شان میں بدین الفاظ دریدہ دہنی کی۔ " ابوہریرہ غبی تھا اور درایت اچھی نہیں رکھتا تھا (اعجاز احمدی ص ۱۸) اس سے قطع نظر قادیانی صاحب کے نزدیک جس حدیث کو امام بخاری روایت نہ کریں وہ ضعیف ہوتی ہے۔ چنانچہ ازالہ میں حضرت عیسٰی ابن مریم علیہ السلام کے دمشق میں نازل ہونے کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں "یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین امام محمد سمٰعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے" (ازالہ اوہام ص ۲۲۰) لیکن بعثت مجددین کی حدیث کو جو اوپر درج ہوئی نہ امام بخاری نے روایت کیا اور نہ مسلم نے بلکہ صحاح ستّہ میں سے ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی بخاری اور مسلم کی طرح اس کو چھوڑ دیا ہے۔ پس مرزائی اصول کے موجب یہ حدیث تو انتہا درجہ کی ضعیف ہے۔ جس سے استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور اگر اس حدیث کو صحیح قرار دیا جائے تو پھر یہ مسئلہ قابل توجہ ہے کہ ہر سو سال کے بعد ایک ہی مجدد آ سکتا ہے یا زیادہ؟ علامہ علی قاریؒ بعثت مجددین کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ مجدد سے ایک شخص نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کی جماعت مراد ہے جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام پر علوم شرعیہ میں سے کسی ایک کی یا متعدد علوم کی جو اس سے بن پڑے تقریراً یا تحریراً اشاعت کرے" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۲۴۸) مرزائی کہا کرتے ہیں کہ اس حدیث میں مَنْ (جو) کا جو لفظ آیا ہے وہ واحد ہے اور یجدد کا صیغہ بھی واحد ہے اس لئے ہر صدی پر ایک ہی مجدد آ سکتا ہے۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ مَنْ کا استعمال مفرد کی طرح جمع کے لئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں) اور ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے قنوت وتر میں پڑھنے کی جو دعا حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے ابتدائی کلمات میں بھی لفظ مَنْ جمع کے لئے مستعمل ہؤا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْ مَنْ تَوَلَّیْتَ (الٰہی مجھے ان لوگوں کے زمرہ میں شامل کر کے ہدایت دے جنہیں تو نے ہدایت دی اور اُن لوگوں میں رکھ کر عافیت دے جنہیں تو نے عافیت بخشی اور ان لوگوں میں میری کارسازی فرما جن کی تو نے کارسازی فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح باب الوتر)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجددین امت کی کوئی خاص امتیازی علامت بیان نہیں فرمائی جس سے وہ دوسروں سے ممیز ہو سکیں۔ بلکہ احیاء سنت اور دینی خدمات ہی کے لحاظ سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر

اسلامی سرزمین میں علمائے حق کی کوئی نہ کوئی جماعت ایسی موجود رہتی ہے جو بدعات و محدثات کو دین حنیف سے الگ کرکے اصلاح و تجدید کا فرض ادا کرتی ہے۔ گو یہ تمام علمائے حق مجدد ہوتے ہیں لیکن صدی کے اول آخر میں ان نفوس قدسیہ کا فیضانِ ہدایت زیادہ وسعت اختیار کرلیتا ہے تاکہ دزدانِ قافلۂ ایمانی نے گذشتہ صدی کے اندر دین حنیف میں جس قدر خرابیاں پیدا کردی ہوں ان کی اصلاح و تجدید ہو جائے۔

دعوائے مجددیت کے لئے کلانوری کی ترغیب

چونکہ مرزا صاحب نے براہین میں مخالفینِ ملت کے مقابلہ میں اسلام کی تائید کی تھی مسلمانوں نے انہیں خادمِ اسلام سمجھ کر حوصلہ سے زیادہ مالی مدد دی۔ ان دنوں الہام اور استجابتِ دعا کے دعووں کے صدقہ سے رجوعات بھی ہونے لگا تھا اس لئے یہ دیکھ کر کہ مالی فتوحات اور رجوعاتِ خلق کا باغ آرزو سرسبز ہو رہا ہے اور دیرینہ مقاصد کا تیر نشانہ پر لگ چکا ہے مرزا صاحب کے دل میں مقتدائے کل بننے کا سودا سمایا اور سوچنے لگے کہ شاہدِ کامرانی سے کیونکر ہم کنار ہو سکتے ہیں؟ لالہ ملاوامل قادیانی اور شرمپت رائے قادیانی جن سے مرزا صاحب کی بڑی دوستی تھی (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۲۰۵) بیان کرتے ہیں کہ حکیم محمد شریف کلانوری حال مقیم امرتسر نے جو مرزا صاحب کے یار غار تھے اور مرزا صاحب اپنے قدوم امرتسر کے ایام میں انہی کے پاس ٹھہرا کرتے تھے (مکتوبات احمدیہ جلد نمبر ۳ ص ۶۷) مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ مجددیت کا دعوے کردیں۔ کیونکہ اس زمانہ کے لئے بھی کسی مجدد کی ضرورت ہے (ضمیمہ تکذیب براہین ص ۳۳۵) چنانچہ مرزا جی نے مجددیت کا دعویٰ کرکے تجدید کی آڑ میں دین حنیف پر الحاد و زندقہ کا مزید بدبو دار روغن ملنا شروع کردیا۔ اب مرزا صاحب ہر طرف اپنی مجددیت کا ڈھنڈورا پیٹنے اور اسی انداز پر پروپیگنڈا کرنے لگے۔ جس طرح اس سے پیشتر اپنی کتاب براہین کا کرچکے تھے۔ بیرونی لوگوں کے جتنے پتے میسر آسکے انہیں خطوط بھجوائے دنیا کے مختلف حصوں میں رجسٹری چٹھیاں روانہ کیں۔ دول یورپ و امریکہ ایشیا و افریقہ کے تمام تاجداروں اور ان کے وزرا عمال حکومت مدبروں، مصنفوں، نوابوں، راجاؤں اور دنیا کے تمام مذہبی پیشواؤں کے پاس حسب ضرورت انگریزی یا اردو اشتہارات بھجوائے۔ اس غرض کے لئے سخت کد و کاوش سے دنیا کے ممتاز ترین لوگوں کے پتے حاصل کئے۔ اور حتی الامکان دنیا کا کوئی ایسا مشہور و معروف آدمی ایسا نہ تھا جو کسی قسم کی کوئی دینی یا دنیوی اہمیت رکھتا ہو اور اُسے اشتہار نہ بھیجا گیا ہو (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۴۹) لیکن حرمان نصیبی کا کمال دیکھو کہ کسی مکتوب الیہ نے مرزا جی کو قابل خطاب نہ سمجھا اور ایک متنفس بھی ان کی دعوت سے متاثر ہو کر حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہُوا۔

۲۰ ہزار دعوتی اشتہارات کی تقسیم

سچ اور جھوٹ میں فرق دیکھو کہ حضور سرورِ کون و مکان علیہ التحیہ والسلام نے کُلہم چھ یا سات فرماں رواؤں کے نام مکتوبات گرامی روانہ فرمائے تھے ایک (کسریٰ) کے سوا ظاہراً یا باطناً سب شرف ایمان و تسلیم سے مشرف ہوئے، اور انہوں نے حضور کی خدمتِ اقدس میں ہدایا روانہ کئے تھے۔ مرزا جی نے بیس ہزار دعوتی اشتہار بھیج کر لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا لیکن نہ تو کوئی غیر مسلم حلقۂ اسلام میں داخل ہوا اور نہ کوئی کم از کم مرزا صاحب کی مجددیت ہی پر ایمان لایا۔ مرزا جی نے اپنی تجدید کا جو اعلان بیس ہزار کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرایا یا ڈاک میں بھجوایا اس کا خلاصہ یہ تھا۔ "کتاب براہین احمدیہ جس کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید

دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب اللہ اور سچا مذہب فقط اسلام ہے اور دوسرے تمام مذہب ایسے بدیہی البطلان ہیں کہ عقلی تحقیقات سے ان کے اصول صحیح اور درست ثابت نہیں ہوتے بلکہ ان کی پابندی سے انسان نہایت درجہ کا کور باطن اور سیاہ دل ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے۔ اول تین سو مضبوط اور قوی دلائل عقلیہ سے جن کی شان وشوکت اور قدر ومنزلت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام ان دلائل کو توڑ دے تو اس کو دس ہزار روپیہ دینے کا اشتہار دے رکھا ہے۔ اور مصنف براہین کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح بن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں۔ یہ سب ثبوت کتاب براہین احمدیہ کے پڑھنے سے کہ جو منجملہ تین سو جزو کے قریب ۳۷ جزو کے چھپ چکی ہے ظاہر ہوتے ہیں (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۱۴-۱۲)

باب ۱۲- حکیم نورالدین کی ملاقات کے لئے جموں کا سفر

حکیم نورالدین جو مرزا غلام احمد صاحب کے انتقال کے بعد ان کے جانشین اوّل منتخب ہوئے تھے قصبہ بھیرہ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے۔ علوم عربیہ کی تحصیل ریاست رام پور میں کی تھی۔ وہاں سے فراغت پا کر لکھنؤ گئے اور حکیم علی حسن کے پاس طب کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ مکہ معظمہ میں مولانا رحمۃ اللہ صاحب کی خدمت میں اور مدینہ منورہ میں مولانا شاہ عبدالغنی صاحب نقشبندی مجددی رحمہ اللہ کے پاس رہے۔

مذہبی قلابازیاں اور نیچریت کا قادیانی سرٹیفکیٹ

لیکن ایسے ایسے اکابر کی صحبت اٹھانے کے باوجود طبیعت آزادی کی طرف مائل تھی اس لئے حنفیت پر قائم نہ رہے۔ پہلے اہل حدیث بنے۔ لیکن اس سے بھی جلد سیر ہو گئے۔ ان دنوں ہندوستان کی فضا نیچریت کے ہنگاموں سے گونج رہی تھی۔ چاہا کہ اس گلشن آزادی کی بھی ذرا سیر کر دیکھیں سرسید احمد خاں کی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ شروع کیا۔ یہ مسلک پسند آ گیا اور اسی کی صف میں جلوہ گری شروع کر دی ان دنوں مہاراجہ رنبیر سنگھ جو ایک علم دوست حکمران تھے ریاست متحدہ جموں وکشمیر کی گدی پر متمکن تھے۔ انہوں نے حکیم نورالدین کے طبی کمالات کا شہرہ سنا تو انہیں سو روپیہ ماہوار پر سلک اطباء میں منسلک کر لیا۔ ہفتہ وار اخبار "رفیق ہند" نے جو مولوی محرم علی چشتی کے زیر ادارت لاہور سے نکلتا تھا ۱۹ اپریل ۱۸۸۵ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ حکیم مولوی نورالدین سات آٹھ سال سے سرکار کشمیر کے درباریوں میں حکیم اوّل کے عہدہ پر ممتاز ہیں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب ۱۸۷۷ء کے قریب زمانہ میں وہاں ملازم ہوئے تھے۔ حکیم نورالدین سرسید احمد خاں کے بڑے راسخ الاعتقاد مرید تھے۔ ان کو روپیہ بھیجا کرتے اور ان کی تائید میں مضامین شائع کر کے قلمی معاونت کرتے تھے۔ جن دنوں مرزا غلام احمد صاحب سے حکیم نورالدین کی ملاقات ہوئی ہے ان ایام میں حکیم صاحب پکے نیچری تھے۔ چنانچہ صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب ابن مرزا غلام احمد صاحب "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں۔" خلیفہ اول مولوی نورالدین صاحب چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہونے سے پہلے سرسید خاں مرحوم کے خیالات اور ان کے طریق استدلال کی طرف

اسلامی اصول استنباط کے ماتحت نہیں بلکہ ملاحدۂ باطنیہ کے طرز پر آسمانی تعلیمات کو اپنی ضرورت کے بموجب موم کی ناک بنا لیتے تھے
مشکوٰۃ المصابیح میں ایک حدیث بدیں الفاظ مروی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل عیسی ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر۔ رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زمین کی طرف اُتریں گے پھر شادی کرینگے ان کے اولاد ہوگی زمین پر پینتالیس سال تک قیام فرما رہیں گے۔ اس کے بعد انتقال کرینگے اور میرے نزدیک میرے مقبرہ میں دفن کئے جائیں گے اور (قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اکٹھے ابوبکر اور عمر کے

(مشکوٰۃ المصابیح باب نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام)

مرزا غلام احمد نے اس حدیث کو اپنے اوپر چسپاں کرنے کی کوشش میں لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی میرے حق میں ہے کیونکہ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ (عیسیٰ بن مریم علیہ السلام شادی کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے) چنانچہ میں نے نصرت بیگم سے شادی کی اور اس کے بطن سے چار بیٹے "محمود احمد، بشیر احمد، شریف احمد، مبارک احمد اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں اس لئے میں ہی اس پیشین گوئی کا مصداق ہوں۔ مرزا صاحب کے اصل الہامی الفاظ جو اربعین نمبر ۲ میں ۲۹ ستمبر ۱۹۰۰ء کو سپرد قلم کئے ہیں۔ "اذکر نعمتی رأیت خدیجتی (میری نعمت یاد کر کہ تو نے میری خدیجہ کو دیکھا) یہ الہام براہین احمدیہ میں درج ہے اور یہ حصہ اس الہام کا ہے جس میں مجھے بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری شادی خاندان سادات میں ہوگی اور اس میں سے اولاد ہوگی تا پیش گوئی حدیث یتزوج ویولد له (عیسیٰ علیہ السلام شادی کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے) پوری ہو جائے۔ یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے کہ مسیح موعود کو خاندان سادات سے تعلق دامادی ہوگا۔ کیونکہ مسیح موعود کا تعلق جس سے وعدہ یُوْلَدُ لَہٗ (اس کے اولاد ہوگی) کے موافق صالح اور طیب اولاد پیدا ہو۔ اعلیٰ اور طیب خاندان سے چاہیئے اور وہ خاندان سادات ہے اور فقرہ خدیجتی (میری خدیجہ) سے مراد اولاد خدیجہ یعنی بنی فاطمہ ہے (اربعین نمبر ۲ مؤلفہ مرزا غلام احمد)

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی جس پیشین گوئی کو مرزا صاحب نے اپنے اوپر چسپاں کر لیا ہے اس میں مذکور ہے کہ (۱) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام (آسمان سے) زمین کی طرف نازل ہوں گے (۲) شادی کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے پھر (۳) نزول کے بعد پینتالیس سال تک زمین پر قیام فرما رہیں گے آخر (۴) مدینہ منورہ میں سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد منوّر کے پاس دفن کئے جائیں گے" لیکن قادیانی صاحب کی ملحدانہ جسارت ملاحظہ ہو کہ (۱) نہ وہ عیسیٰ بن مریم تھے۔ (۲) نہ آسمان سے نازل ہو کر زمین پر پینتالیس سال تک قیام کیا (۳) نہ مدینہ طیبہ میں رحلت کی۔ اور (۴) نہ مرقد نبوی میں دفن ہوئے۔ بایں ہمہ نہایت جسارت اور دیدہ دلیری سے اس بات کے مدعی تھے کہ پیشین گوئی ان کے حق میں پوری ہو چکی ہے کیونکہ انہوں نے بھی شادی کی ہے اور صاحب اولاد ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ مرزا صاحب اس سے قریباً چار سال پہلے یعنی کتاب "انجام آتھم" میں جو ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی محمدی بیگم سے اپنا عقد ہونے کو بھی اسی پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرا چکے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "وہ اس بات کو نہیں سوچتے کہ احمد بیگ اور اس کے داماد کی پیش گوئی کا ایک جزء نہایت صفائی سے

میعاد کے اندر پورا ہو چکا ہے اور دو ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ ٹوٹ چکی ہے۔ اس پیش گوئی کی تصدیق کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے سے ایک پیش گوئی فرمائی ہے کہ یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ یعنی وہ مسیح موعود بیوی کرے گا اور نیز صاحب اولاد ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوّج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد بھی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خوبی نہیں بلکہ تزوّج سے مراد وہ خاص تزوّج ہے جو بطور نشان ہوگا اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود ہے۔ گویا اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سیاہ دل منکروں کو ان کے شبہات کا جواب دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یہ باتیں ضرور پوری ہوں گی۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۲-۵۳) (یعنی مرزا صاحب محمدی بیگم سے ضرور شادی کریں گے اور اس سے ضرور اولاد ہوگی)

سسرال سے سابقہ تعارف

میر ناصر نواب دہلوی پنجاب کے محکمہ نہر میں نقشہ نویس یا سب اوورسیر تھے۔ غالباً ۱۸۷۶ء کا واقعہ ہے جب کہ میر صاحب اُس نہر کی کسی خدمت پر مامور تھے جو قادیاں سے مغرب کی جانب دو ڈھائی میل کے فاصلے سے گزرتی ہے اور موضع تتلہ میں جو قادیاں سے چند میل کی مسافت پر ہے اقامت گزیں تھے۔ ان دنوں اتفاق سے مرزا صاحب کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر سے میر صاحب کا تعارف ہو گیا۔ اور انہی دنوں ان کی اہلیہ کی طبیعت علیل ہو گئی۔ مرزا غلام قادر نے میر صاحب سے کہا کہ میرے والد (مرزا غلام مرتضیٰ) بڑے حاذق طبیب ہیں آپ اُن سے علاج کرائیں۔ میر صاحب اپنی بیوی کو ڈولی میں بٹھا کر قادیاں لے آئے۔ حکیم غلام مرتضیٰ نے نبض دیکھ کر نسخہ لکھ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا غلام قادر نے میر صاحب سے کہا کہ آپ لوگ تتلہ میں رہتے ہیں یہ گاؤں بڑے بڑے بدمعاشوں کا مسکن ہے بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ قادیاں چلے آئیں اور ہمارے مکان پر فروکش ہوں میں آج کل گورداسپور رہتا ہوں اور غلام احمد بھی گھر میں بہت کم آتا جاتا ہے اس لئے آپ کو پردہ وغیرہ کی تکلیف نہ ہوگی۔ چنانچہ میر صاحب اہل و عیال کو لے کر تتلہ سے قادیاں چلے آئے۔ اس وقت حکیم غلام مرتضیٰ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان ایام میں جس روز بھی مرزا غلام قادر گورداسپور سے قادیاں آتے میر صاحب کے لئے پان لایا کرتے تھے۔ اور میر صاحب کی بیوی مرزا غلام قادر کے لئے کوئی اچھا سا کھانا طیار کر کے اکثر بھجوا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے لئے شامی کباب طیار کئے۔ جب بھیجنے لگیں تو معلوم ہوا کہ وہ گورداسپور چلے گئے ہیں۔ اس لئے میر صاحب کی بیوی نے نائن سے کہا کہ یہ کباب ان کے چھوٹے بھائی (مرزا غلام احمد) کو دے آؤ۔ مرزا غلام احمد کباب کھا کر ان کے ممنون ہوئے۔ اس کے بعد میر صاحب کی بیوی دوسرے تیسرے دن مرزا غلام احمد کے پاس بھی کھانے کی کوئی چیز بھجوا دیا کرتی تھیں لیکن جب اس کی اطلاع ان کی بھاوج یعنی مرزا غلام قادر کی بیوی کو ہوئی تو انہوں نے بہت بُرا منایا کیونکہ وہ اپنے دیور کی سخت مخالف تھیں (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۰۹-۱۱۰) میر صاحب کو قادیاں آئے چھ سات مہینے ہوئے تھے کہ ان کی تبدیلی کسی دوسری جگہ ہوگئی۔ میر صاحب مرزا غلام قادر سے بات کر کے اپنے اہل و عیال کو یہیں قادیاں میں چھوڑ گئے اور پھر ایک مہینہ کے بعد آکر لے گئے۔ یہ ۱۸۷۶ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت میر صاحب کی صاحبزادی نصرت جہاں بیگم کی عمر نو دس سال کی ہوگی (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۴۳-۴۴)

شادی کا پیغام اور اسکی منظوری

ان ایام میں ترک تقلید کا مسلک ہندوستان میں نیا نیا رائج ہوا تھا۔ غیر مقلدوں

اور غیر مقلّدوں کے تعلّقات میں بہت کچھ کشیدگی پائی جاتی تھی اس لئے حضرات اہل حدیث حنفیوں سے رشتہ ناطہ نہیں کرتے تھے اور کفو ہو یا غیر کفو لازماً اپنی لڑکی اہل حدیث ہی کو دیتے تھے۔ جب مرزا صاحب کے دل میں نئی شادی کا شوق سمایا تو اپنے یار غار مولوی محمد حسین بٹالوی سے اس کا ذکر کیا۔ مولوی محمد حسین صاحب کے پاس تمام اہل حدیث لڑکیوں کی فہرست رہتی تھی۔ مولوی محمد حسین نے مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ میر ناصر نواب سے تمہاری پرانی ملاقات ہے۔ ان کی لڑکی جوان ہے اس کے لئے سلسلہ جنبانی کرو۔ مرزا صاحب نے میر صاحب کو چٹھی لکھی کہ گو پہلے بھی میرے گھر میں بیوی موجود ہے اور اولاد بھی ہے مگر آج کل میں عملاً مجرد ہی ہوں (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۱۰) اس لئے میری خواہش ہے کہ ایک اور شادی کر لوں"۔ عملاً مجرد ہونے کا یہ مطلب تھا کہ گو بیوی میرے عقد میں ہے لیکن اس سے ازدواجی تعلقات منقطع کر رکھے ہیں اور اسے معلقہ چھوڑ رکھا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر مجدد صاحب ہی تو تھے۔ اگر بیوی کے شرعی حقوق ادا کرتے تو پنجی پنجی صاحب مجددیت کی مسند سے اُٹھا دیتے۔ ان دنوں میر صاحب دہلی میں رخصت پر تھے۔ شروع شروع میں بیوی سے مرزا غلام احمد کے پیغام کا ذکر نہ کیا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ اس کو برا منائیں گی۔ اس اثناء میں اور بھی کئی جگہ سے نصرت بیگم صاحبہ کے لئے پیغام آئے لیکن ان کی بیوی صاحبہ کسی جگہ مطمئن نہ ہوئیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ میر صاحب کے بہت دیرینہ تعلقات تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کی سفارش میں متعدد خطوط بھیجے لیکن ان کی اہلیہ صاحبہ نے مرزا صاحب کو لڑکی دینا گوارا نہ کیا کیونکہ ایک تو عمر کا بہت فرق تھا۔ دوسرے ان دنوں دہلی میں غیر ملکیوں کے خلاف بہت تعصّب ہوتا تھا۔ آخر ایک دن میر صاحب نے اپنی بیوی صاحبہ سے التماس کی کہ ایک لدھیانوی صاحب نے بڑے اصرار سے درخواست کی ہے اور وہ آدمی بھی بہت اچھا ہے اس لئے اس کو رشتہ دے دو۔ لیکن بیوی صاحبہ نے انکار کر دیا۔ اس پر میر صاحب کسی قدر ناراضی کے لہجہ میں کہنے لگے کہ لڑکی اٹھارہ سال کی ہو گئی ہے کیا اُسے عمر بھر یوں ہی بٹھا چھوڑو گی؟ بیوی صاحبہ نے کہا کہ ان لوگوں سے تو پھر غلام احمد ہی ہزار درجہ اچھا ہے۔ میر صاحب نے کہا کہ غلام احمد کا بھی خط آیا ہوا ہے۔ بیوی صاحبہ نے کہا اچھا غلام احمد ہی کو لکھ دو۔ چنانچہ میر صاحب نے اسی وقت قلم دوات لے کر مرزا صاحب کو منظوری پیغام کی اطلاع دے دی۔ اس کے آٹھ دن بعد مرزا صاحب برات لے کر دہلی پہنچ گئے (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۱۰ - ۱۱۱)

مجدّد صاحب کی برات پنڈت لیکھرام کا بیان ہے کہ جب مرزا صاحب کی شادی دہلی میں ہونے والی تھی تو انہوں نے مشہور کر دیا کہ نواب ناصر کے گھر میں میری برات جائے گی۔ قادیاں کے چند ہندو برات میں گئے مسلمان کوئی نہیں تھا۔ باراتی وہاں پہنچ کر حیرت زدہ ہوئے کہ نہ کوئی ریاست ہے نہ ملک نہ فوج نہ جاہ و حشمت نواب ناصر تنہا ہیں۔ بیت سے جاہل مرید اس کو کرامات سمجھتے تھے کہ نواب کے ہاں شادی ہو گی۔ لیکن جب انجام کار نواب ناصر صرف میاں ناصر نکلے تو تمام قلعی کھل گئی (تکذیب براہین ص ۲۰۳) لیکن پنڈت لیکھرام کا یہ بیان کہ تمام باراتی ہندو تھے۔ مسلمان کوئی نہیں تھا" قرین قیاس نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قادیاں میں مرزا صاحب کے دو ہی دوست تھے لالہ ملاوا مل اور لالہ شرمپت رلئے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مرزا صاحب ایسے وقت میں جبکہ علمائے ملّت نے ہنوز مرزا صاحب کے کفر و ارتداد کا فتویٰ صادر نہیں کیا تھا اور مرزا صاحب بھی اب تک اپنے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں قرار دیتے تھے کسی مسلمان کو ساتھ نہ لے گئے ہوں۔ پس

میرے نزدیک میاں بشیر احمد ایم اے کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے ساتھ ایک دو نوکر تھے اور بعض ہندو اور مسلمان ساتھی تھے" (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۱۱) اور پنڈت لیکھرام اور مرزا بشیر احمد کے بیانات میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ براتی سب کے سب ہندو ہوں گے اور نوکر مسلمان ہونگے۔

دُلہن کا اضطراب اور برادری کے طعنے

مرزا بشیر احمد نے اپنی نانی صاحبہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ جب ہماری برادری کے لوگوں کو معلوم ہُوا تو وہ سخت ناراض ہوئے کہ ایک بوڑھے شخص کو اور پھر غیر ملکی کو رشتہ دے دیا ہے۔ اور ان میں سے کئی لوگ بوجہ ناراضی نکاح میں بھی شامل نہ ہوئے مگر ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا اس لئے نکاح پڑھا کر رخصتانہ کر دیا۔ برادری والوں نے بہت طعن و تشنیع کی اور کہا اچھا نکاح ہُوا ہے کہ کوئی زیور کپڑا ساتھ نہیں آیا۔ جس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا کہ رشتہ داروں کے ساتھ مرزا صاحب کے زیادہ تعلقات نہیں ہیں اور گھر کی عورتیں ان کی مخالف ہیں اور پھر وہ جلدی میں آئے ہیں۔ اس حالت میں وہ زیور اور کپڑے کہاں سے بنوا لاتے۔ الغرض برادری کی طرف سے اس قسم کے طعن و تشنیع بہت ہوئے

مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے والدین کی شادی کے تذکرہ میں اپنی نانی کی روایت سے یہ بھی لکھا ہے کہ جب تمہاری اماں قادیان آئیں تو یہاں سے ان کے خط گئے کہ میں سخت گھبرائی ہوئی ہوں اور شاید میں اس غم اور گھبراہٹ سے مر جاؤں گی"۔ چنانچہ ان خطوں کی وجہ سے ہمارے خاندان کے لوگوں کو اور بھی اعتراض کا موقع مل گیا اور بعض نے کہا کہ اگر آدمی نیک تھا تو اس کی نیکی کی وجہ سے لڑکی کی عمر کیوں خراب کی ؟ اس پر ہم لوگ بھی کچھ گھبرا گئے اور رخصتانہ کے ایک مہینہ بعد میر صاحب قادیان آ کر تمہاری اماں کو لے گئے۔ جب وہ بیٹی کو لے کر دہلی پہنچے تو میں نے اس عورت سے پوچھا جس کو میں نے دلّی سے ساتھ بھیجا تھا کہ لڑکی کیسی رہی ؟ اس عورت نے تمہارے ابّا (مرزا غلام احمد صاحب) کی بہت تعریف کی اور کہا کہ لڑکی یوں ہی شروع شروع میں اجنبیت کی وجہ سے گھبرا گئی ہوگی ورنہ مرزا صاحب نے تو ان کو بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ اور وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اور تمہاری اماں نے بھی کہا کہ مجھے انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ رکھا مگر میں یوں ہی گھبرا گئی تھی" (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۱۱-۱۲)

لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ میاں بشیر احمد صاحب کی والدہ محترمہ نے اپنی گھبراہٹ کی اصل وجہ بیان کرنے میں بہت کچھ پردہ پوشی سے کام لیا تھا اور یہی شریف زادیوں کا شیوہ ہے۔

پچاس مردوں کی طاقت عطا کئے جانے کا معجزہ

حضرت مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ایک ابتلاء اس شادی کے وقت مجھ کو یہ پیش آیا کہ باعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیابیطس اور درد سر مع دوران سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں جن کے ساتھ بعض اوقات تشنج قلب بھی تھا اس لئے میری مردمی کالعدم تھی۔ اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی۔ اس لئے میری اس شادی پر میرے بعض دوستوں نے افسوس کیا اور ایک خط مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر رسالہ "اشاعۃ السنہ" نے ہمدردی کی راہ سے میرے پاس بھیجا کہ آپ نے شادی تو کی ہے لیکن مجھے حکیم محمد شریف کلانوری کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ بباعث سخت کمزوری کے اس لائق نہ تھے۔ اگر یہ امر آپ کی روحانی قوت سے تعلق رکھتا ہے تو میں اعتراض نہیں کر سکتا ورنہ ایک بڑے فکر کی بات ہے۔ ایسا نہ ہو کوئی ابتلاء پیش آ جائے"۔ غرض اس ابتلاء کے وقت میں نے جناب الٰہی میں دعا کی اور مجھے اس نے دفع مرض کے لئے اپنے

الہام کے ذریعہ سے دوائیں تبلائیں اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک فرشتہ وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے چنانچہ وہ دوا میں نے تیار کی اور وہ پُر صحت طاقت جو ایک پورے تندرست انسان کو مل سکتی ہے وہ مجھے دی گئی۔ اگر دنیا اس بات کو مبالغہ نہ سمجھتی تو میں اس جگہ اس۔ اتمہ حقہ کو جو اعجازی رنگ میں ہمیشہ کے لئے مجھے عطا کیا گیا بتفصیل بیان کرتا تا معلوم ہوتا کہ ہمارے قادر قیوم کے نشان ہر رنگ میں ظہور میں آتے ہیں اور ہر رنگ میں اپنے خاص لوگوں کو وہ خصوصیت عطا کرتا ہے جس میں دنیا کے لوگ شریک نہیں ہو سکتے۔ میں اس زمانہ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک بچہ کی طرح تھا اور پھر اپنے تئیں خدا داد طاقت میں پچاس مردوں کے قائم مقام دیکھا" (تریاق القلوب مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب تقطیع کلاں ص ۳۵-۳۶) واقعی یہ ایک عجیب نسخہ ہو گا۔ اور عجب نہیں کہ خلیفۃ المسیح حضرت مرزا محمود احمد صاحب اس نسخہ سے نہ صرف خود مستفیض ہو رہے ہوں گے بلکہ مسیح موعود صاحب کے خاص خاص صحابیوں کو بھی اس عجیب الفعل تریاق سے بہرہ مند فرماتے ہوں گے۔ میری تو یہ مجال نہیں کہ حضرت مسیح موعود صاحب کے بیان کی صداقت میں شک لاؤں لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اگر حضرت مسیح موعود صاحب کے مشکوئے معلّی میں چالیس پچاس حرمیں ہوتیں تو پچاس مردوں کی طاقت قرین قیاس تھی لیکن ایک بیوی اور پچاس مردوں کی طاقت ایک بعید از فہم اور بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔

قوت باہ کی الہامی معجون اور حکیم نورالدین

لیکن تعجب ہے کہ جس الہامی معجون نے حضرت مسیح موعود صاحب کو پچاس مردوں کی طاقت بخشی تھی اس نے حکیم نورالدین صاحب کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کے مندرجہ ذیل مکتوبات میں جو مولوی حکیم نورالدین صاحب کے نام بھیجے گئے اس کی صراحت موجود ہے۔ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلّمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دوا جس میں مروارید داخل ہیں جو کسی قدر آپ لے گئے تھے۔ اس کے استعمال سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا۔ قوت باہ کو ایک عجیب فائدہ یہ دوا پہنچاتی ہے اور مقوی معدہ ہے اور کاہلی اور سستی کو دور کرتی ہے اور کئی عوارض کو نافع ہے۔ آپ ضرور اس کو استعمال کر کے مجھ کو اطلاع دیں۔ مجھ کو تو یہ بہت ہی موافق آگئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک (خاکسار غلام احمد) ایک اور خط کا ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلّمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ دوا معلومہ سے آں مخدوم کو کچھ فائدہ محسوس نہ ہوا۔ شاید یہ وہی قول درست ہو کہ ادویہ کو ابدان سے مناسبت ہے بعض ادویہ بعض ابدان کے مناسب حال ہوتی ہیں اور بعض دیگر کے نہیں۔ مجھے یہ دوا بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوئی ہے کہ چند امراض کاہلی و سستی و رطوبات معدہ اس سے دور ہو گئے ہیں۔ ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھی کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوذ (ایستادگی) بکلی جاتا رہتا تھا۔ شاید قلت حرارت غریزی اس کا موجب تھی۔ وہ عارضہ بالکل جاتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوا حرارت غریزی کو بھی مفید ہے اور منی کو بھی غلیظ کرتی ہے۔ غرض میں نے تو اس میں آثار نمایاں پائے ہیں۔ اگر دوا موجود ہو اور آپ دودھ اور ملائی کے ساتھ کچھ زیادہ مقدار میں استعمال کریں تو میں خواہشمند ہوں کہ آپ کے بدن میں ان فوائد کی بشارت سنوں۔ چونکہ دوا ختم ہو چکی ہے اور میں نے زیادہ زیادہ کھائی ہے اس لئے ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوبارہ تیار کی جائے (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ ص ۱۳-۱۴)

زن مریدی کے متعلق مرزا جی کے قول اور فعل میں تخالف

مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر اعتدال نہ ہو سکے اور محبت ایک (بیوی کی) طرف زیادہ ہو جائے یا آمدنی کم ہو یا قوائے رجولیت ہی کمزور ہوں تو پھر ایک سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے ہمارے نزدیک بہتر یہی ہے کہ انسان اپنے تئیں ابتلا میں نہ ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) حلال پر بھی ایسا زور نہ مارو کہ نفس پرست ہی بن جاؤ۔ گو حلال کو حلال سمجھ کر بیویوں ہی کا بندہ ہو جاوے تو بھی غلطی کرتا ہے۔ خدا کا یہ منشا نہیں کہ بالکل زن مرید ہو کر نفس پرست ہی ہو جاؤ (ملفوظات احمدیہ یا تقاریر حضرت مسیح موعود ص ۳۔۴) یہ تو حضرت "مسیح موعود" کا قول تھا۔ اب ان کا فعل ملاحظہ ہو مرزا صاحب نے اپنی پہلی بیوی حُرمت بی بی کو بالکل معلقہ کر رکھا تھا اور وہ بیچاری سالہا سال سے اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھیں اور اخراجات ان کے بیٹے مرزا سلطان احمد جو ان دنوں تحصیل دار تھے بھیجا کرتے تھے اور پہلی بیوی کے مقابلہ میں اپنی نئی نویلی دلہن کو جسے دہلی سے بیاہ کر لائے تھے بہت چاہتے تھے چنانچہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا غلام احمد صاحب کتاب "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں: "مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے اپنی کتاب "سیرۃ مسیح موعود" میں لکھا ہے کہ اندرون خانہ کی خدمت گار عورتوں کو میں نے بارہا خود تعجب سے کہتے سنا ہے کہ مرجا بیوی دی گل بڑی مَندا اے (مرزا بیوی کی بات بہت مانتا ہے) (سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ ۲۵۹) اسی طرح میاں بشیر احمد صاحب نے اپنے والد محترم کی زن مریدی کا ایک اور دلچسپ واقعہ زیب رقم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ مفتی محمد صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں مَیں کسی وجہ سے اپنی بیوی پر کچھ خفا ہوا جس پر میری بیوی نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی بڑی بیوی کے پاس جا کر میری ناراضگی کا ذکر کیا اور حضرت مولوی صاحب کی بیوی نے مولوی صاحب سے ذکر کر دیا۔ اس کے بعد میں جب مولوی عبدالکریم صاحب سے ملا۔ تو انہوں نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں ملکہ کا راج ہے۔ بس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا مگر میں ان کا مطلب سمجھ گیا خاکسار (میاں بشیر احمد) عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی عبدالکریم کے یہ الفاظ عجیب معنی خیز ہیں کیونکہ ایک طرف تو اُن دنوں میں برطانیہ کے تخت پر (موجودہ شاہ ایڈورڈ کی پردادی) ملکہ وکٹوریہ متمکن تھیں۔ اور دوسری طرف حضرت مولوی عبدالکریم کا اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام اپنے خانگی معاملات میں حضرت ام المومنین (نصرت بیگم) کی بات بہت مانتے ہیں اور گویا گھر میں حضرت ام المومنین ہی کی حکومت ہے اور اس اشارہ سے مولوی صاحب کا مقصد یہ تھا کہ مفتی صاحب کو اپنی بیوی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیئے۔" (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳)

باب ۲۳ غیر مسلموں اور مقتدایان مذاہب کو معجزہ دیکھنے کی دعوت

مرزا صاحب نے براہین میں بڑی تعلیاں اور لن ترانیاں ہانکی تھیں اور بیسیوں اناپ شناپ الہام لکھ مارے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ ان خود ستائیوں اور من گھڑت الہاموں کی اشاعت کے بعد اطراف و اکناف ملک میں ان کے تقدس و مشیخت کا نقارہ بجنے لگے گا۔ اور ان کی عظمت و قیادت کا سکہ عرب و عجم میں رواں ہو گا لیکن مرزا صاحب کو

یہ مثل صادق آئی کہ پکائی تھی کھیر ہو گیا دلیا۔ علمائے ملت اتباع و اقتداء کے بجائے کفر کے فتوے دے دوڑے چونکہ دل میں ہر وقت جاہ و نمود کی لگن لگی تھی۔ اب مرزا صاحب نے اپنی بڑائی کا لوہا منوانے کے لئے اعجاز نمائی کے سبز باغ دکھا کر کوس اَنَا وَلَا غَیرِی بجانا چاہا۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ۱۸۸۵ء کے اوائل میں مندرجہ ذیل اشتہار شائع کیا جس کی آٹھ ہزار انگریزی اور شاید ہزارہا اردو کاپیاں طبع کرا کر تقسیم کرائیں۔

وعدۂ اعجاز نمائی کے اشتہارات کا ملخص

رئیس قادیاں نے ایک سال تک قادیاں میں رہکر معجزہ دیکھنے کا جو دعوت نامہ شائع کیا اس کا خلاصہ یہ ہے "عاجز مؤلف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری (مسیح) کی طرز پر کمال مسکینی فروتنی و غربت و تذلل و تواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کرے۔ اسی غرض سے کتاب "براہین احمدیہ" تالیف پائی ہے جس کی ۳۷ جز چھپ کر شائع ہو چکی ہیں لیکن چونکہ پوری کتاب کا شائع ہونا ایک طویل مدت پر موقوف ہے اس لئے یہ قرار پایا ہے کہ بالفعل بغرض اتمام حجت یہ خط جس کی دو سو چالیس کاپیاں چھپوائی گئی ہیں مع انگریزی اشتہار کے جس کی آٹھ ہزار کاپیاں چھپوائی گئی ہیں شائع کیا جائے اور اس کی ایک ایک کاپی بخدمت معزز پادری صاحبان پنجاب و ہندوستان و انگلستان وغیرہ بلاد میں جو اپنی قوم میں خاص طور پر مشہور اور معزز ہوں اور بخدمت برہمو صاحبان و آریہ صاحبان و نیچری صاحبان اور وہ حضرات جو وجود خوارق و کرامات سے منکر ہوں ارسال کی جائے یہ تجویز نہ اپنے فکر و اجتہاد سے قرار پائی ہے بلکہ مولیٰ کریم کی طرف سے اس کی اجازت ہوئی ہے اور بطور پیش گوئی یہ بشارت ملی ہے۔ اس لئے یہ خط چھپوا کر آپ کی خدمت میں اس نظر سے کہ آپ اپنی قوم میں معزز اور مشہور اور مقتداء ہیں ارسال کیا جاتا ہے۔ اصل مدعا خط جس کے ابلاغ کے لئے میں مامور ہوا ہوں یہ ہے کہ دین حق صرف اسلام ہے اور کتاب حقانی جو منجانب اللہ محفوظ اور واجب العمل ہے صرف قرآن ہے اسلام کی حقانیت اور قرآن کی سچائی پر عقلی دلائل کے سوا آسمانی نشانوں (خوارق و پیش گوئیوں) کی شہادت بھی پائی جاتی ہے جس کو طالب صادق اس خاکسار مؤلف براہین احمدیہ کی صحبت اور صبر اختیار کرنے سے بمعائنہ چشم تصدیق کر سکتا ہے آپ کو اس دین کی حقانیت یا اُن آسمانی نشانوں کی صداقت میں شک ہو تو آپ طالب صادق بن کر قادیاں میں تشریف لائیں اور ایک سال تک اس عاجز کی صحبت میں رہ کر اُن آسمانی نشانوں کا بچشم خود مشاہدہ کر لیں لیکن اس شرط نیت سے جو طالب صادق کی نشانی ہے کہ بمجرد معائنہ آسمانی نشانوں کے اسی جگہ قادیاں میں شرف اظہار اسلام یا تصدیق خوارق سے مشرف ہو جائیں گے اس شرط نیت سے آپ آویں گے تو ضرور آسمانی نشان مشاہدہ کریں گے اس امر کا خدا کی طرف سے وعدہ ہو چکا ہے جس میں تخلف کا امکان نہیں۔ اب آپ تشریف نہ لائیں۔ تو آپ پر خدا کا مواخذہ رہا۔ اور بعد انتظار تین ماہ کے آپ کی عدم توجہی کا حال درج حصہ پنجم کتاب براہین ہوگا۔ اور اگر آپ آویں اور ایک سال رہکر کوئی آسمانی نشان مشاہدہ نہ کریں تو دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے آپ کو ہرجانہ یا جرمانہ دیا جائیگا۔ اس دو سو روپیہ ماہوار کو آپ اپنے شایان شان نہ سمجھیں تو اپنے حرج اوقات کا عوض یا ہماری وعدہ خلافی کا جرمانہ جو آپ اپنی شان کے لائق قرار دیں گے ہم اس کو بشرط استطاعت قبول کریں گے طالبان حرجانہ یا جرمانہ کے لئے ضروری ہے کہ تشریف آوری سے پہلے بذریعہ رجسٹری ہم سے اجازت طلب کریں۔

آپ اپنے شرط اظہار اسلام یا تصدیق خوارق ایک سادہ کاغذ پر جس پر چند ثقات مختلف ادیان و مذاہب کی شہادتیں ہوں۔
تحریر کردیں جس کو متعدد اردو و انگریزی اخباروں میں شائع کیا جائے گا ہم سے اپنی شرط دوسو روپیہ ماہوار جرمانہ یا ہرجانہ یا جو
آپ پسند کریں اور ہم اس کی ادائیگی کی طاقت بھی رکھیں۔ عدالت میں رجسٹری کرالیں اور اس کے ساتھ ایک حصہ جائیداد بھی بقدر
شرط رجسٹری کرالیں (تبلیغ رسالت یعنی مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد صاحب جلد اول ص ۱۱)

انگریز پادریوں کے قیام کیلئے گول کمرہ کی تعمیر

مرزا صاحب نے انگریز پادریوں کو اعجاز نمائی کے وعدوں کے اشتہارات سب سے زیادہ تعداد میں بھیجے تھے اور انہیں امید تھی کہ کثیر التعداد پادری قادیان میں ان کے چرنوں میں
آگریں گے اس خیال کے پیش نظر از راہ دور اندیشی اشتہارات کی روانگی کے ساتھ ہی ان موہوم مہمانوں کے قیام کے لئے اپنے
مکان سے ملحق بڑی عجلت سے ایک گول کمرہ تعمیر کرایا لیکن ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ کسی انگریز مہمان کو اس گول
کمرے میں فروکش ہونے کی سعادت نصیب نہ ہوئی (عصائے موسیٰ ص ۴۴) قادیاں کے قیام اور یک سالہ انتظار پر وہ مثل
صادق آتی ہے کہ نہ نو من تیل ہوگا اور نہ رادھا ناچے گی۔ بھلا کون ایسا احمق تھا جو اپنے کاروبار اور خدمات مفوضہ سلسلہ
ملازمت یا کسی دوسری سبیل معاش کو چھوڑ کر محض مرزا صاحب کا اعجازی کمال دیکھنے کے لئے قادیاں پہنچتا اور رئیس قادیان کا
حاشیہ نشین بن کر ایک سال تک اس انتظار میں قادیاں میں بیٹھا رہتا کہ کب مجدد صاحب نشان دکھاتے ہیں اور وہ قبول مرزائیت
کے بعد وطن کو لوٹتا ہے۔ رئیس صاحب نے از راہ دور اندیشی وعدۂ خوارق نمائی کے ساتھ یہ پخ بھی لگا رکھی تھی کہ اعجاز خواہ آدمی
طالب صادق بن کر آئے اور اگر بالفرض اس مدت کے اندر کبھی مرزا صاحب کی صداقت میں شک پیدا ہو گیا تو اعجاز بینی
ناممکن ہو جائیگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب سچے تھے تو انہیں ایک سال سے کم مدت میں اعجاز نمائی کی کیوں قدرت
نہیں دی گئی تھی؟ جب سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کو دو ٹکڑے کر دکھانے کا مطالبہ ہوا تو کیا آنحضرت نے بھی
اعدائے دین کے سامنے اس قسم کی لایعنی شرطیں پیش کی تھیں کہ طالب صادق بن کر ایک سال تک انتظار کرو؟ کیا چاند انگلی کے
اشارے سے فی الفور دو ٹکڑے نہ ہوا تھا؟ کیا دوسرے معجزات کے ظہور میں کبھی کوئی وقفہ ہوا تھا؟ ہرگز نہیں۔

حضور سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات باہرہ

یہاں حضور سید کون ومکان علیہ التحیۃ والسلام کے چند معجزات لکھے جاتے ہیں۔ جن کو خود مرزا صاحب نے کتاب آئینہ کمالات میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔
"معجزہ شق القمر الٰہی طاقت سے ظہور میں آیا تھا۔ کوئی دعا اس کے ساتھ شامل نہ تھی۔ کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے
جو الٰہی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع میں آگیا تھا کئی دفعہ تھوڑے سے پانی کو جو صرف ایک پیالہ میں تھا اپنی انگلیوں کو اس
پانی کے اندر داخل کرنے سے اس قدر زیادہ کر دیا کہ تمام لشکر اور اونٹوں اور گھوڑوں نے وہ پانی پیا اور پھر بھی وہ پانی ویسا ہی
اپنی مقدار پر موجود تھا۔ اور کئی دفعہ دو چار روٹیوں پر ہاتھ رکھنے سے ہزار ہا بھوکوں پیاسوں کا ان سے شکم سیر کر دیا۔ اور بعض
اوقات تھوڑے سے دودھ کو اپنے لبوں سے برکت دے کر ایک جماعت کا پیٹ اس سے بھر دیا۔ اور بعض اوقات شور
آب کنوئیں میں اپنے منہ کا لعاب ڈال کر اس کو نہایت شیریں کر دیا۔ اور بعض اوقات سخت مجروحوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر اچھا
کر دیا۔ اور بعض آنکھوں کو جن کے ڈیلے لڑائی کے کسی صدمہ سے باہر جا پڑے تھے اپنے ہاتھ کی برکت سے پھر درست

کردیا (آئینہ کمالات مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲۶۶، ۲۶۷) اب سوال یہ ہے کہ یہ تمام معجزات باہرہ فوراً ظاہر ہوئے تھے۔ یا سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے سال بھر کی مہلت مقرر فرمائی تھی؟

باب ۴۲۔ قادیاں کے یکسالہ قیام پر پنڈت لیکھرام کی آمادگی

پنڈت لیکھرام اوائل میں پشاور کے محکمہ پولیس میں ملازم تھے جب پنڈت دیانند جی سرستی سے عقیدت ہوئی تو پولیس کی نوکری چھوڑ کر آریہ پرچارک بنے۔ پہلے آریہ سماج پشاور میں اور پھر آریہ سماج وچھووالی لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی یہاں مرزا غلام احمد صاحب کا ایک اشتہار نظر سے گزرا جو باب سابق میں درج کیا جاچکا ہے۔ یہ اشتہار پڑھ کر انہوں نے ارادہ کیا کہ مرزائی ڈھول کا پول ضرور کھولنا چاہیئے اس خیال کے پیش نظر مرزا صاحب سے خط وکتابت شروع کردی۔

پنڈت جی کا پہلا خط بنام مرزا جی

۳۔ اپریل ۱۸۸۵ء کو پنڈت لیکھرام جی نے مرزا صاحب کے نام یہ خط لکھا۔ جناب مرزا صاحب! خدا ہدایت دیوے۔ آپ کا خط مطبوعہ مطبع مرتضائی لاہور میرے مطالعہ سے گزرا۔ اس خط میں آپ کو خدا کی طرف سے یہ لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ جو کوئی غیر مذاہب والوں میں سے آپ کے پاس ایک سال تک رہنے کے باوجود کوئی آسمانی نشان نہ دیکھے اور تسلی پاکر مسلمان نہ ہو اس کو آپ دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے ہرجانہ یا جرمانہ دیں گے۔ اس لئے میں آسمانی نشان دریافت کرنے کے لئے بدیں شرط آپ کی خدمت میں حاضر ہونے پر آمادہ ہوں کہ آپ دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے ایک سال کا دو ہزار چار سو روپیہ سرکاری خزانہ میں داخل کردیں اور اقرار نامہ لکھدیں کہ اگر ایک سال تک آپ کی ہدایت اور آسمانی نشانات او معجزات وغیرہ سے تسلی پاکر آپ کے مذہب کو قبول نہ کروں تو وہ دو ہزار چار سو روپیہ مجھ کو دے دیا جائے اور ایک سال تک وہ روپیہ سرکاری خزانہ میں مکفول رہے آپ اس کے واپس لینے کے مجاز نہ ہوں گے مجھے ایک سال تک آپ کی شاگردی منظور ہے اس کا جواب ایک ہفتہ کے اندر آریہ سماج لاہور میں آنا چاہیئے (۳ اپریل ۱۸۸۵ء)

مرزا جی کے پیچ دار ناقابل قبول شرائط

مرزا صاحب کو یہ خط ملا تو سخت گھبرائے کہ پنڈت تو سچ مچ آمادہ ہوگیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ ٹیڑھی پیچدار اور ناقابل عمل شرطیں پیش کرکے اس مصیبت کو ٹال دیں۔ چنانچہ پنڈت لیکھرام کی چٹھی کے جواب میں لکھا۔ "میں نے اپنے مطبوعہ خط کے مخاطب وہ لوگ ٹھہرائے ہیں جو اپنی قوم میں معزز علماء اور مشہور مقتدا ہیں جن کا ہدایت پانا ایک گروہ کثیر پر مؤثر ہوسکتا ہے۔ مگر آپ اس حیثیت اور مرتبہ کے آدمی نہیں ہیں اور اگر میں اس رائے میں غلطی پر ہوں اور آپ فی الحقیقت پیشوائے قوم ہیں تو بہت خوب میں آپ کو زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتا صرف اتنا کریں کہ پانچ سماجوں یعنی آریہ سماج قادیاں، آریہ سماج لاہور، آریہ سماج پشاور، آریہ سماج امرتسر، آریہ سماج لدھیانہ، میں جس قدر ممبر ہیں سب کی طرف سے ایک حلفی اقرار نامہ اس مضمون کا پیش کیجئے کہ اگر پنڈت لیکھرام جو ہم سب لوگوں کے پیشوا و مقتدا ہیں اس معاملہ میں مغلوب ہوجائیں گے اور کوئی نشان دیکھ لیں گے تو ہم سب لوگ بلا توقف شرف اسلام سے مشرف ہوجائیں گے۔ اگر آپ ایسا اقرار نامہ مرتب کرکے دو ہفتہ تک میرے نام نہ بھیجیں تو آپ ایک شخص عوام الناس سے سمجھے جائیں گے جو قابل خطاب نہیں (غلام احمد از قادیاں ۷۔ اپریل ۱۸۸۵ء)

پنڈت جی کی طرف سے جواب الجواب

پنڈت لیکھرام نے اس کے جواب میں لکھا کہ آپ پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھلانے کے اور۔ میرا خیال تھا کہ آپ مضمون خط کے بموجب وعدے کے سچے ہوں گے مگر وہ غلط نکلا۔ آپ کا یہ کہنا کہ پانچ آریہ سماجوں کے ممبر اقرار نامہ لکھیں اس ضرب المثل کی تصدیق کرتا ہے کہ "حیلہ جو را بہانہ بسیار"۔ میرے قائل و مغلوب ہونے سے پانچ آریہ سماجوں کے ممبر مسلمان ہونے پر کیونکر مجبور کئے جاسکتے ہیں؟ اگر بالفرض آپ آریہ ہوجائیں تو کیا آپ کے بھائی اور رشتہ دار اور قادیاں کے مسلمان بھی آریہ دھرم قبول کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ مرزا صاحب ادعائے بے معنی سے خجالت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر آپ کامل تحقیقات کے بعد آریہ ہوجائیں تو یہ آریہ دھرم کی صداقت کی ایک عمدہ دلیل ہوگی۔ اسی طرح میرے جیسے شخص کا مسلمان ہوجانا دین اسلام کے خوارق عادات کا ایک درخشاں ثبوت ہوگا۔ چونکہ آریہ سماج قادیاں کے ممبروں کی زبانی آپ کی کرامتوں کی قلعی مجھ پر اچھی طرح کھل چکی ہے اس لئے مجھے "آزمودہ را آزمودن جہل است" پر عمل نہ کرنا چاہئیے۔ تاہم اتنا لکھنا ضرور ہے کہ آپ محض ٹال مٹول اور حیلہ سازی کر رہے ہیں۔ ہاں یہ تو میں خود بھی لکھتا ہوں کہ میں آریہ عوام میں سے نہیں ہوں بلکہ خاص ہوں۔" لاہور ۹۔ اپریل ۱۸۸۵ء"

مجدد صاحب کا ایک اور عذر لنگ

مرزا صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ دو سو روپیہ ماہوار اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے اگر ادنیٰ اعلیٰ سب کو دو سو روپیہ دینا تجویز کردوں۔ تو اس قدر روپیہ کہاں سے لاؤں اگر آپ دو سو روپیہ ماہوار کسی جگہ پاتے ہیں تو مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ آپ ثابت کردیں کہ میں اسی حیثیت کا آدمی ہوں۔ اور اگر ایسا ثابت نہ کرسکیں تو آپ کے لئے یہ منظور کرتا ہوں کہ جس قدر آپ نوکری کی حالت میں تنخواہ پاتے رہے ہیں۔ وہی تنخواہ آپ کو دوں گا۔ اور میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ آپ دو تین روز کے لئے قادیاں چلے آئیں اور بالمواجہہ گفتگو کرکے تصفیہ کرلیں۔ مجھے یہ بھی منظور ہے کہ دو تین شریف اور معزز آریہ جیسے منشی جیون داس لاہور میں ہیں۔ مجھ سے ملاقات کرکے اس بارہ میں تصفیہ کرلیں۔ آپ نے قادیاں کے آریہ لوگوں کی زبانی میری کرامتوں کی قلعی کھلنے کا جو ذکر کیا ہے یہ بیان منصفوں کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہے جس حالت میں قادیاں کے بعض آریہ میرے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں وہ زندہ موجود ہیں۔ وہ اس عاجز کے نشانوں اور خوارق کے قائل اور مقر ہیں۔ تو پھر نہیں معلوم آپ نے کس سے سن لیا کہ وہ لوگ منکر ہیں۔ اگر میرے بیانات دروغ بے فروغ ہوں تو وہ اب تک کیونکر خاموش رہتے بلکہ ضرور تھا کہ اس صریح جھوٹ کے رد کرنے کے لئے کئی اخباروں میں اصل کیفیت چھپواتے اور مجھکو رسوا اور شرمندہ کرتے۔ آپ پر لازم ہے کہ اس ظن فاسد سے مخلصی حاصل کرنے کے لئے قادیاں میں آکر اس بات کی تصدیق کرجائیں تا سیہ رُو شود ہر کہ درو غش باشد۔ ۱۶۔ اپریل ۱۸۸۵ء۔

مرزا جی سے ۲۴۰۰ روپیہ جمع کرانیکا پُرزور مطالبہ

پنڈت لیکھرام نے اس کے جواب میں لکھا کہ مرزا صاحب! آپکے پہلے مطبوعہ خط کا مطلب کچھ اور تھا۔ ۷۔ اپریل کے خط سے کچھ اور ہی مترشح ہوتا تھا اور ۱۶۔ اپریل کی چٹھی سے کچھ اور ہی نتیجہ نکلتا ہے واللہ اعلم آپ اپنی تحریرات سے کیوں پلٹے جاتے ہیں میں ستمبر ۱۸۸۴ء میں گورداسپور گیا تھا میں نے وہاں دریافت کیا کہ مرزا غلام احمد صاحب جنہوں نے دس ہزار روپیہ انعام کا اعلان کیا ہے کس حیثیت کے آدمی ہیں؟ تو ایک معزز آدمی کی زبانی جو آپ کے حالات سے پوری طرح واقف تھا معلوم ہوا کہ آپ کی ساری جائیداد بھی دس ہزار روپیہ کی نہیں ہے۔

بلکہ مقروض ہیں۔ اب اس کی تصدیق خود آپ ہی کی تحریر سے ہوگئی کہ اگر ہر ایک کو دو سو روپیہ ماہوار دوں تو اتنا روپیہ کہاں سے لاؤں۔" مرزا صاحب آپ قادیاں کے آریہ بھائیوں پر تہمت لگا رہے ہیں کہ آپ نے ان کو کرامتیں دکھائی ہیں۔ آپ کا یہ بیان صداقت سے بالکل معرّا ہے میں قادیاں آکر آپ سے بالمشافہ گفتگو کرنے کو مستعد تھا۔ مگر ایک لائق آریہ بھائی کی زبانی جو آپ کی ملاقات کو گیا تھا معلوم ہوا کہ آپ زود رنج اور غصہ ور آدمی ہیں۔ تو خیال گزرا کہ شاید آپ کی ایسی مہربانیوں کو میں برداشت نہ کرسکوں اس لئے ارادہ فسخ کر دیا۔ لالہ شرمپت رائے نے شاید آپ کے دعوے کی تکذیب اخبار "برادر ہند" یا "دو دیا پرکاشک" میں کی تھی مگر مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ میں نے کتب ہائے ادیان مختلفہ کا بخوبی مطالعہ کیا ہے اور دلائل عقلی و نقلی سے ان کی بابت بحث کرنے کو موجود ہوں مگر زیادہ طول دینا مجھے پسند نہیں ہے۔ صرف آخری گزارش ہے کہ اگر آپ درحقیقت وعدے کے سچے اور حق کے محقق اور راستی کے طالب اور اصلاح خلق کے لئے مامور ہوئے ہیں تو آپ دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے سال کا دو ہزار چار سو روپیہ خزانہ سرکار میں داخل فرمائیں اور اقرار نامہ لکھ دیں کہ اگر ایک سال تک آپ کی ہدایت اور آسمانی نشانات اور معجزات وغیرہ سے تسلی نہ پاکر آپ کا مذہب قبول نہ کروں تو وہ روپیہ مجھ کو مل جائے اور وہ روپیہ ایک سال کی مدت تک مکفول رہے۔ اگر آپ واقعی قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوئے ہیں تو اس اقرار نامہ اور ادخال زر سے آپ گریز کیوں فرماتے ہیں جب سچ کو آنچ نہیں اور آپ کو اپنی کرامات پر وثوق ہے تو پھر حیلہ جوئی بیکار ہے اگر آپ کو خدا نے اطلاع دی ہے اور اسی نے پیشین گوئی فرمائی ہے اور آپ بقول خود اپنی پیشین گوئیوں کو بارہا آزما چکے ہیں۔ تو پھر مجھے ضرور ملزم اور لاجواب اور مغلوب ہونا پڑے گا۔ خدا نے آپ ہی سے وعدہ بھی فرمایا ہے اور اب آپ ہی وعدہ پورا کرنے سے پہلو تہی فرما رہے ہیں۔ تو کس طرح تسلیم کیا جائے کہ اس میں تخلف کا امکان نہیں ہے جبکہ آپ کو ہی اس پر اطمینان نہیں اتمام حجت کا دعویٰ کرنا اور اس مضمون کا اشتہار دینا کہ جس روز آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا روپے ادا کردوں گا۔ آپ جیسے کی عقلمندی کو بٹہ لگا رہا ہے آپ کے اسی خلف وعد کی وجہ سے کوئی آریہ بھائی آپ کے پاس آنا نہیں چاہتا مکرر سہ کرر تحریر کرتا ہوں کہ میں آپ کے کراماتی زر کے پرکھنے کے لئے اپنی طبع کو محک امتحان بنانا چاہتا ہوں اور ایک سال تک آپ کی شاگردی اور قادیاں کی حاضر باشی صدق دل سے منظور کرتا ہوں۔ اگر اس مرتبہ بھی حیلہ حوالہ ہی کرنا ہے تو مزید خط و کتابت بیکار ہے (پنڈت لیکھرام پردھان آریہ سماج پشاور از مقام پشاور ۲۹ اپریل ۱۸۸۵ء)

مرزاجی کا مطالبہ اس کے جواب میں الہامی صاحب نے لکھا کہ آپ کو اصرار ہے کہ میں آریہ سماج کے گروہ میں ایک بڑا عزت دار آدمی ہوں اور بزرگوار اور عالی مرتبت ہونے کی وجہ سے تمام آریہ سماجوں میں مشہور و معروف ہوں ملکہ میں نے سُنا ہے۔ کہ آپ نے اپنے دعویٰ کو بعض اخباروں میں چھپوا کر جا بجا مجھے بدنام کرنا چاہا ہے اور یہ لکھا ہے کہ جس حالت میں میں ایسا عزت دار آدمی ہوں اور طالب حق تو پھر کیوں مجھے آسمانی نشان دکھلانے سے محروم رکھا جاتا ہے اور کیوں چوبیس روپیہ دینے کی شرط پر مجھکو قادیاں میں ایک سال تک ٹھہر کر آسمانی نشانوں کی آزمائش کی اجازت نہیں دی جاتی؟ سو آپ پر واضح ہو کہ آپ کی درخواست ہم منظور کر لیتے ہیں اور جہاں چاہو چوبیس سو روپیہ جمع کرانے کو تیار اور مستعد ہیں لیکن جیسا کہ آپ شرائط مندرجہ خطوط مطبوعہ سے تنجاوز کر کے اپنی پوری پوری تسلی کرنے کے لئے مجھ سے چوبیس سو روپیہ نقد کسی دکان یا سرکاری

بنک میں جمع کرانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں مجھے بھی حق پہنچتا ہے کہ میں بھی آپ کے اس اقرار کو کہ بعد دیکھنے کسی آسمانی نشان کے بلا توقف قادیاں میں ہی مسلمان ہو جاؤں گا" آپ ہی کے اعتبار پر نہ چھوڑوں۔ بلکہ جس طرح آپ روپیہ وصول کرنے کے باب میں اپنی پوری پوری تسلی کریں گے اسی طرح میں بھی آپ کے مسلمان ہونے کے لئے کوئی ایسی تدبیر کروں جس سے مجھے بھی پورا پورا یقین اور کامل تسلی ہو جائے کہ آپ بھی اسلام سے انکار کرنے کی حالت میں اپنی عہد شکنی کے ضرر سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ سو عدالت کی بات جس میں میں اور آپ برابر ہیں یہ ہے کہ ایک طرف یہ خاکسار چوبیس سو روپیہ جمع کرادے اور دوسری طرف آپ بھی اسی قدر روپیہ حسب نشان دہی اس عاجز کے بوجہ تاوان انکار اسلام کسی مہاجن کی دکان پر جمع کرادیں تا کہ جس کو خدا تعالیٰ فتح بخشے اس کے لئے فتح کی ایک یادگار رہے۔" (مرزا غلام احمد از قادیاں، ۱۰ جولائی ۱۸۸۵ء)

۲۴۰۰ روپیہ جمع کرنے پر پنڈت جی کی آمادگی

اس کے جواب میں پنڈت لیکھرام نے لکھا کہ ہماری خط و کتابت کی بنیاد آپ کا وہ اشتہار ہے جو آپ نے مطبع مرتضائی لاہور میں طبع کرا کر شائع کیا تھا اور جس میں آپ نے نہایت صاف الفاظ میں یہ دعوے کیا تھا کہ مجھے منجانب اللہ یہ حکم ہوا ہے کہ غیر مذہب والوں کو اسلام کی دعوت کروں اور جو شخص میرے پاس ایک سال تک قادیاں میں رہے اور آسمانی نشان اور خوارق عادات دیکھ کر مسلمان نہ ہو تو اسے دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے ایک سال کا دو ہزار چار سو روپیہ ہرجانہ یا جرمانہ دوں گا۔ جس پر میں نے آپ کی خدمت میں التجا کی تھی کہ میں ایک سال تک آپ کی خدمت میں رہنے کو تیار ہوں بشرطیکہ آپ زر موعودہ سرکاری بنک میں جمع کرا دیں۔ اب آپ نے، ۱۰ جولائی ۱۸۸۵ء کی چٹھی میں ایک نئی حجت پیش کر دی ہے یعنی یہ کہ دو ہزار چار سو روپیہ میں بھی آپ کے بالمقابل امانتاً داخل کرادوں تا کہ اگر آپ کے آسمانی نشان یا معجزہ کا مشاہدہ کر کے دین اسلام قبول نہ کروں تو وہ چوبیس سو روپیہ آپ وصول کریں۔ صاحب من! اب آپ اپنے مشتہرہ عہد و پیمان سے کیوں بھاگتے ہیں اور آپ نے جادۂ انصاف سے کیوں کنارہ کشی کی ہے؟ کیا دینداروں اور راستبازوں کے یہی کام ہوتے ہیں؟ اب انصاف یہی ہے کہ آپ پہلے اس بات کا اشتہار دے دیں کہ آپ نے جو پہلے اعلان کیا تھا اس کو میں منسوخ کرتا ہوں۔ جب آپ نے اپنے معجزہ کا اعلان کیا تھا تو آپ کو پختہ یقین ہونا چاہئے تھا کہ معجزہ ضرور دکھائیں گے اور اس کا اثر تیر بہدف ہوگا اور مشاہدہ کرنے والا ضرور مسلمان ہو جائے گا۔ کیونکہ معجزہ کے لغوی معنی عاجز کرنے کے ہیں۔ اگر فریق مقابل کو عاجز و مغلوب نہیں کیا تو وہ اعجاز نہیں ہو سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کو خود ہی اپنے معجزے پر شک ہو گیا ہے کہ یہ شخص میرے معجزے سے عاجز نہیں ہوگا۔ اس لئے نئی حجت کھڑی کر رہے ہیں۔ تاہم میں "دروغ گو را تا بدر وازہ باید رسانید" کے اصول کے ماتحت آپ کی یہ نئی شرط بھی ماننے کو تیار ہوں اور آپ کی طرح میں بھی دو ہزار چار سو روپیہ داخل کر سکتا ہوں۔

نشان اور تاریخ و وقت کی تعیین کا مطالبہ

اس کے بعد پنڈت جی نے لکھا کہ چونکہ مجھے آپ کے استقلال میں شک ہے اس لئے آپ اس امر کی صراحت فرما دیجئے کہ آپ مجھے کونسا آسمانی نشان دکھائیں گے؟ آسمانی نشان تین یعنی سورج چاند ستارے ہیں پس میری خواہش ہے کہ ان قدرتی نشانات کے علاوہ آپ ذیل کا کوئی آسمانی نشان دکھلائیں یعنی کوئی دوسرا آفتاب جس کا طلوع مغرب سے اور غروب مشرق میں ہو یا شق القمر کا معجزہ جو آپ کے خیال میں حق ہے پس

آپ اسی کا اعادہ کر دیں یعنی عادت مستمرہ کے خلاف پورنماشی کی رات کو چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں دوسرا چاند کامل ماوس کی رات کو جیسا کہ پورنماشی ہوتا ہے ظہور کرے ان میں سے تمام کے تمام یا جس ایک کو آپ دکھلا سکیں لیکن آپ معجزہ دکھلانے کی تاریخ اور اس کا وقت بھی مقرر کریں تا کہ وہ عام طور پر مشتہر کرا دیا جائے اگر اب بھی آپ نے اس خط کا جواب صاف الفاظ میں بلا حجت بازی کے نہ دیا تو مزید خط وکتابت بند کر دی جائے گی۔ (لیکھرام از آریہ سماج امرتسر ۲۰ جولائی ۱۸۸۵ء)

مرزا صاحب کی شرط کہ معجزہ کے اثبات یا نفی کیلئے ثالث مقرر ہوں

اس خط کے جواب میں مرزا صاحب نے ۳۱ جولائی ۱۸۸۵ء کو لکھا کہ میں نے اپنے اشتہار میں دو ہزار چار سو روپیہ دینے کا وعدہ ضرور کیا تھا لیکن پیشگی جمع کر دینے کی شرط نہیں کی تھی چونکہ آپ نے میرے وعدہ کو معتبر نہ سمجھا اس لئے اس اشتہار کے برخلاف میرے لئے یہ استحقاق پیدا ہو گیا کہ آپ سے بھی دو ہزار چار سو روپیہ بالمقابل پیشگی رکھواؤں میں اعجاز نمائی کی کوئی شرط نہیں کر سکتا اور نہ مطلوبہ نشان دکھا سکتا ہوں مجھے معلوم نہیں کہ کیا کچھ ظاہر ہوگا ہم صرف بندۂ مامور ہیں ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طور کا نشان ظاہر کرے گا ہم جانتے اور سمجھتے ہیں کہ نشان اسی شے کا نام ہے کہ انسانی طاقت سے بالاتر ہو ہمارا دعوے صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ ضرور ایسا نشان دکھائے گا جس کے مقابلہ سے انسانی طاقتیں عاجز ہوں لیکن یہ شرط ہے کہ ہمارے معجزہ کے متعلق اثبات یا نفی کی رائے دینے کے لئے ایسے مقبول الطرفین منصف مقرر ہونے چاہئیں جو فریقین کے مذہب سے الگ ہوں۔

مرزائی عذرات کی دھجیاں فضائے بسیط میں

اس کے جواب میں پنڈت لیکھرام نے لکھا کہ اگر آپ کو فریق مقابل سے بھی روپیہ رکھوانا منظور تھا تو اپنے پہلے ہی اشتہار میں صاف لفظوں میں شرط لگاتے کہ قمار بازوں کی طرح روپیہ دو بدو لگایا جائے گا تا کہ بعد کو شرائط میں ترمیم و تنسیخ نہ کرنی پڑتی اور اگر آپ صراحۃً لکھدیتے تو کوئی ادنیٰ عقل کا آدمی بھی ایسی قمار بازی کو قابل التفات نہ سمجھتا چہ جائیکہ راقم آپ سے خط وکتابت کرنے کی زحمت گوارا کرتا۔ آپ کے وعدہ پر اعتبار نہ کرنے کی علت آپ کا بے بنیاد لاف و گزاف اور بے بنیاد دعاوی ہیں میں دیکھ رہا تھا کہ آپ نہ کوئی اہلکار نہ جاگیردار نہ پنشن خوار نہ تاجر نہ حرفت کار نہ کارخانہ دار نہ زمیندار نہ کوئی بڑے صاحب جائداد ہیں۔ ہاں قادیاں میں جو ایک گاؤں ہے آپ بھی مالکان دہ میں سے اس کے ایک حصہ دار ہیں اور آپ کی حیثیت بھی ایسی ہے جیسی عام لوگوں کی ہوتی ہے اور پھر اسی معمولی حیثیت پر یہ لاف و گزاف کہ بقول خود آپ نے آٹھ ہزار دو سو چالیس روپے ان خطوط پر خرچ کر دیئے جو آپ نے معزز رئیسوں اور علماء و فضلاء کے نام اس مضمون کے بھیجے تھے کہ جو کوئی ایک سال تک ضلع قادیاں میں رہکر آسمانی نشان نہ دیکھے اسے دو سو روپیہ ماہانہ کے حساب سے دو ہزار چار سو روپیہ دیا جائے گا اس کا حساب لگایا گیا تو قریباً دو کروڑ روپیہ ہوتا ہے اور لطف یہ کہ اپنی کتاب" براہین احمدیہ" کے سرورق پر اپنے القاب میں رئیس اعظم قادیاں دام اقبالہٗ لکھوایا اس پر طرہ یہ کہ آپ نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو کوئی کتاب" براہین احمدیہ" کا رد لکھے گا وہ دس ہزار روپیہ انعام پائے گا خیال کرنا چاہیئے کہ اس قدر وسیع و عریض ملک میں اگر سو دو سو آدمی بھی اس کتاب کا رد لکھدیں تو ان کے لئے لاکھوں روپیہ درکار ہے اور اگر آپ ایسے ہی گنج قارون کے مالک ہیں تو اپنی کتاب کی اشاعت کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں سے بھیک کیوں مانگتے رہتے ہیں؟ اور لطف یہ کہ پنج سالہ دریوزہ گری کے باوجود بقول آپ کے طباعت کتاب کے مصارف

بھی باہم نہ پہنچ سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس لاف زنی کو ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے۔ انہی وجوہ کے ماتحت میں نے
زرِ موعودہ کے پیشگی جمع کرا دینے کی درخواست کی تھی۔ آپ کا یہ گمان صحیح نہیں تھا کہ کوئی شخص ان کڑی شرطوں کی وجہ سے ایک
گاؤں میں دہقانوں اور مجہولوں کے اندر ایک سال تک بے زنجیر قید رہنا گوارا نہیں کرے گا اور یہ کہ بصورت خاموشی آپ کا
دعویٰ بطور ڈگری یک طرفہ ثابت ہو جائیگا لیکن جبکہ یہ بندہ آپ کے ابطال دعویٰ کے لئے کھڑا ہو گیا اور بوجوہ مذکورہ
زرِ موعودہ پیشگی جمع کرانا چاہا تو آپ نے اپنے اشتہار کے برخلاف ایک نیا حیلہ اختراع کر دیا۔ لیکن بندہ نے بھی ثابت
قدمی کے ساتھ آپ کو اس حیلۂ جدید کی راہ سے بھی بھاگ جانے کی فرصت نہ دی۔ یعنی دو ہزار چار سو روپیہ اپنی طرف
سے جمع کرانا بھی منظور کر لیا۔ پس جس صورت میں یہ زرِ مشروط جانبین سے مساوی جمع ہو گا تو شرائط کا بھی مقبول و مساوی

اس کلمہ سے کہ ہم صرف بندۂ مامور ہیں اور زیادہ تر آپ کے اشتہار کی پہلی اور دوسری سطر سے صاف ظاہر ہے کہ آپ
نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے اور حضرت عیسیٰ کا نام مبارک لکھ کر اُن کے برابر آپ کو ظاہر کیا ہے۔ اس موقع پر بیجا نہ ہو گا کہ اگر
ہم حضرات علماء اسلام کو متوجہ کریں کیونکہ خاص و عام اہل اسلام پر اظہر من الشمس ہے کہ حضرت رسالت پناہ ختم المرسلین ہیں۔
پس ایسے دعویدار پر تعزیر شرعی کا فتویٰ کیوں نہیں لگاتے کیونکہ خانگی دشمن سخت خرابی لاتے ہیں اور گھر کا بھیدی لنکا
ڈھاتا ہے۔ آپ کا یہ عذر کہ ہم کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طرح کا نشان ظاہر کرے گا نہایت بیجا ہے جس صورت میں آپ
ایک اہم خدمت اور نہایت مہتم بالشان کام پر مامور ہوئے ہیں تو آپ اپنے مشن کے اسرار پر مطلع کیوں نہیں؟ اور جب آپ کو
معلوم نہیں کہ کس قسم کا نشان ظاہر ہو گا تو بدون ارشادِ الٰہی آسمانی نشان کا دعویٰ کیوں مشتہر کر دیا؟ جب آپ کے الہام کی
بسم اللہ ہی غلط ہے تو آگے آپ سے کیا بن پڑے گا؟ ظاہر ہے کہ با ایں ناواقفی آپ کو نبوت کے اعلیٰ ترین درجہ پر مامور کر دینا
خدائے عالم الغیب کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ آپ پر کسی اور ہی ہستی کا فیض ہے۔ ہم نے بھی آپ سے ایسے ہی نشان مانگے تھے جو
انسانی طاقت سے بالاتر ہوں۔ فروتر نہیں مانگے تھے۔ مگر اس سے بھی آپ گریز کر گئے۔ اب آپ نے اپنے دعویٰ کا نصف
حصہ چھوڑ دیا کہ نشان آسمانی کا صرف ایک جزو یعنی صرف نشان باقی رکھا اور وہ دوسرا حصّہ یعنی لفظ نشان بھی بے نشان معدوم
کر دیا کیونکہ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا اور کیسا ہو گا۔ پس آپ کا دعویٰ کلّی باطل ہو گیا۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ معلوم نہیں
آپ اپنے مندرجہ بالا اقرار کے باوجود یہ عذر کیوں پیش کرتے ہیں کہ آپ کے معجزہ پر اثبات یا نفی کی رائے دینے کے لئے منصف
مقرر ہونے چاہئیں۔ یہ صحیح ہے کہ جب کوئی مقدمہ یا مجہول الکیفیت امر پیش ہوتا ہے تو اس کے لئے منصفوں کی ضرورت
ہوتی ہے لیکن اس لحاظ سے کہ بشر غیب دان نہیں وہ منصف بھی اندھیرے ہی میں تیر چلاتے ہیں۔ پس اگر آپ کا معجزہ بھی
مجہول الکیفیت ہو گا تو آپ اپنے معجزے بھیڑ بکری چرانے والے گڈریوں کو دکھلایا کریں اور ہمیں معاف ہی رکھیں۔ ہم
آپ کی لاف زنی کے معجزات دیکھنے سے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ ع در میں باز آیا محبت سے اٹھا لو پاندان اپنا

(لیکھرام از آریہ سماج امرتسر ۵؍ اگست ۱۸۸۵ء)

پنڈت جی سے درخواست کہ قادیاں آکر تصفیہ کر جاؤ

حضرتِ اقدس مرزا جی نے اس چٹھی کا کوئی جواب نہ دیا اور قادیاں شریف کے در و دیوار پر
سکوتِ گور چھا گیا۔ آخر پنڈت جی نے تین مہینہ کے انتظار شدید کے بعد ایک پوسٹ کارڈ

بھیج کر یاد دہانی کی۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے پنڈت جی کے نام ایک پوسٹ کارڈ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ قادیاں کوئی دُور نہیں ہے آ کر ملاقات کر جاؤ۔ امید ہے کہ باہمی ملاقات پر شرطیں طے ہو جائیں گی" (تکذیب براہین مرتبہ و مولفہ پنڈت لیکھرام ص ۳۰۹ - ۳۲۶) پنڈت لیکھرام اور مرزا صاحب میں پانچ چھ مہینہ تک جس لاطائل خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا وہ ۱۸۸۵ء میں پنجاب کے متعدد اخبارات مثلاً آفتاب پنجاب، کوہ نور وغیرہما میں شائع ہوتی رہی (تکذیب براہین ص ۳۳۱) چونکہ اس میں پنڈت لیکھرام کی نمایاں فتح اور مرزائیت کی کھلی ہزیمت تھی۔ اس لئے نہ تو خود مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں اس کا کہیں ذکر کیا اور نہ مرزا صاحب کے بعد مکتوبات احمدیہ کی کسی جلد میں اس کو شرف اندراج بخشا گیا۔ کتاب تکذیب براہین مع ضمیمہ نہ صرف مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہوئی تھی بلکہ انہوں نے اس کو حرفاً حرفاً پڑھ کر اپنی متعدد تصنیفات میں پنڈت لیکھرام کی گندہ دہنی کا شکوہ کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب اس خط و کتابت سے بے خبر نہیں تھے جو پنڈت لیکھرام نے اپنی کتاب "تکذیب براہین" کے اخیر میں درج کی تھی۔ اور چونکہ مرزا صاحب کو اس کی تردید یا اس سے انکار کرنے کا کبھی حوصلہ نہ ہوا اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کو صحیح نہ سمجھا جائے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ قادیاں کی بارگاہ خلافت یا وہاں کا کوئی غاشیہ بردار مرزا صاحب کے دامن تقدس کو رسوائی کے اس داغ سے کبھی پاک و صاف نہیں کر سکتا +

باب ۲۵ - پنڈت لیکھرام قادیاں میں

باب سابق میں آپ نے پڑھا کہ خود مرزا صاحب نے پنڈت لیکھرام کو قادیاں آنے کی دعوت دی تا کہ بالمشافہ گفتگو کر کے یک سالہ قیام کے شرائط طے کر لیں۔ اس دعوت کے بموجب پنڈت لیکھرام سچ مچ وہاں جا دھمکے اور شرائط زیر بحث پر گفتگو کی۔ لیکن مرزا صاحب نے حسب معمول پھر سخن تراشی اور لیت و لعل سے کام نکالنا چاہا۔ مگر بدقسمتی سے ان کا مدمقابل کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو آسانی سے پیچھا چھوڑ دیتا۔ پنڈت جی نے قادیاں جا کر ان کا ناک میں دم کر دیا اور بُری طرح گلے کا ہار ہوئے۔ مرزا صاحب نے ہزار جتن کئے کہ کسی طرح یہ جن پیچھا چھوڑ دے لیکن پنڈت جی سالہا سال پولیس کی نوکری کر چکے تھے کسی طرح نہ ٹلے اور ان کی جان کھا گئے۔ اصل میں مرزا صاحب کو پنڈت جی سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا ورنہ ایسے بے ڈھب آدمی کو جو جان کا لاگو بن گیا تھا کبھی منہ نہ لگاتے، اور شروع ہی میں یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ تم میرے صحیح مخاطب نہیں ہو۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب تین فاحش غلطیوں کے مرتکب ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلی غلطی تو یہ کی کہ ناحق غیر مسلموں کو ایک سال تک قادیاں رہ کر معجزہ دیکھنے کی دعوت دی۔ دوسری غلطی یہ تھی کہ پنڈت لیکھرام جیسے سخت گیر آدمی سے خط و کتابت شروع کر کے ان کی چال میں آ گئے تیسری چُوک اُن سے یہ ہوئی کہ پنڈت جی کو اپنے گھر بلا کر اس مثل کے مصداق بنے "آ بیل مجھے مار" پنڈت جی قادیاں پہنچ کر ہاتھ دھو کے ان کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ جان بچانی مشکل ہو گئی۔ ایک دن پنڈت لیکھرام مرزا صاحب کے مکان پر بیٹھے ہوئے آسمانی معجزہ دیکھنے کے لئے قادیاں کے یک سالہ قیام کی شرطیں طے کر رہے تھے اثنائے گفتگو میں لفظ خوارق عادات زیر بحث آ گیا۔ پنڈت نے کہا کہ خوارق عادات عادت یا سبھاؤ کے توڑنے کو کہتے ہیں۔ چاقو چُھری میں قطع کرنے کی عادت ودیعت ہے۔ آگ کا خاصہ جلانا ہے۔ درخت میں غیر متحرک رہنے کی عادت ہے۔ اگر آپ ان خواص

وعادات کو خدا کے حکم سے توڑ دیں یعنی آپ کے معجزہ سے چاقو چھری کاٹنے سے باز رہے۔ آگ جلا نہ سکے۔ درخت چلنے لگے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ اور اگر آپ اعجاز نمائی سے قاصر رہیں تو آپ آریہ ہو جائیں اور جھوٹے دعووں سے باز آجائیں" مرزا صاحب نے فرمایا کہ قرآن کی اصطلاح میں معجزے کے یہ معنے نہیں ہیں۔ پنڈت نے کہا کہ جب یہ لفظ ہی قرآن میں نہیں تو اس کے لئے قرآنی اصطلاح کا دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے"؟ واقعی قرآن میں معجزہ کا لفظ نہیں بلکہ اس کے لئے آیت یعنی نشان کا لفظ مستعمل ہے۔ مرزا صاحب اس بات پر زور دینے لگے کہ قرآن میں یہ لفظ یقیناً موجود ہے۔ پنڈت لیکھرام نے قرآن مجید مرزا صاحب کے سامنے پیش کر کے کہا بڑے خدا نکالیئے مرزا صاحب چند منٹ تک کلام پاک کی ورق گردانی کرتے رہے۔ مگر اپنی کوشش میں ناکام رہے۔ آخر مجبور ہو کر فرمایا کہ میں اس دعویٰ سے دست بردار ہوتا ہوں۔ واقعی قرآن میں یہ لفظ نہیں ہے"۔ پنڈت لیکھرام نے لکھا ہے کہ اس وقت حکیم کشن سنگھ، لالہ نہال چند، حکیم دیارام، پنڈت جے کشن، لالہ بھیمی سہلے مرزا غلام احمد صاحب کے عمزاد بھائی مرزا کمال الدین، منشی مراد علی اور ایک ضعیف العمر مسافر بیٹھے ہوئے تھے اور غالباً مرزا جی کو بھی اس بیان کی صداقت سے انکار نہ ہوگا (تکذیب براہین ص ۸۶)

پنڈت کی گاؤ زوریاں اور قادیانی بارگاہ کی رسوائیاں

پنڈت جی نے بہتیری کوشش کی کہ الہامی صاحب کسی طرح قادیان کے یک سالہ قیام کے معقول اور منصفانہ شرائط کو منظور کریں اور حیلے حوالے چھوڑ کر راہ راست پر آئیں لیکن کامیاب نہ ہوئے جب انہوں نے مغز خالی کر کے دیکھ لیا کہ یہ حیلہ گری سے کسی طرح باز نہیں آتے اور اب شرائط قیام پر مزید گفتگو عبث ہے تو انہوں نے یک سالہ قیام و انتظار کو بالائے طاق رکھ کر فوری اعجاز نمائی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ پنڈت جی ہر روز الہامی صاحب کے دولتکدہ پر جاتے اور کہتے کہ اگر اپنے دعووں میں سچے ہو تو کوئی **معجزہ** اور کرامت دکھاؤ۔ لیکن بیچارے مرزا جی کے لئے سرِ ندامت جھکا لینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ اعجاز نمائی خانہ ساز مقدسین کے بس کا روگ نہیں۔ اسی کے ساتھ پنڈت جی کا یہ معمول تھا کہ ہر روز سیکڑوں ہندوؤں کو جمع کر کے قادیان کے بازار میں چلے جاتے اور مجمع کثیر میں نہایت زہر آلود تقریر کر کے مرزائی تجدید کا کھنڈن کرتے اور قادیانی تقدس کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیر کر حاضرین کو خوب ہنساتے اور مرزائیت اور اس کے بانی کی رسوائی کا مشغلہ پایۂ تکمیل تک پہنچا کر واپس آتے۔ خود مرزا جی نے اپنے اسم بامسمّیٰ رسالہ "فریاد درد" میں ان رسوائیوں کا بہت کچھ رونا رویا ہے چنانچہ اس نوحہ وفغاں کی ایک بانگی ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں "جن دنوں لیکھرام نے اسلام کی نسبت بد زبانی پر کمر باندھ رکھی تھی اور بات بات میں گالی اس کے منہ میں تھی ان دنوں اس نے جوش میں آکر ایک یہ کارروائی بھی کی تھی کہ مجھ سے بحث کرنے کے لئے قادیان میں آکر ایک مہینہ کے قریب رہا۔ میں اس سے بحث کرنے کے لئے اس کے ضلع اور گاؤں میں نہیں گیا اور نہ میں نے کبھی ابتداءً اس سے خط وکتابت کی۔ وہ خود اپنے وحشیانہ جوش سے قادیان میں میرے پاس آیا اور اس بات کے تمام ہندو اس جگہ کے گواہ ہیں کہ وہ پچیس دن کے قریب قادیان میں رہا اور سخت گوئی اور بدزبانی سے ایک دن بھی اپنے تئیں روک نہ سکا۔ بازار میں مسلمانوں کے گذر کی جگہ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا رہا اور مسلمانوں کو جوش دینے والے الفاظ بولتا رہا۔ میں نے اندیشہ نقض امن سے مسلمانوں کو منع کر دیا تھا کہ اس کی تقریروں کے وقت کوئی بازار میں کھڑا نہ ہو اور کوئی مقابلہ کے لئے مستعد نہ ہو۔ اس لئے باوجود اس کے کہ وہ فساد کے لئے چند اوباشوں کو ساتھ ملا کر ہر روز ہنگامہ

کے لئے تیار رہتا تھا مگر مسلمانوں نے میری متواتر نصیحتوں کی وجہ سے اپنے جوشوں کو دبالیا۔ ان دنوں میں کئی باغیرت مسلمان میرے پاس آئے کہ یہ شخص برملا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، اور میں نے دیکھا کہ وہ لوگ جوش میں ہیں تب میں نے نرمی سے منع کیا کہ ایک مسافر ہے۔ بحث کرنے کے لئے آیا ہے۔ صبر کرنا چاہیئے۔ میرے بار بار روکنے سے وہ لوگ اپنے جوشوں سے باز آئے۔ اور لیکھرام نے یہ طریق اختیار کیا کہ ہر روز میرے مکان پر آتا اور کوئی نشان اور معجزہ مانگتا اور سخت اور ٹھٹھے اور ہنسی کے الفاظ اس کے منہ سے نکلتے۔ وہ ہمیشہ صبح یا تیسرے پہر قادیاں میں میرے مکان پر آتا اور اسلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت طرح طرح کی بے ادبیاں کرتا اور جیسا کہ ظالم پادریوں نے مشہور کر رکھا ہے بار بار یہی کہتا کہ تمہارے پیغمبر سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا اور نہ کوئی پیشگوئی پوری ہوئی۔ ملانوں نے مذہب کو رونق دینے کے لئے جھوٹے معجزوں سے کتابیں بھر رکھی ہیں۔" (کتاب فریاد درد مؤلفہ مرزا غلام احمد ص الف)

اعجاز نمائی سے قاصر رہنا لیکن سوال یہ ہے کہ جب پنڈت لیکھرام مرزا صاحب کو ان کے کاشانۂ تقدس میں جا جا کر ذلیل کر رہے تھے۔ اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں دریدہ دہنی کی جارہی تھی۔ مجدد صاحب کا ہر وقت بُری طرح مذاق اڑایا جارہا تھا اور پنڈت جی ہر وقت مصر تھے کہ کوئی معجزہ دکھاؤ تو اگر مرزا صاحب میں واقعی کوئی اعجازی جوہر ودیعت تھا تو ایسی حالت میں ان کی رگِ حمیت کیوں جنبش میں نہ آئی؟ انہوں نے اپنا کوئی عدوافگن معجزہ دکھا کر اس بیباک آریہ کو گھٹنے ٹیکنے پر کیوں مجبور نہ کیا؟ اور اس کا سرِ نیاز خاکِ مذلت پر رکھوا کر دوسرے شوریدہ سر اعدائے دین کے لئے اسبابِ عبرت کیوں مہیا نہ کر دیئے؟ مرزا صاحب کا دعویٰ تو یہ تھا کہ "اکثر گزشتہ نبیوں کی نسبت میرے بہت زیادہ معجزات اور پیشینگوئیاں ہیں بلکہ بعض گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور پیشینگوئیوں کو ان معجزات سے کچھ نسبت ہی نہیں اور نیز ان کی پیشین گوئیاں اور معجزات اس وقت محض بطور قصہ کہانیوں کے ہیں مگر میرے معجزات اور پیش گوئیاں ہزارہا لوگوں کے لئے واقعات چشم دید ہیں۔ گزشتہ نبیوں کے معجزات اور پیش گوئیوں کا ایک بھی زندہ گواہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے معجزات اور پیش گوئیوں کا میں زندہ گواہ موجود ہوں اور قرآن شریف زندہ گواہ موجود ہے اور میں وہ ہوں جس کے بعض معجزات اور پیش گوئیوں کے کروڑہا انسان گواہ ہیں" (نزول المسیح مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۸۱-۸۲) لیکن اس دعویٰ کا عملی ثبوت یہ تھا کہ ایک عدوِ اسلام کے مجبور کرنے پر بھی اپنے کیسۂ معجزات سے ایک عدد معجزہ نکال کر پیش نہیں کر سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کے دعاوی اعجاز نمائی میں شمہ بھر بھی سچائی تھی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ایسے نازک وقت میں بھی جبکہ دین ضعیف ذلیل کیا جا رہا تھا ناموس سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم خطرے میں تھا حضرت "مجدد زمان" کو کسی اعجاز کی طاقت نہ دی جاتی۔ لیکن چونکہ وہ پنڈت لیکھرام کے مقابلہ میں برابر ذلت پر ذلت سہتے رہے پس عدوے اسلام کی مدت قیام میں قادیاں کی فضا پر خفت و رسوائی کی آندھیاں برابر مسلط رہیں، اور مرزا جی کو نہ تو کسی عارفانہ کمال پر قدرت ہوئی اور نہ ان کے جسدِ حمیت و غیرت پر کوئی تازیانہ لگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تمام دعاوی اعجاز سراسر خدع نفس تھے۔

باب ۲۶۔ قادیاں کے یکسالہ قیام پر منشی اندرمن کی رضامندی

جن ایام میں پنڈت لیکھرام جی مرزا صاحب سے قادیاں کے یک سالہ قیام کے متعلق خط وکتابت کر رہے تھے انہی دنوں منشی اندرمن مراد آبادی بھی مرزا صاحب سے یہی شرائط طے کرنے میں مصروف تھے۔ مرزا صاحب کے اس اعلان کو پڑھ کر جو امتحان اعجاز نمائی کے متعلق تئیسویں باب میں درج ہوا منشی اندرمن مراد آبادی نے مرزا صاحب کے نام ایک خط لکھا۔ مرزا صاحب یا ان کے پیروؤں نے اس خط کو تو شائع نہیں کیا۔ البتہ "تبلیغ رسالت" سے جو مرزا صاحب کے اشتہارات کا مجموعہ ہے اتنا پتہ چلتا ہے کہ منشی جی نے بھی پنڈت لیکھرام کی طرح بطور ضمانت واطمینان دو ہزار چار سو روپیہ بنک میں جمع کر دینے کا مطالبہ کیا تھا (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۳۲ (حاشیہ)) اس کے جواب میں حسب بیان مرزا صاحب انہوں نے منشی اندرمن کو لکھا کہ اگر بالفرض ایک سال میں کسی آسمانی نشان کا آپ کو مشاہدہ نہ ہو تو میں آپ کو چوبیس سو روپیہ دیدوں گا اور اگر آپ کو پیشگی لینے پر اصرار ہو تو مجھے اس سے بھی دریغ وعذر نہیں۔ بلکہ آپ کے اطمینان کے لئے چوبیس سو روپیہ نقد ہمراہ رقیمہ ہذا ارسال خدمت ہے۔ (ایضاً صفحہ ۳۳) اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے چٹھی کے ساتھ ہی روپیہ بھی بھیج دیا تھا۔ اگر اس بیان کو صحیح فرض کر لیا جائے تو بھی یہ محض عبث اور نمائشی فعل تھا۔ کیونکہ وہ تو محض اپنے اطمینان کے لئے روپیہ بنک میں جمع کرانا چاہتے تھے۔ اور اگر واقعی اس رقم کو پیشگی ہی منشی جی کی تحویل میں کر دینا منظور تھا تا کہ وہ کامل اطمینان اور سکونِ قلب کے ساتھ قادیاں آجائیں تو سوال یہ ہے کہ اس کے ساتھ اُن کے سامنے پُر حیل شرطیں کیوں پیش کی گئیں؟

مرزا صاحب کی پہلی ناجائز و ناقابل عمل شرط

قادیانی صاحب نے منشی جی کے سامنے جو نئی شرطیں پیش کر کے اپنے بچاؤ کی تدبیر نکالی ذرا اس کو ملاحظہ فرمائیے۔ مرزا جی نے اسی خط میں منشی جی کو لکھا کہ چونکہ آپ نے یہ ایک امر زائد چاہا ہے اس لئے مجھے بھی یہ حق پیدا ہو گیا ہے کہ اس امر زائد کے مقابلہ میں کوئی ضروری شرط کر لوں۔ پہلی شرط یہ کہ جب تک آپ کا سال گذر نہ جائے کوئی دوسرا شخص آپ کے گروہ (آریوں) سے زر موعود پیشگی لینے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ ہر شخص کو زر پیشگی دینا آسان نہیں ہے" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۳۴) اس شرط کے متعلق التماس ہے کہ منشی اندرمن بیچارے ہندوستان بھر کے آریوں کی طرف سے اس بات کا بھلا کس طرح ذمہ لے سکتے تھے، کہ کوئی دوسرا آریہ جس کو قادیانی کی طرف سے دعوت امتحان بھیجی گئی زر پیشگی جمع کرانے کا مطالبہ نہ کریگا۔ مرزا جی نے اطراف واکناف ملک میں غیر مسلم مقتدایان مذہب کے پاس ہزارہا اشتہارات فرداً فرداً بھیجے تھے ان میں سے ہر شخص چاہتا تو زر موعود پیشگی جمع کرنے کا مطالبہ کر سکتا تھا۔ اگر ہر شخص کیلئے پیشگی روپیہ جمع کرنا سہل نہیں تھا تو پھر یہ مضحکہ خیز کھیل ہی کیوں کھیلا تھا؟ اور یہ تو خیریت رہی کہ ہزارہا مدعوین میں سے صرف تین آدمیوں (پنڈت لیکھرام، منشی اندرمن اور گجرانوالہ کے ایک انگریز پادری) کے سوا کسی نے اس دعوتِ امتحان کو قابل التفات نہ سمجھا ورنہ مرزا صاحب کو لینے کے دینے پڑ جاتے۔ پنڈت لیکھرام کو تو وہ باتوں ہی میں ٹرخا رہے تھے اور یورپین پادری نے شاید پیشگی رقم کی خواہش ہی نہ کی تھی۔ باقی صرف ایک منشی اندرمن کے لئے بلاحیل وحجت اور بغیر کسی نئی شرط کے چوبیس سو روپیہ جمع کر دینا کون سا مشکل کام تھا؟ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ بقول مرزا صاحب انہوں نے منشی جی کے پاس یہ روپیہ نقد بھیج بھی دیا تھا۔

مرزا جی کی دوسری بے جا شرائط

مرزا جی نے دوسری نئی شرط یہ پیش کی کہ اگر مشاہدہ نشان آسمانی کے بعد منشی صاحب اظہار اسلام میں توقف کریں اور اپنے عہد کو پورا نہ کریں تو پھر حرجانہ یا جرمانہ دونوں امر سے ایک ضرور ہے (ایضاً) مگر یہ شرط

بھی بیجا تھی۔ کیونکہ جب ابوجہل اور دوسرے سرداران قریش نے حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزۂ شق القمر کا مطالبہ کیا تھا تو آنحضرت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منکروں کے سامنے کوئی شرط پیش نہ کی تھی اور یہ نہ فرمایا تھا کہ اگر تم بعد مشاہدۂ انشقاقِ قمر ایمان نہ لاؤ تو تمہیں جرمانہ یا جرمانہ دینا پڑے گا۔ کیونکہ ایمان جبراً کسی دل میں داخل نہیں کیا جا سکتا اور کوئی شخص شرعاً و عقلاً اس پر مجبور نہیں کہ اپنے ضمیر کے خلاف اسلام کا اظہار کرے کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی فلاح دارین کے لئے شرف ایمان سے مشرف ہو یا مشاہدۂ نشانِ آسمانی کے بعد بھی بدستور اہل شقاوت میں سے رہے۔ مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ۔ ارشاد خداوندی ہے قادیانی صاحب نے شرط ثانی کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے الف اور ب کے ذیل میں اس کی جو تصریح کی اس سے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب قیل و قال محض امتحان اعجاز نمائی سے بچنے کے حیلے تھے۔ ورنہ دنیا کا کوئی معقول آدمی پہلے غیر مشروط اعلان پر ایسی لایعنی قیود و شرائط کے اضافہ کو قرینِ انصاف نہ بتلائے گا۔ بہرحال مرزا صاحب نے دوسری شرط کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے "(الف) سب لوگ آپ کے گروہ کے جو آپ کو مقتدا جانتے ہیں یا آپ کے حامی و مربی ہیں اپنا عجز اور اسلام کے مقابلہ میں اپنے مذہب کا بے دلیل ہونا تسلیم کریں۔ اور وہ لوگ ابھی سے آپ کو اپنا وکیل مقرر کر کے اس تحریر کا آپ کو اختیار دیں پھر اس پر اپنے دستخط کریں (ب) در صورت تخلف وعدہ جانب ثانی سے اس کا مالی جرمانہ یا معاوضہ جو آپ کی اور آپ کے مربیوں اور حامیوں اور مقتدیوں کی حیثیت کے مطابق ہو ادا کریں۔ تاکہ اس مال سے اس عدہ خلافی کی کوئی یادگار قائم کی جائے ایک اخبار تائید اسلام میں جاری ہو یا کوئی مدرسہ تعلیم نومسلم اہل اسلام کے لئے قائم ہو۔ آپ ان شرائط کو تسلیم نہ کریں تو آپ مجھ سے پیشگی روپیہ نہیں لے سکتے۔" (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۵۳) مگر ظاہر ہے کہ منشی اندرمن نے یہ کبھی خواہش نہ کی تھی کہ روپیہ میرے حوالے کر دو بلکہ محض اس خیال سے کہ مبادا کل کو روپیہ وصول کرنے میں مشکلات حائل رہیں انہوں نے صرف رقم موعود کے بنک میں جمع کرا دینے کی خواہش کی تھی اور ایسی خواہش از روئے انصاف کوئی غیر معقول مطالبہ نہیں تھا۔ لیکن مرزا صاحب نے ایک بالکل سیدھی بات میں الجھنیں ڈال کر اسے ایک معمہ بنا دیا۔ ضرورت صرف یہ تھی کہ وہی رقم جو منشی اندرمن کے پاس چٹھی کے ساتھ زرِ نقد کی شکل میں بھیجی گئی تھی بنک میں جمع کرا دی جاتی اور نئے نئے دجل آمیز شرائط پیش کر کے اپنی شان مجددیت اور دعوائے اعجاز نمائی کی یوں مٹی پلید نہ

باب ۷۔ قادیانی ہندو رؤسا کے وفد کا مطالبۂ اعجاز نمائی

مرزا غلام احمد صاحب کے عم زاد بھائی مرزا امام الدین نے ۱۳ اگست ۱۸۸۵ء کو ایک اعلان زیر عنوان "اشتہار صداقت اظہار" شائع کرکے غلام احمدی تجدید و تقدس کا ایک گوشہ عریاں کیا تھا اور قادیاں کے بعض اسرار و غوامض کی پردہ دری کی تھی یہاں اس اشتہار کا وہ حصہ نقل کیا جاتا ہے جس میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کی بارگاہ عالی میں قادیانی ہنود کے ایک وفد کے حاضر ہونے، اعجاز نمائی کی درخواست کرنے اور انجام کار بے نیل مرام مراجعت کرنے کا ذکر ہے۔ مرزا امام الدین نے لکھا۔ "۱۰ اگست ۱۸۸۵ء کو قادیاں کے بہت سے معزز و معاملہ فہم ہنود ایک وفد کی شکل میں مرزا غلام احمد کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے جو اطراف و اکناف ملک میں اپنے تئیں صاحب الہام و کرامات مشہور کیا ہے یہ بات ہماری

سمجھ سے باہر ہے۔ اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہم کو بھی اپنا کوئی کمال دکھایئے"۔ الہامی صاحب نے نہ تو صاف اقرار کیا اور نہ انکار۔ بلکہ حیلہ سازیوں سے دفع الوقتی کرتے رہے۔ آخر فرمایا کہ آپ سب مل کر چوبیس سو روپیہ جمع کیجیے۔ اسی قدر رقم ہم بھی فراہم کرتے ہیں۔ اگر ایک سال کے عرصہ میں ہمارے بیس الہاموں میں سے ایک الہام بھی پایۂ صداقت کو پہنچ گیا تو ہماری حجت قائم ہو جائے گی اور ہم تمہارا چوبیس سو روپیہ لے لینے کے مستحق ٹھہریں گے"۔ اس کے جواب میں طالبان اعجاز نمائی نے کہا کہ ایسی اٹکل پچو باتیں تو جوتشی اور رملی بھی بتا دیا کرتے ہیں۔ دس میں سے دو چار باتیں ان کی بھی پوری ہو جاتی ہیں کیا وہ بھی ملہم و مامور من اللہ ہیں؟ اس کے بعد عمائد ہنود نے کہا کہ مرزا صاحب! آپ میعاد خواہ ایک سال کی جگہ دو سال مقرر کر لیجیے لیکن اس عرصہ میں آپ کو جس قدر الہام ہوں آپ سب کے سب پورے کر دکھلائیں"۔ اب مرزا صاحب کا ناطقہ بند ہو گیا اور روئے سخن کو دوسری طرف پھیرنا چاہا۔ انہوں نے اپنے مطالبہ پر اصرار کیا۔ الہامی صاحب فرمانے لگے کہ طالب حق کا فرض ہے کہ وہ الہام ربانی کے مشاہدہ میں کوئی چون و چرا نہ کرے"۔ انہوں نے کہا مرزا صاحب! اچھا آپ ایک ہی آسمانی نشان مشاہدہ کرا دیجیے۔ لیکن اس کا وقت مقرر کر دینا ضرور ہے۔ آپ کو لازمی طور پر بتا دینا ہوگا کہ یہ الہام فلاں تاریخ کو ظہور پذیر ہوگا۔ الہامی صاحب نے اس سے بھی انکار کیا اور فرمایا کہ ایسا ہونا امر محال ہے۔ اب ان کے گذشتہ الہاموں کا ذکر آیا جو پورے نہیں ہوئے تھے۔ مرزا صاحب سرے سے ان الہاموں سے مکر گئے۔ حالانکہ ان کے گواہ حافظ سلطان محمد صاحب امام مسجد اور بعض دوسرے لوگ اسی مجلس میں موجود تھے۔ مرزا صاحب نے بڑی جرأت اور دیدہ دلیری سے کہہ دیا کہ مجھے یہ الہام ہوئے ہی نہیں (تکذیب براہین ص ۳۲۸ - ۳۲۹)

باب ۲۸ - دس بیگاری ہندوؤں کی طرف سے اعجاز نمائی کی جعلی درخواست

جب سر برآوردہ ہنود کا ممتاز وفد ملہم صاحب کا ناطقہ بند کر کے واپس گیا تو اس سے مرزا صاحب کی بڑی کرکری ہوئی اور دور نزدیک اس باطل شکن وفد کے چرچے ہوئے۔ یہ صورت حالات دیکھ کر مرزا صاحب کے چھکے چھوٹ گئے اور بحالت انتشار سوچنے لگے کہ اس داغ بدنامی کے مٹانے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ آخر بہت سے غور و فکر کے بعد قادیاں کے دس ناخواندہ اور نیم خواندہ ہنود کو جو مرزا صاحب کے محتاج و دست نگر تھے جمع کیا اور ان کی طرف سے اپنے نام خود ہی ایک درخواست لکھ لی کہ ہم طالبان حق ہیں۔ آپ ہم کو آسمانی نشانات دکھلائیں اور اس کے نیچے اپنی طرف سے ایک مضمون لکھا کہ ہمیں ان دس آدمیوں کی درخواست منظور ہے اور اپنے چند مرزائی حاشیہ نشینوں کے نام بحیثیت گواہ درج کر کے اعلان شائع کرا دیا۔ (تکذیب براہین ص ۳۳۱ - ۳۳۲)

درخواست اعجاز نمائی کا مضمون

ہنود کی طرف سے یہ درخواست طیار کی گئی تھی:- مخدوم و مکرم مرزا غلام احمد صاحب سلمہ، بعد ما وجب بکمال ادب عرض کی جاتی ہے کہ جس حالت میں آپ نے لندن اور امریکہ تک اس مضمون کے رجسٹری شدہ خط بھیجے ہیں کہ جو طالب صادق ہو اور ایک برس تک ہمارے پاس آ کر قادیاں میں ٹھہرے تو خدائے تعالیٰ اس کو ایسے نشان دربارۂ اثبات حقیت اسلام ضرور دکھائے گا کہ جو طاقت انسانی سے بالاتر ہوں۔ سو ہم لوگ آپ کے ہمسایہ اور ہم

دلوں ہیں۔ لندن اور امریکہ والوں سے زیادہ اس بات کے حقدار ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں قسمیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم طالبان صادق ہیں کسی قسم کا شر اور عناد جو بمقتضائے نفسانیت یا مغائرت مذہب نااہلوں کے دلوں میں ہوتا ہے وہ ہمارے دلوں میں ہرگز نہیں ہے اور نہ ہم بعض نامنصف مخالفوں کی طرح آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہم صرف اس قسم کے نشانوں کو قبول کریں گے کہ ستارے اور سورج اور چاند پارہ پارہ ہو کر زمین پر گر جائیں یا ایک سورج کی جگہ تین سورج اور ایک چاند کی جگہ دو چاند ہو جائیں۔ یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آسمان سے جا لگے" یہ باتیں بلا شبہ عند اور تعصب پر مبنی ہیں۔ لیکن ہم لوگ ایسے نشانوں پر کفایت کرتے ہیں جن میں زمین و آسمان کے زیر و زبر کرنے کی حاجت نہیں اور نہ قوانین قدرت کے توڑنے کی کچھ ضرورت۔ ہاں ایسے نشان ضرور چاہئیں جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہوں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ سچا اور پاک پرمیشر بوجہ آپ کی دینی راست بازی کے عین محبت اور کرپا کی راہ سے آپ کی دعاؤں کو قبول کر لیتا ہے۔ اور قبولیت دعا سے قبل از وقوع اطلاع بخشتا ہے یا آپ کو بعض اسرار خاصہ پر مطلع کرتا ہے اور بطور پیش گوئی ان پوشیدہ بھیدوں کی خبر آپ کو دیتا ہے یا ایسے عجیب طور سے آپ کی مدد اور حمایت کرتا ہے جیسے وہ قدیم سے اپنے برگزیدوں اور مقربوں اور بھگتوں اور خاص بندوں سے کرتا آیا ہے۔ ایک بات واجب العرض ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ شخص مشاہدہ کنندہ کسی نشان کے دیکھنے کے بعد اسلام کو قبول کرے۔ سو اس قدر تو ہم مانتے ہیں کہ سچ کے کھلنے کے بعد جھوٹ پر قائم رہنا دھرم نہیں ہے اور نہ ایسا کام کسی بھلے منش اور سعید الفطرت سے ہو سکتا ہے لیکن مرزا صاحب آپ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہدایت پا جانا خود انسان کے اختیار میں نہیں ہے جب تک توفیق ایزدی اس کے شامل حال نہ ہو۔ سو ہم لوگ جو قوم، برادری، ننگ و ناموس وغیرہ صدہا زنجیروں میں گرفتار ہیں کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم خود اپنی ہی قوت سے ان زنجیروں کو توڑ کر اور اپنے سخت دل کو آپ ہی نرم کر کے اپنے نفس پر دروازہ ہدایت کھول دیں گے۔ اور جو پرمیشر سرب شکتی مان کا خاص کام ہے وہ آپ ہی کر دکھائیں گے۔ بلکہ یہ بات سعادت ازلی پر موقوف ہے جس کے حصہ میں وہ سعادت مقدر ہے اس کے لئے شرائط کی کیا حاجت ہے۔ اس کو تو خود توفیق ازلی کشاں کشاں چشمۂ ہدایت تک لے آئے گی۔ اس لئے آپ ہم سے ایسی شرطیں موقوف رکھیں۔ اگر ہم آپ کا کوئی نشان دیکھ لیں گے تو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ چند اخباروں کے ذریعہ سے بطور گواہان رؤیت شائع کرا دیں گے اور آپ کی صداقت کی حقیقت کو حتی الوسع اپنی قوم میں پھیلائیں گے۔ اور بلا شبہ ہم ایک سال تک عند الضرورت آپ کے مکان پر حاضر ہو کر ہر ایک قسم کی پیشگوئی وغیرہ پر دستخط بقید تاریخ و روز کر دیا کریں گے اور سال جو نشانوں کے دکھانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ ابتدائے ستمبر ۱۸۸۵ء سے شمار کیا جائے گا۔" العبد لچھمن رام بقلم خود، پنڈت پیارا مل بقلم خود، اشنداس ولد رادھا ساہوکار بقلم خود، منشی تارا چند کھتری بقلم خود۔ پنڈت نہال چند۔ سنت رام، فتح چند۔ پنڈت ہرکرن۔ پنڈت بیج ناتھ چودھری بازار قادیان بقلم خود بشن داس ولد ہیرا برہمن (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۵۲)

درخواست کی منظوری مرزا صاحب نے اس درخواست کے جواب میں لکھا۔ "عنایت فرمائے من پنڈت نہال چند صاحب و پنڈت پیارا مل صاحب و لچھمی رام صاحب و لالہ بشن داس صاحب و منشی تارا چند صاحب و دیگر صاحبان ارسال کنندگان درخواست مشاہدۂ خوارق۔ بعد ما وجب۔ آپ صاحبوں کا عنایت نامہ جس میں آپ نے آسمانی نشانوں کے دیکھنے کے

لئے درخواست کی ہے مجھ کو بلا۔ چونکہ یہ خط سراسر انصاف و حق جوئی پر مبنی ہے اور ایک جماعت طالب حق نے جو عشرہ کاملہ ہے اس کو لکھا ہے اس لئے بہ تمامتر شکر گذاری اس کے مضمون کو قبول و منظور کرتا ہوں۔ اور آپ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر آپ صاحبان ان وعدوں کے پابند رہیں گے کہ جو اپنے خط میں آپ لوگ کر چکے ہیں تو ضرور خدائے قادر مطلق جل شانہٗ کی تائید و نصرت سے ایک سال تک کوئی ایسا نشان آپ کو دکھلایا جائے گا جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ اس عاجز کو اس روز بہت خوشی ہوگی جب آپ بعد دیکھنے کسی نشان کے اپنے وعدے کے ایفا کے لئے جس کو آپ صاحبوں نے اپنے حلفوں اور قسموں سے کھول دیا ہے اپنی شہادت رؤیت کا بیان چند اخباروں میں مشتہر کرکے متعصب مخالفوں کو ملزم و لاجواب کرتے رہیں گے۔ آپ کو بخوشی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ایک سال تک کوئی نشان نہ دیکھیں یا کسی نشان کو جھوٹا پاویں تو اس کو مشتہر کردیں اور اخباروں میں چھپوا دیں۔ یہ امر کسی نوع سے موجب ناراضگی کا نہ ہوگا اور نہ آپ کے دوستانہ تعلقات میں فرق آئے گا بلکہ یہ وہ بات ہے جس میں خدا بھی راضی اور ہم بھی اور چونکہ آپ لوگ شرط کے طور پر کچھ روپیہ نہیں مانگتے صرف دلی سچائی سے نشانات دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے اس طرف سے بھی قبول اسلام کے لئے شرط کے طور پر آپ سے کچھ گرفت نہیں۔ بلکہ یہ بات بقول آپ لوگوں کے توفیق ایزدی پر چھوڑ دی گئی ہے اور اخیر پر دلی جوش سے یہ دعا ہے کہ خداوند قادر و کریم بعد دکھلانے کسی نشان کے آپ لوگوں کو غیب سے قوت ہدایت پانے کی بخشے تا کہ آپ لوگ مائدۂ رحمت الٰہی پر حاضر ہو کر پھر محروم نہ رہیں۔ اے قادر مطلق کریم و رحیم ہم میں اور ان میں سچا فیصلہ کر۔ (خاکسار احقر العباد غلام احمد عفی عنہ)

شہادت گواہان حاضر الوقت

ہم لوگ جن کے نام نیچے درج ہیں اس معاہدۂ فریقین کے گواہ ہیں۔

گواہ شد میر عباس علی لدھیانوی۔ گواہ شد فقیر عبداللہ سنوری۔ گواہ شد شہاب الدین (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۵۳ / ۵۴)

مرزائی حیلہ گری کی تردید چند روز کے بعد جب قادیاں کے متذکرۂ صدر دس ہندوؤں کو معلوم ہوا کہ اُن کے نام پر درخواست اعجاز نمائی شائع کرکے اُن کو دہوکا دیا گیا ہے تو ایک اشتہار زیر عنوان "اعلان کا بطلان" چھپوا کر تقسیم کرایا جس کا مضمون یہ تھا۔ "مرزا غلام احمد ساکن قادیاں نے ہم لوگوں کی طرف سے اس مضمون کا جو اشتہار چھپوا کر شائع کیا ہے کہ یہ لوگ صدق دل سے الہامات و کرامات اور اسلام کی صداقت دیکھنے کے لئے ایک برس کی درخواست کرتے ہیں وہ سرتاپا بے بنیاد ہے۔ اس لئے عام لوگوں کو دھوکے سے بچانے کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم میں سے پنڈت بھارامل، بشن داس، پنڈت نہال چند، سنت رام، فتح چند، پنڈت ہرکرن جن کے نام اس اشتہار میں درج ہیں اردو کا ایک حرف بھی نہیں پہچانتے۔ البتہ بھمی رام، تارا چند، بیجنا تھ اور بشن داس ولد ہیرا نند کسی قدر اردو خواندہ ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو اس قسم کا مضمون تیار کر سکے۔ بلکہ ہم میں سے کسی کو اتنی قابلیت نہیں کہ اِس مضمون کو بخوبی سمجھ ہی سکے۔ وہ مضمون مرزا غلام احمد صاحب کا اپنا ہی لکھا ہوا ہے اُنہوں نے متفرق طور پر ہم کو اپنے بالاخانہ میں بلایا اور منت سماجت کرکے یہ کہہ کر دستخط کرا لئے کہ حرام (الہام) بتایا جائے گا تم گواہ رہنا۔ نہ ہمیں الہام کے معنے معلوم تھے اور نہ اُنہوں نے بتائے اور نہ وید کے سوا ہمیں کسی کے الہام پر اعتبار ہے۔ ہم لوگوں کو پہلے اشتہار کے مضمون کی اطلاع نہیں تھی اب جو ہمیں اس کا مضمون بتایا گیا

تو معلوم ہوا کہ وہ مضمون بالکل مرزا صاحب نے حسب منشاء خود بنالیا ہے۔ نہ مرزا صاحب کو دم بھر زندگی کا کوئی بھروسہ ہے اور نہ ہمیں اس لئے ایک سال تک ایسی بیہودگی کے ساتھ اس طرح کے خیالی پلاؤ پکانا اور لوگوں کو دھوکے کے جال میں پھنسانا ہمیں کسی طرح گوارا نہیں ہے۔ مرزا صاحب جانیں اور ان کی آمدنی اور خرچ کے الہامات جانیں۔ ہم ایسے شخص کو جسے بناوٹی الہام سے کوئی دنیاوی غرض نکالنی ہو مرزا صاحب کے حوالے کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ پرمیشور ہندوؤں کو ایسے فرضی الہاموں سے بچائے۔

المشتہران: پنڈت نہال چند، پنڈت بہار امل، سنت رام، لچھمن رام، بیجناتھ برہمن، بشن داس کھتری، بشنداس برہمن، فتح چند کھتری، ہرکرن برہمن، لچھمن داس، میلا رام (تکذیب براہین ص ۳۳۶)

باب ۲۹۔ غلام احمدی مشیخت کے متعلق مرزا امام الدین کا اعلان

غلام احمد صاحب کے عم زاد بھائی مرزا امام الدین نے ۱۳ر اگست ۱۸۸۵ء کو "اشتہار صداقت اظہار" کے زیر عنوان ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا کہ مرزا غلام احمد نے دعویٰ کیا ہے کہ "میں مجدد وقت ملہم اور صاحب کرامات ہوں۔ اور قادر ذوالجلال عز اسمہٗ کی طرف سے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے طرز پر کمال مسکنت و فروتنی تذلل و تواضع کے ساتھ اصلاح خلق کے لئے مامور ہوا ہوں اور میں بڑا بزرگ ہوں۔" مگر یہ تمام دعوے بے بنیاد ہیں۔ اگر مسکنت ہوتی تو دس ہزار روپے کی شرطیں نہ لگاتے۔ فروتنی اور انکسار ہوتا تو زود رنج اور غصہ ور نہ ہوتے۔ اور غربت کے لئے لازم تھا کہ تعمیر مکانات پر خلق خدا کا روپیہ برباد کرتے اور بالا خانہ سے اتر کر باہر نکلتے اور اصلاح خلق پر مستعد ہوتے۔ اور تذلل و تواضع کا یہ عالم ہے کہ اکثر مسکینوں اور سائلوں کو جبراً نکلوا دیا جاتا ہے۔ آج کل مرزا غلام احمد کے وعظ و تذکیر کا عموماً یہی مضمون ہوتا ہے کہ مسلمان بھائی میری کتاب براہین میں امداد کریں بلکہ جو شخص تعمیر مساجد حج اور زکوٰۃ و خیرات کی مدیں سے کتاب براہین کے لئے امداد بھیجے اس کو ثواب عظیم اور نجات اخروی نصیب ہوگی۔ سید عباس علی لدھیانوی نے براہین احمدیہ کی طباعت و اشاعت میں اپنے حوصلہ سے بڑھ کر امداد کی۔ یہ نہ صرف امراء و رؤساء اور نوابوں کے پاس جا جا کر ترغیب دہی میں سرگرم رہے بلکہ غرباء سے بھی پائی پیسہ تک نہ چھوڑا۔ میر عباس علی لدھیانوی اور مرزا غلام احمد کے دوسرے معاونوں نے بیوہ عورتوں تک میں ترغیب و تحریک کر کے ان کے ہاتھوں کی انگوٹھیاں تک اتروا لیں۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ طوائفوں تک کا مال براہین کی امداد کے لئے حلال طیب سمجھ لیا گیا۔ اور اپنے اشتہارات میں یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر کسی کو میرے الہامات کی صداقت میں شبہ ہو تو وہ قادیان آ کر تحقیق کرے۔ چنانچہ اپنے دعوے کی تائید میں بحالت عدم مشاہدہ الہام چوبیس سو روپیہ حرجانہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ جائے غور ہے کہ اول تو مرزا غلام احمد کو اپنے مولیٰ کریم پر بھروسہ نہیں ہے۔ ورنہ جن لوگوں نے قادیان آ کر ایک سال تک ٹھہرنا منظور کیا تھا ان کے ساتھ شرائط کرنے میں حیلے حوالے نہ کرتے۔ خود ہی نے آسمانی نشانات کا مشاہدہ کرانے کے لئے بار بار رقعے بھیجے۔ مگر پہلو تہی اور حیلہ جوئی کے سوا ان کا کبھی معقول جواب نہ دیا۔ اگر کسی طالب حق کو الہامات کی تحقیق کے لئے قادیان آنے کا اتفاق ہو تو ایسے گواہوں کو بچشم خود دیکھنا چاہئے تاکہ الہامات اور نشانات کی حقیقت واضح ہو سکے۔ ۱۰ر اگست ۱۸۸۵ء کو قادیان کے بہت سے معزز اور معاملہ فہم ہندو ایک وفد بنا کر مرزا غلام احمد کے پاس پہنچے اور اعجاز نمائی کا مطالبہ کیا۔ مگر ان کو بھی کسی رنگ میں مطمئن نہ کر سکے۔ اور

جب ان کے سابقہ الہاموں کا ذکر آیا تو اُن سے صاف مُکر گئے۔ قادیان کے منشی ملاوامل نے ایک روز اپنے دلی جوش سے یہاں تک بھی لکھا کہ میں آپ سے کسی ایسی کرامت کا خواستگار نہیں ہوں جو آپ کے نزدیک ناممکن اور قانون قدرت کے خلاف ہو۔ میں چاہتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ آپ خواہ کیسی ہی ادنیٰ کرامت اور معمولی سے خارق عادت کا مشاہدہ کرا دیں گے میں اسی کو منظور کرلوں گا اور آپ کی شرط اشتہار کو پورا کردوں گا۔ بشرطیکہ خارق عادت ایسا ہو جو انسانی طاقت اور انسانی علوم کی رسائی سے باہر ہو۔ اور پھر عدم ثبوت کی صورت میں کسی حرجانہ کا بھی خواہاں نہیں ہوں"۔ پس اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنے پُر زور دعووں کے باوجود آپ کیوں مرد میدان نہیں بنتے۔ اس کے بعد مرزا امام الدین لکھتے ہیں کہ وہ دس ہندو جن کی طرف سے مرزا غلام احمد نے اشتہار شائع کیا ہے وہ سب اس کے دست نگر اور خوشامدی ہیں۔ جو طالب حق قادیان آکر ان جعلی اور بے علم گواہوں کو دیکھے گا اس پر ملہم صاحب کی کارستانی اور راست بیانی اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ اس کارستانی کے وقت ملہم صاحب کو ان کے مشیروں اور حاشیہ نشینوں نے بہتیرا سمجھایا کہ یہ کارروائی نتیجہ بخش نہ ہوگی بلکہ مضر ثابت ہوگی اور لوگوں کو طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہوں گے اس لئے مناسب ہے کہ ایک آدھ معزز ذی علم آدمی بھی اس معاہدہ میں ضرور شامل کیا جائے۔ مگر ملہم صاحب نے کسی کی ایک نہ سُنی کیونکہ وہ اپنی نسبت بخوبی جانتے ہیں کہ کتنے پانی میں ہیں۔ (تکذیب براہین ص ۲۴۷)

باب ۳۰۔ دوسری شادی کے بعد مزید نکاح کرنے کے متواتر الہامات

مرزا غلام احمد صاحب نے مدت العمر دو ہی شادیاں کیں۔ پہلی بارہ چودہ سال کی عمر میں ماموں کی بیٹی سے ہوئی۔ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد اسی کے بطن سے متولد ہوئے۔ دوسری دہلی میں شاید پچاس سال کی عمر میں نصرت جہاں بیگم صاحبہ سے کی مؤخر الذکر سے تین بیٹے محمود احمد بشیر احمد اور شریف احمد متولد ہوئے جو اب تک موجود ہیں۔ دوسری شادی کے بعد مرزا صاحب کے دل و دماغ پر کئی سال تک اس مطلب کے کشوف و الہامات کا طوفان برپا رہا کہ تمہاری اور بھی شادیاں ہوں گی۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ کو یہ جتلانا منظور تھا کہ قادیان کے مسیح صاحب قرب الٰہی اور معرفت خداوندی کی لازوال نعمت سے یکسر محروم ہیں اور ان کے کشف و الہام کا سرچشمہ بھی غیر طاہر ارواح ہیں اس لئے یہ سب کشف و الہام غلط نکلے اور دہلی کی شادی کے بعد کوئی اور دلارام مرزا صاحب کے بستر عیش کی زینت نہ بن سکی۔ اب ذرا مرزا صاحب کے کشوف و الہامات کی شان و شوکت ملاحظہ ہو۔

بیوہ سے نکاح کرنے کا الہام

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ دوسری شادی سے پہلے مجھے الہام ہُوا تھا کہ دو بیویاں تمہارے عقد میں آئیں گی۔ ایک کنواری دوسری بیوہ۔ کنواری (نصرت بیگم صاحبہ) سے تو نکاح ہو چکا۔ اب بیوہ سے عقد کا انتظار ہے۔ چنانچہ ضمیمہ انجام آتھم میں لکھا کہ اسی طرح شیخ محمد حسین بٹالوی کو حلفاً پوچھنا چاہیئے کہ کیا یہ قصہ صحیح نہیں ہے کہ یہ عاجز اس شادی سے پہلے جو دہلی میں ہوئی اتفاقاً اس کے مکان پر موجود تھا۔ اس نے سوال کیا کہ کوئی الہام مجھ کو سنائیں میں نے ایک تازہ الہام جو انہی دنوں میں ہوا تھا اور اس شادی اور اس کی دوسری جزء پر دلالت کرتا تھا اس کو سنایا اور وہ یہ تھا کہ بِکْرٌ وَّ ثَیِّبٌ یعنی مقدر یوں ہے کہ ایک بکر سے شادی ہوگی اور پھر بعدہٗ ایک بیوہ سے۔ میں اس الہام کو یاد رکھتا ہوں۔ مجھے امید نہیں کہ محمد حسین نے بھلا دیا ہو۔ مجھے اس کا وہ مکان یاد ہے جہاں کرسی پر بیٹھ کر میں نے اُس کو الہام سنایا تھا۔ اور

احمد بیگ (کی لڑکی) کے قصہ کا ابھی نام نشان نہ تھا اور نہ ابھی اس دوسری شادی کا کچھ ذکر تھا۔ پس اگر وہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا کا نشان تھا جس کا ایک حصہ اس نے دیکھ لیا اور دوسرا حصہ جو ثیب یعنی بیوہ کے متعلق ہے دوسرے وقت میں دیکھے گا (ضمیمہ انجام آتھم مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۴) ۱۸۸۴ء میں کنواری لڑکی سے مرزا صاحب کی جو شادی ہوئی اُس سے الہام کا پہلا حصہ پورا ہوگیا۔ اب صرف ایک بیوہ سے عقد تزویج باقی رہ گیا تھا۔ لیکن اس کے قریباً دو سال بعد یعنی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو مرزا صاحب کو ایک اور الہام ہوا کہ ایک نہیں بلکہ متعدد عورتیں تمہارے نکاح میں آئیں گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں "پھر خدائے کریم جل شانہٗ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں تو بعض کو اس (نصرت بیگم) کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۶۰) لیکن اس الہام کے بعد نہ مرزا صاحب نے کوئی نکاح کیا۔ نہ خواتین مبارکہ یا نامبارکہ ہاتھ آئیں۔ اگر محمدی بیگم سے عقد ہو جاتا تو یہ الہام کھینچ تان کر پورا کیا جا سکتا تھا۔ لیکن رب غیور نے نہ چاہا کہ جھوٹ کو سچ کر دکھائے۔ جب الہامی صاحب نے مزید عورتوں سے شادی کرنے کا الہام شائع کیا تو منشی محمد رمضان نام کسی صاحب نے "پنجابی اخبار" کی اشاعت مؤرخہ ۲۰ مارچ ۱۸۸۶ء میں الہامی صاحب کا خوب مذاق اُڑایا۔ چنانچہ الہامی صاحب خود لکھتے ہیں۔ "۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں یہ پیشگوئی خدائے تعالیٰ کی طرف سے بیان کی گئی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہوگی۔ اس پیشگوئی پر منشی محمد رمضان صاحب فرماتے ہیں کہ الہام کس قسم کا ہوتا ہے۔ نیکوں کو نیک باتوں کا اور زانیوں کو عورتوں کا (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۹۰)

پارسا طبع اور نیک سیرۃ اہلیہ

۸ جون ۱۸۸۶ء کو مرزا صاحب نے حکیم نور الدین صاحب کو خط لکھا کہ جو عنایات خداوند کریم جل شانہٗ کی اس عاجز کے شامل حال ہیں اُن کے بارہ میں ہمیشہ یہی دل چاہتا ہے کہ اپنے دوستوں سے کچھ اس میں سے بیان کرتا رہوں۔ سو آپ سے بھی جو میرے مخلص دوست ہیں ایک راز پیشگوئی کا بیان کرتا ہوں۔ شاید چار ماہ کا عرصہ ہُوا کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک فرزند قوی الطاقتین کامل الظاہر والباطن تم کو عطا کیا جائے گا۔ سو اس کا نام (عمنوائیل اور) بشیر ہوگا۔ اب تک میرا خیال تھا کہ شاید وہ فرزند مبارک اسی اہلیہ (نصرت بیگم) سے ہوگا۔ اب زیادہ الہام اس بات میں ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایک اور نکاح تمہیں کرنا پڑے گا۔ اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی وہ صاحب اولاد ہوگی۔ اس میں تعجب کی بات یہ ہے کہ جب الہام ہوا تو ایک کشفی عالم میں چار پھل مجھ کو دیئے گئے تین ان میں سے تو آم کے تھے۔ مگر ایک پھل سبز رنگ بہت بڑا تھا۔ وہ اس جہان کے پھلوں سے مشابہ نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پھل جو اس جہان کے پھلوں میں سے نہیں ہے وہی مبارک لڑکا ہے کیونکہ پھلوں سے مراد اولاد ہے اور جبکہ ایک پارسا طبع اہلیہ کی بشارت دی گئی اور ساتھ ہی کشفی طور پر چار پھل دیئے گئے جن میں سے ایک پھل الگ وضع کا ہے تو یہی سمجھا جاتا ہے۔ اب مخالفین آنکھوں کے اندھے اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں اب کی دفعہ لڑکا پیدا نہیں ہُوا۔ میری دانست میں اس لڑکے کے تولد سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیسری شادی ہو جائے کیونکہ اسی تیسری شادی میں اولاد ہونے کے اشارات پائے جاتے ہیں۔ غالباً اس تیسری کا وقت نزدیک ہے۔ اب دیکھیں کہ کس جگہ ارادۂ ازل نے اس کا ظہور مقرر کر رکھا ہے۔ الہامات اس بارہ میں کثرت سے

ہوئے ہیں اور ربانی ارادہ میں کچھ جوش سا پایا جاتا ہے (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۵-۶)

تیسری شادی تقدیر مُبرَم ہے

۲۰ جون ۱۸۸۶ء کو مرزا صاحب نے جو چٹھی حکیم نورالدین کے نام روانہ کی اس میں لکھا کہ اس عاجز نے جو آپ کی طرف لکھا تھا وہ صرف دوستانہ طور پر بعض اسرار الہامیہ پر مطلع کرنے کی غرض سے لکھا گیا کیونکہ اس عاجز کی یہ عادت ہے کہ اپنے احباب کو ان کی قوت ایمانی بڑھانے کی غرض سے کچھ کچھ امور غیبیہ بتا دیتا ہے۔ اور اصل حال اس عاجز کا یہ ہے کہ جب سے اس تیسرے نکاح کے لئے اشارہ غیبی ہوا ہے تب سے طبیعت متفکر و متردد ہے اور حکم الٰہی سے گریز کسی جگہ نہیں۔ مگر بالطبع کارہ ہے۔ اور ہر چند اول اول یہ چاہا کہ یہ امر غیبی موقوف رہے لیکن متواتر الہامات و کشوف اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ تقدیر مبرم ہے (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۵) معلوم ہو کہ تقدیر دو قسم کی ہے معلق اور مُبرَم معلق وہ ہے جو دعا، دوا یا کسی دوسری تدبیر سے ٹل جائے اور مُبرَم وہ ہے جو کبھی نہ ٹلے اور کوئی دعا دوا اور تدبیر اس کے لئے کارگر نہ ہو۔ سو مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرا نکاح تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ لیکن بایں ہمہ مرزا صاحب نے کوئی تیسرا نکاح نہ کیا اور یہ تقدیر مبرم جس کے لئے بہت دنوں سے متواتر الہامات و کشوف ہو رہے تھے ٹل گئی اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ تمام تر کشف و الہام جن میں تیسری شادی کو تقدیر مبرم بتایا گیا تھا سراسر شیطانی القا تھے۔

تیسری شادی کے منتظر و امیدوار

ان الہامات کے گیارہ سال بعد مرزا صاحب نے کتاب "انجام آتھم" لکھی۔ یہ کتاب ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی تھی اس کے ضمیمہ میں لکھا کہ میں ہنوز تیسری بیوی کا منتظر ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

"براہین کے صفحہ ۴۹۶ کے الہام میں تین جگہ زوج کا لفظ آیا اور تین نام اس عاجز کے رکھے گئے۔ پہلا نام آدم۔ یہ وہ ابتدائی نام ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس عاجز کو روحانی وجود بخشا اس وقت پہلی زوجہ کا ذکر فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ کے وقت میں مریم نام رکھا کیونکہ اس وقت مبارک اولاد دی گئی اور تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا۔ اور یہ لفظ احمد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُس (تیسری شادی کے) وقت حمد اور تعریف ہوگی (ضمیمہ انجام آتھم مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۵۴) رئیس قادیان کو ۱۸۹۷ء تک تیسری شادی کی آس لگی ہوئی تھی تو اس کی یہ وجہ تھی کہ انہیں محترمہ محمدی بیگم سے نکاح ہو جانے کے اب تک الہام ہو رہے تھے چنانچہ اسی کتاب انجام آتھم کے صفحہ ۳۲ پر ایک الہام موجود ہے ویردھا الیک (خدا تعالیٰ محمدی بیگم کو تمہارے پاس لوٹا لائے گا) بہر حال ہمارے الہامی صاحب تیسری شادی کے ارمان دل ہی میں لیکر دنیا سے چل دیئے۔ نہ محمدی بیگم طال عمرہا پر دسترس پائی اور نہ کسی اور بیوی کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی حالانکہ مرزا صاحب کو سالہا سال سے اس کے لئے متواتر الہامات ہو رہے تھے اور ان کے حاجی خدا نے یہاں تک جتلا دیا تھا کہ یہ تقدیر مُبرَم ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتی

باب ۳۱ - عم زاد بھائیوں کی نسل منقطع ہونے کی پیشین گوئی

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو الہامی صاحب نے اپنا ایک الہام شائع کیا جس میں لکھا کہ خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی۔ اور ہر ایک شاخ تیرے جدّی بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد لا ولد رہ کر ختم ہو جائے گی۔ اور ایک اُجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا (البشریٰ جلد ۲ ص ۴) اس الہام تین باتوں کی پیشین گوئی ہے (۱) نصرت بیگم

صاحبہ کے عقد کے بعد متعدد خواتین مرزا صاحب کے حبالۂ عقد میں آئیں گی اور ان سے بہت اولاد ہو گی اور خوب نسل پھیلے گی۔ (۲) عم زاد بھائی مرزا امام الدین، مرزا نظام الدین اور مرزا کمال الدین دنیا سے لاولد جائیں گے اور ان تینوں کی نسل منقطع ہو جائے گی (۳) خدا ایک اجڑا ہوا گھر الہامی صاحب کی ذات سے آباد کرے گا۔" امر اول کے متعلق التماس ہے کہ الہامی صاحب کی پہلی شادی لڑکپن میں ہوئی تھی اور ان کی ہنوز سولہ ہی سال کی عمر تھی کہ مرزا سلطان احمد ان کے گھر میں متولد ہوئے تھے۔ دوسری شادی ۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ جس کا تذکرہ بائیسویں باب میں ہو چکا ہے۔ اس شادی کے قریباً دو سال بعد یعنی بتاریخ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء الہامی صاحب کو القا ہوا کہ اور خواتین مبارکہ بھی آپ کے عقد میں آئیں گی جن سے آپ کی نسل بہت پھیلے گی۔" حالانکہ ۱۸۸۶ء کے بعد کوئی مبارکہ یا نامبارکہ خاتون مرزا صاحب کے سلک ازواج میں منسلک نہ ہوئی۔ البتہ محترمہ محمدی بیگم سے نکاح کی توقعات تھیں لیکن بدنصیبی سے وہ پوری نہ ہو سکیں۔ پس یہ پیشین گوئی قطعاً جھوٹی نکلی۔ ظاہر ہے کہ اگر منجانب اللہ ہوتی تو اس میں تخلف کا کوئی امکان نہ تھا لیکن چونکہ یہ نابکار پیچی ٹیچی یا کسی دوسرے ابلیس زادہ کی بتائی ہوئی اطلاع تھی اس لئے غلط نکلی اور الہامی صاحب کو اس کی وجہ سے ہدف سہام ملامت بننا پڑا۔

عم زاد بھائیوں کی نسل منقطع نہیں ہوئی

الہام میں دوسری پیشین گوئی یہ تھی کہ مرزا امام الدین، نظام الدین اور کمال الدین لاولد مریں گے۔ اور ان کی نسل ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گی۔" اس کے متعلق لالہ لکشمن جی آریہ اپدیشک نے کتاب "قادیانی مسیح کا کچا چٹھا" میں زیر عنوان "اپنے خاندان والوں کا ناش" لکھا کہ یہ پیشین گوئی مرزا صاحب کے اخلاق کا پتہ دیتی ہے اپنے بھائی بندوں اور قریبی رشتہ داروں کی بربادی میں خوش ہونا کسی خداترس یا پابند مذہب شخص کا کام نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کو معلوم تھا کہ چچا کے بیٹے لاولد ہیں آئندہ ان کے اولاد نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے انہیں اس قسم کا الہام ہوا۔ قادیانی صاحب کے دو چچے تھے۔ ایک کا بیٹا حسن بیگ مرزائی دھما چوکڑی سے بہت عرصہ پہلے مفقود الخبر تھا۔ دوسرے چچا غلام محی الدین کا بڑا بیٹا (مرزا امام الدین) پچپن سال کی عمر تک لاولد تھا۔ اور دوسرے بیٹے نظام الدین کی عمر مرزا صاحب کے الہام کے وقت پچاس سال کی تھی اور اس کے بھی اب تک کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اور تیسرا بیٹا کمال الدین عالم شباب ہی میں عضو تناسل کٹوا کر بنگ نوش فقرا میں داخل ہو گیا تھا۔ پس نہ کسی کے اولاد تھی اور نہ آئندہ ہونے کی کوئی امید تھی کیونکہ ہر جاہل سے جاہل شخص بھی اس بربادی کا پہلے سے یقین کئے بیٹھا تھا (قادیانی مسیح کا کچا چٹھا مطبوعہ دہلی ص ۱۲۸/۱۲۹) باوجودیکہ کسی شخص کو یقین نہ تھا کہ یہ گھرانا بھی کبھی سرسبز ہو گا اور الہامی صاحب کے عم زاد بھائیوں میں سے کسی کے اولاد ہو گی لیکن خدائے نیرنگ ساز کی قدرت کی اعجوبہ نمائیاں دیکھو کہ مرزا صاحب کی اس پیشین گوئی کے بعد مرزا نظام الدین کے گھر ایک لڑکا متولد ہوا۔ جس کا نام گل محمد رکھا گیا۔ پس قطع نسل کی پیشین گوئی بھی باوجود قرین قیاس ہونے کے جھوٹی نکلی۔ لیکن مرزائی خیرہ سری کا کمال ملاحظہ ہو کہ لڑکا متولد ہونے اور اس کے نہ صرف زندہ سلامت موجود رہنے بلکہ جوان سال ہو جانے کے باوجود میاں بشیر احمد ایم اے پسر مرزا غلام احمد صاحب کی نظر میں قطع نسل کا الہام پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایم اے صاحب "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں "اس وقت صرف نظام الدین کا لڑکا گل محمد زندہ ہے جو بیعت میں داخل ہو چکا ہے۔ باقی سب کی اولاد نہیں رہی اور قطع نسل کا الہام پورا ہو گیا۔ (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۴۴)

نسل منقطع کرنے کی عملی جدوجہد

مقامی روزنامہ "زمیندار" نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ مرزا گل محمد کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں اس لئے اُنہوں نے دوسری شادی کرنی چاہی۔ اس خبر سے قصرِ خلافت میں زلزلہ آگیا اور "محکمہ پیشین گوئی" نے اس شادی کی راہ میں روڑے اٹکانے کی انتہائی کوشش کی چنانچہ پہلی بیوی کے رشتہ داروں کو سکھا پڑھا کر یہ مطالبہ کرایا گیا کہ گل محمد کو دوسری شادی کی اجازت اس شرط پر دی جائے کہ وہ اپنی تمام جائداد پہلی بیوی کے نام کر دیں۔ مرزا گل محمد نے پہلی بیوی کا یہ مطالبہ بھی منظور کر لیا اور ایسی دھوم دھام سے دوسری شادی کی کہ مرزائیوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اور جب ان کی بیوی حاملہ ہوئیں تو محکمہ پیشین گوئی میں کھلبلی مچ گئی چنانچہ اب یہ کوشش شروع ہوئی کہ گل محمد صاحب کے گھر جو بچی یا بچہ پیدا اُسے کسی نہ کسی طرح عدم آباد پہنچا دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بچہ پیدا ہوا تو دائی نے اس کا نال اچھی طرح دھاگے سے نہیں باندھا اور بچہ بہت زیادہ خون خارج ہو جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا" (روزنامہ زمیندار لاہور مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۵ء) جریدہ زمیندار نے اس اطلاع کا ماخذ نہیں بتایا لیکن امید ہے کہ اس نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوئے کافی تحقیق کے بعد اس خبر کو شائع کیا ہو گا۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو عجب نہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کی پیشین گوئی کے پورا کرنے کی خاطر مرزا گل محمد صاحب کی نوزائیدہ اولاد سے بھی یہی خون آشام سلوک ہوتا رہے۔

تیسری پیشین گوئی بھی جھوٹی نکلی

مرزا صاحب کے الہام میں تیسری پیشین گوئی یہ تھی کہ خدا ایک اُجڑا ہوا گھر مرزا صاحب کے ذریعہ سے آباد کرے گا"۔ اس اجمال کی تفصیل خود مرزا صاحب نے یوں فرمائی تھی۔ " یہ ایک پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے جو ۱۰ جولائی کے اشتہار میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیش گوئی ظاہر کی ہے کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے۔ اگر وہ اپنی بڑی لڑکی اس عاجز کو نہیں دے گا تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائیگا۔ اور جو شخص اس لڑکی سے نکاح کرے گا وہ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہو گا اور آخر وہ عورت اس عاجز کی بیویوں میں داخل ہو گی سو اس جگہ اجڑے ہوئے گھر سے وہ اُجڑا ہوا گھر مراد ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۶۰-۶۱ حاشیہ) ظاہر ہے کہ الہام کا یہ حصہ بھی جھوٹا نکلا۔ مرزا احمد بیگ نے اپنی لڑکی مرزا صاحب سے نہ بیاہی بلکہ ان کی جگہ مرزا سلطان محمد اس شادی سے شادکام اور فائز المرام ہوئے۔ مرزا سلطان محمد اور ان کی اہلیہ محترمہ محمدی بیگم طال عمرہا اب تک زندہ سلامت موجود ہیں اور ہر قسم کی خداداد نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور بحمد اللہ ان کا گھر پوری طرح آباد ہے۔

باب ۳۲۔ "سراج منیر" اور دوسرے رسالوں کی اشاعت کے سبز باغ

جب الہامی صاحب "براہین احمدیہ" کا وصول شدہ سرمایہ چند سال کی سرگرمیوں کی نذر کر چکے تو اب حصولِ زر کے لئے کسی مزید عملی اقدام اور جدوجہد کی ضرورت محسوس فرمائی۔ باوجودیکہ اب مریدوں سے نذرانہ اور قرض کی شکل میں اچھی آمدنی ہو رہی تھی تاہم عام دنیا داروں کی طرح ان کی ہر وقت یہی کوشش تھی کہ اپنے مداخل اور ذرائع آمد کی توسیع کی جائے جس طرح ایک ہوشیار تاجر اپنے کاروبار کی ترقی کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرتا ہے اسی طرح ہمارے الہامی صاحب نے تقدس کی الہامی

بیع وشرا کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے کاروبار بھی شروع کر رکھے تھے۔ مثلاً گراں قیمتوں پر کتابوں کی فروخت کا کاروبار وسیع پیمانہ پر چل رہا تھا۔ دواؤں کی فروخت سے بھی آمدنی تھی اور خاص خاص مرفہ الحال مریدوں سے قرض کے نام پر بھی بڑی بڑی رقمیں وصول کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک بڑا ذریعہ اُن ذہنی اور خیالی کتابوں کی خرید و فروخت تھا جن کی اشاعت کے وعدے کر کے ہمارے مجدد صاحب زبردست پروپیگنڈا کیا کرتے اور پیشگی رقمیں وصول فرما کر کچھ اس طرح خواب بے اعتنائی میں سو جاتے تھے کہ پھر کروٹ بدلنا گناہ عظیم ہو جاتا تھا۔

وعدوں کا غیر متناہی سلسلہ

الہامی صاحب نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار زیر عنوان "رسالہ سراج منیر" مشتمل بر نشانہائے ربّ قدیر" شائع کیا جس میں لکھا کہ یہ رسالہ اس احقر مؤلف براہین نے اس غرض سے تالیف کرنا چاہا ہے کہ تا منکرین حقیت اسلام کی آنکھوں کے آگے ایک ایسا چمکتا ہوا چراغ رکھا جائے جس کی ہر ایک سمت سے گوہر آبدار کی طرح روشنی نکل رہی ہے اور بڑی بڑی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ اب یہ رسالہ قریب الاختتام ہے اور انشاء اللہ القدیر صرف چند ہفتوں کا کام ہے (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۵۵) اس کے بعد رسالہ "شحنۂ حق" شائع کیا جس کے صفحہ الف پر یہ اشتہار تھا۔ "چونکہ رسالہ "سراج منیر" چودہ سو روپیہ کی لاگت سے چھپے گا اس لئے چھپنے سے پہلے خریداروں کی درخواستیں آنا ضروری ہیں تا بعد میں دقتیں پیدا نہ ہوں۔ قیمت اس رسالہ کی ایک روپیہ علاوہ محصول ہو گی۔ جب ایک حصہ کافی درخواستوں کا آ جائے گا تو فی الفور کتاب کا طبع ہونا شروع ہو جائے گا آگے چل کر صفحہ ۱۴ پر لکھا کہ اب رسالہ سراج منیر" بہت جلد نکل کر دروغ گوؤں کا منہ کالا کرنے والا ہے"۔ ملہم قادیاں نے ایک موقع پر منشی عبد الحق سے مصلحتاً پانچ سو روپیہ قرض لیا تھا۔ جب روپے کی ریل پیل ہوئی تو الہامی صاحب نے منشی عبد الحق کو لکھ بھیجا کہ اب روپیہ برابر آ رہا ہے اس لئے آپ اپنا پانسو روپیہ قرضہ لے لیں"۔ تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ قرضہ کے لئے آپ فکرمند نہ ہوں۔ آپ اسی روپیہ سے "رسالہ سراج منیر" چھپوالیں۔ غرض مرزا صاحب کو رسالہ کی پیشگی قیمتوں کے علاوہ اس مد میں پانسو روپیہ کی مزید امداد مل گئی۔ اس کے علاوہ مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی لکھتے ہیں کہ مرزا جی نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں رسالہ "سراج منیر" کے چند ہفتوں کے اندر شائع کر دینے کا وعدہ کر کے مسلمانان پٹیالہ سے سیکڑوں روپیہ وصول کر لیا۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ ص ۱۳) گو مجدد صاحب اس وقت تک سیکڑوں خریداروں سے پیشگی رقمیں وصول کر چکے تھے تاہم عالم خیال کے سوا کتاب کا کہیں پتہ نہ تھا اور ملک میں ہر طرف یہ چرچہ تھا کہ جس طرح مرزا صاحب نے براہین کے نام پر ہزارہا روپیہ وصول کر کے چپ سادھ لی ہے اسی طرح اب "سراج منیر" کی رقمیں ہضم کر گئے ہیں ان حالات سے متاثر ہو کر الہامی صاحب کے ایک خاص مرید منشی رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر جالندھر نے قادیانی صاحب سے دریافت کیا کہ رسالہ "سراج منیر" کب چھپے گا؟ مرزا جی نے ۱۱ مارچ ۱۸۸۶ء کو اس کا یہ جواب دیا کہ "سراج منیر" کا کام بڑا ہے اس پر دو ہزار کے قریب روپیہ خرچ ہو گا۔ خیال یہ ہے کہ اول خریداروں کی درخواستیں دو ہزار تک پہنچ جائیں پھر چھپنا شروع ہو۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۲۳) حالانکہ اس سے سوا چار مہینے پیشتر یعنی ۴ نومبر ۱۸۸۶ء کے ایک خط میں حکیم نورالدین صاحب کو اطلاع دے چکے تھے کہ اب رسالہ "سراج منیر" کے چھپنے میں کچھ دیر نہیں معلوم ہوتی (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۱۱) منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ کا بیان ہے کہ جب مرزا صاحب نے

"سراج منیر" کے لئے چندہ کی اپیل کی تو خوب روپیہ وصول ہُوا لیکن جب الہامی صاحب اس کے چھپوانے میں لیت و لعل کرنے لگے تو میں نے ۱۸۸۶ء کے اواخر میں مرزا صاحب کو بذریعہ خط وعدہ خلافی کی شکایت لکھ بھیجی۔ ان دنوں الہامی صاحب اپنے خسر کے پاس انبالہ میں تشریف فرما تھے۔ مرزا صاحب یہ خط پڑھ کر سخت برہم ہوئے لیکن پھر بھی رسالہ چھپوا کر خریداروں کی حق رسی کا عزم نہ فرمایا۔ اس کے بعد جب کتاب "سرمۂ چشم آریہ" شائع کی تو اس کے سرورق پر وعدہ کیا کہ اب اس کے بعد رسالہ "سراج منیر" اور اس کے بعد براہین کا پانچواں حصہ چھپنا شروع ہو گا مگر وُہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے۔ (عصائے موسیٰ مؤلفہ منشی الٰہی بخش مرحوم صفحہ ۴۲۸)

گیارہ سال کے بعد آخر جب دس سال کی مدت مدید کے بعد ایک مرتبہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے ماہوار رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں لکھا کہ مرزا صاحب "سراج منیر" کے نام پر لوگوں سے سیکڑوں روپے وصول کر چکے ہیں لیکن اس وقت تک کہ ۱۸۹۷ء ہے اس کو شائع نہیں کیا۔ تو الہامی صاحب کی رگِ غیرت گیارہ سال کے بعد جنبش میں آ گئی چنانچہ اسی سال بہتر ۷۲ صفحات کا ایک چھوٹا سا رسالہ چھاپ کر معترضین کے مُونہوں پر مُہرِ سکوت لگا دینی چاہی۔ یہ وہی بہتر صفحوں کا رسالہ تھا جس کی چھپائی کا خرچ پہلے چودہ سو روپیہ اور پیچھے دو ہزار روپیہ بتایا جاتا رہا حالانکہ اگر اس رسالہ کا ایک ہزار نسخہ چھاپا جائے تو اس پر زیادہ سے زیادہ ڈالت بادن روپے یعنی فی نسخہ ایک آنہ سے بھی کم آتی ہے لیکن الہامی صاحب لوگوں سے اسکی قیمت ایک ایک روپیہ وصول کر چکے تھے۔ پھر لطف یہ ہے کہ گیارہ سال کے بعد جب رسالہ چھپا تو قیمتاً دیا گیا (عشرہ کاملہ صفحہ ۵۵) کیونکہ اوّل تو گیارہ سال کے بعد بہت سے خریدار طعمۂ اجل ہو چکے ہوں گے۔ دوسرے جو شخص گیارہ سال پیشتر کسی کام میں ایک روپیہ دے چکا ہو وُہ اتنے عرصۂ دراز کے بعد اس کا مطالبہ کرتے ہوئے خود ہی شرم محسوس کرے گا اور دل میں سمجھ لے گا کہ چلو کسی مسکین بے نوا کو خیرات دے دی تھی۔ علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ یہ وُہ موعودہ رسالہ "سراج منیر" نہیں جس کے لئے مسلمانوں سے چودہ سو یا دو ہزار روپیہ وصول کیا تھا جس "سراج منیر" کی طباعت و اشاعت کا ابتداء میں وعدہ کیا گیا تھا وُہ حقائق اسلام پر مشتمل ہونا چاہیئے تھا لیکن اس نام نہاد "سراج منیر" میں قادیاں کی خانہ ساز مسیحیت کے پروپیگنڈا اور اپنی جھوٹی پیشین گوئیوں کو سچا ثابت کرنے کی بہتان طرازی کے سوا اور کچھ درج نہیں۔

ماہوار رسالہ "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" کے وعدے "سراج منیر" کی طباعت سے نجات پائی تو حضرت مرزا صاحب نے اپنی عنان توجہ ماہوار رسالوں کی طرف پھیر دی۔ اور ان کے لئے زور دار پروپیگنڈا شروع کیا۔ سب سے پہلے کتاب "شحنۂ حق" میں ایک ماہوار رسالہ "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" کا لمبا چوڑا اشتہار شائع کیا جو کتاب مذکور کے سات صفحوں (۹-۱۵) میں پھیلا ہُوا ہے اور لکھا کہ اس کا پہلا پرچہ ۲۰ جون ۱۸۸۷ء کو نکلے گا اس کے بعد ہر مہینے باقاعدہ شائع ہوتا رہیگا۔ اس رسالہ کے اغراض و مقاصد کی تشریح ان الفاظ میں کی "خدا دُنیا کو قرآنی شعاؤں سے منوّر کریگا اور شیر طینتوں پر ان کی کور باطنی ظاہر کریگا۔ قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" وہی مومنوں کا دوست صادق ہے جس کے قدوم میمنت لزوم کا اصل موجب دشمن ہی ہوئے ورنہ خدائے کریم علیم ہے کہ اس سے پہلے میں جانتا بھی نہیں تھا کہ ایسے رسالہ ماہواری کے نکالنے کی خدمت بھی مجھ سے ظہور میں آئیگی۔ اور لکھا "ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس رسالہ میں پہلے اسی بحث کو چھیڑینگے کہ خدائے تعالیٰ کی پاک اور کامل صفتیں اور

اس کی خدائی کی صفتیں اور قدرتیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جسم اور جسمانی ہونے سے منزّہ ہے وید میں صحیح اور کامل طور پر پائی جاتی ہیں یا قرآن میں ؟ اور لکھا کہ ہم بشارت دیتے ہیں کہ جون ۱۸۸۷ء سے برطبق درخواست ان کے ایسا رسالہ ماہواری شائع کرنا شروع کر دینگے لیکن ساتھ ہی ہم بادب عرض کرتے ہیں کہ جب وُہ رسالہ "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" شائع ہونا شروع ہو تو پھر لالہ صاحبان مقابلہ سے کہیں بھاگ نہ جائیں اور آگے چل کر لکھا کہ اب آریہ لوگ ایک چلّو پانی میں ڈوب مریں کہ ایسی فاش غلطی کھائی۔ ہم "قرآنی طاقتوں کے جلوہ گاہ" میں دکھائیں گے کہ وید تو خود دشمن صفات الٰہی ہیں (شحنۂ حق صفحہ ۷) انہی ایّام میں الہامی صاحب نے اپنے ایک خط میں حکیم نورالدین کو لکھا کہ "میں نے وعدہ کر رکھا ہے کہ رسالہ قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ جون کے ماہ میں شائع ہوگا (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ صفحہ ۴۳) مگر الہامی صاحب کا یہ وعدہ بھی کبھی شرمندۂ ایفا نہ ہوا۔ شیخ یعقوب علی مرزائی نے لکھا ہے کہ حضرت اقدس "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" ماہوار رسالہ جاری فرمانا چاہتے تھے مگر بعد کے واقعات و حالات نے حضور کو اور طرف متوجہ کر دیا (ایضاً نمبر ۳ ص ۳۵) معلوم نہیں حضرت "مجدّد" صاحب نے اس رسالہ کے لئے بھی لوگوں سے پیشگی رقمیں وصول کی تھیں یا نہیں ؟ بصورت قبول ان رقموں کا بھی وہی حشر ہوا ہوگا جو براہین کی رقموں کا ہوا۔

لوگوں سے زکوٰۃ بھیجنے کی درخواست

"قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" جب طاق نسیان پر رکھ دیا گیا تو اب الہامی صاحب نے اعلان کیا کہ مسٹر الگزنڈر ویب امریکن نے محاسن اسلام پر ایک بیش بہا کتاب لکھی ہے اور ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے فائدہ کے لئے اس کا اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے۔ یہ لکھ کر الہامی صاحب نے مسلمانوں سے چندہ کی پُرزور اپیل کی اور لوگوں نے اس کے ترجمہ کے لئے انہیں دھڑا دھڑ روپیہ بھیجنا شروع کیا۔ منشی الٰہی بخش مرحوم اکونٹنٹ لاہور نے جو سالہا سال تک مرزائیت کے غاشیہ بردار رہ چکے تھے کتاب "عصائے موسیٰ" میں لکھا ہے کہ کتاب موعود کا ترجمہ تو وعدہ وعید میں نابود ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی وُہ روپیہ بھی خورد بُرد ہو گیا جو مسٹر ویب کی کتاب کے ترجمہ کے لئے وصول کیا تھا۔ اسکے بعد مرزا صاحب نے ایک مسجد کیلئے روپیہ جمع کیا لیکن نہ وُہ مسجد بنی اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ چندہ کا روپیہ کیا ہوا (عصائے موسیٰ مطبوعہ لاہور ص ۴۴۸) قادیانی صاحب نے ۱۸۹۷ء میں رسالہ "تجدید دین یا اشعۃ القرآن" کی اشاعت کا بھی وعدہ فرمایا تھا لیکن پھر اس کا نام ہی کتابوں میں رہ گیا۔ کسی کو اس کی دید کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ ۲۸ مئی ۱۸۹۲ء کو رسالہ "نشانِ آسمانی" کے صفحہ ۴۲ پر ایک اپیل شائع کی جس کے دو عنوان تھے۔ "باہمت دوستوں کی خدمت میں امداد کی اپیل" اور "اے مرداں! بکوشید و برائے حق بجوشید" اس اپیل میں فرمایا کہ پختہ ارادہ ہے کہ اس رسالہ "نشان آسمانی و شہادۃ الملہمین" کی طباعت کے بعد رسالہ "دافع الوساوس" طبع و شائع کیا جائے لیکن مجدّد صاحب اپنی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" ہی کا دوسرا نام "دافع الوساوس" رکھ کر اس وعدہ سے بسہولت بری الذمہ ہو گئے۔ اب الہامی صاحب نے وعدہ کیا کہ رسالہ "حیات النبی و ممات المسیح" شائع ہوگا اور فرمایا کہ اس رسالہ کا انگریزی ترجمہ کرا کر یورپ اور امریکہ بھی بھیجا جائیگا۔ اس کے بعد بلا توقف براہین احمدیہ کا پانچواں حصّہ جس کا دوسرا نام "ضرورت القرآن" رکھا گیا ہے ایک جداگانہ کتاب کی حیثیت سے چھپنا شروع ہوگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وُہ خریدار براہین حصّہ پنجم پر اپنا کوئی حق نہ سمجھیں جو براہین کی قیمت کئی سال پیشتر ادا کر چکے تھے۔

اور لکھا کہ اس سلسلہ کو جاری رکھنے کیلئے یہ احسن انتظام خیال کرتا ہوں کہ ہر ایک رسالہ جو میری طرف سے شائع ہو میرے ذی مقدرت دوست اُسکی خریداری سے مجھ کو بال وجان مدد دیں۔ پھر فرمایا کہ اگر میری جماعت میں ایسے اصحاب ہوں جن پر زکوٰۃ فرض ہو تو زکوٰۃ دیکر اسی راہ میں اعانتِ اسلام کریں جس طرح اس وقت اسلام یتیم اور غریب اور بیکس ہے کوئی اور نہیں۔ اور زکوٰۃ نہ دینے میں جس قدر تہدید شرع میں وارد ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ اور قریب ہے کہ منکرِ زکوٰۃ کافر ہو جائے پس فرض ہے کہ زکوٰۃ کے روپیہ سے کتابیں خریدی جائیں اور وہ کتابیں مفت تقسیم کی جائیں۔ (عصائے موسیٰ ص ۴۲۸)

"اربعین" اور "نور القرآن" کے متعلق وعدہ خلافیاں قادیانی صاحب نے ۲۳ جولائی ۱۹۰۰ء کو اعلان کیا "آج میں نے اتمام حجت کیلئے یہ ارادہ کیا ہے کہ مخالفین اور منکرین کی دعوت میں چالیس اشتہار شائع کروں۔ ہر اشتہار پندرہ پندرہ دن کے بعد نکلا کریگا جب تک کہ چالیس اشتہار پورے ہو جائیں یا جب تک کہ کوئی مخالف صحیح نیت کے ساتھ بغیر گندی حجت بازی کے جس کی بدبو ہر ایک کو آسکتی ہے میدان میں آکر میری طرح کوئی نشان دکھلا سکے۔ اس رسالہ کا نام اربعین ہوگا (رسالہ اربعین نمبر اوّل صفحہ اوّل) جب اربعین کے چار نمبر نکل چکے تو الہامی صاحب نے چار ہی کو چالیس قرار دیتے ہوئے نمبر ۴ پر یہ لکھ کر اس سلسلہ کو بند کر دیا کہ "چونکہ وہ امر پورا ہو چکا جس کا میں نے ارادہ کیا تھا اس لئے میں نے ان رسائل کو صرف چار نمبر تک ختم کر دیا اور آئندہ شائع نہیں ہوگا (رسالہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۴) لیکن الہامی صاحب کا یہ بیان قطعاً غلط ہے کہ جو امر جس کو پیش نظر رکھ کر رسالہ اربعین جاری کیا تھا پورا ہو گیا کیونکہ انہوں نے تو لکھا تھا کہ یا تو چالیس نمبر پورے کئے جائیں گے یا اگر کوئی مخالف میرے مقابلہ پر آکر کوئی نشان دکھا دیگا تو اس وقت رسالہ کی اشاعت موقوف کر دی جائیگی حالانکہ الہامی صاحب نے نہ رسالہ کے چالیس نمبر پورے کئے اور نہ کسی مخالف نے آکر کوئی نشان دکھلایا۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ مجدد صاحب نے چار ہی نمبروں میں خریداروں کے سال بھر کے چندے ہضم کر لئے ہونگے مرزا جی نے رسالہ اربعین کی اشاعت بند کرنے کے متعلق جو حیلہ جوئی کی ہے وہ اس قدر مضحکہ خیز ہے کہ دُنیا کا اجہل سے اجہل انسان بھی اس پر ہنس دیگا۔ لکھتے ہیں کہ جس طرح خدائے عزوجل نے اوّل پچاس نمازیں فرض کیں۔ پھر تخفیف کر کے پانچ کو بجائے پچاس کے قرار دیدیا اسی طرح میں بھی اپنے رب کریم کی سنت پر ناظرین کیلئے تخفیف، تصدیع کر کے نمبر ۴ کو بجائے نمبر چالیس کے قرار دیتا ہوں۔ (رسالہ اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۴) لیکن الہامی صاحب کی یہ منطق اسی حالت میں قابل التفات ہو سکتی تھی جبکہ خداوند عالم عزاسمہ نے بھی (معاذ اللہ) قادیانی صاحب کی طرح کسی بات کا وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کی ہوتی یا خریداروں کے پاس بارہ رسالے بھیجنے کی بجائے انہیں چار ہی پر ٹرخا دیا ہوتا۔ خداوند عالم نے تو واقعی تخفیف تصدیع کی تھی کہ پچاس نمازوں کی جگہ پانچ نمازیں کر دیں۔ لیکن مرزا جی نے خریدارانِ رسالہ کی تکلیف زیادہ کر دی کہ انہیں باقی ماندہ آٹھ رسالے بھیجنے سے انکار کر دیا۔ الہامی صاحب نے اربعین کی طرح ایک ماہوار رسالہ "نور القرآن" بھی جاری کیا تھا لیکن اس کے دو ہی نمبر نکال چکنے کے بعد ان کا استقلال جواب دے بیٹھا اور رسالہ بند کر دیا (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۳۵)

✦

باب ۳۳ - ہوشیار پور میں چلّہ کشی

کسی عارف نے فرمایا ہے ؎

اسرارِ حقیقت نتواں یافت بہ قال | نے در باختنِ دولت و ملّت و مال
تا خوں نہ کنی دو دیدۂ دل پنجاہ سال | ہرگز ندہند راہت از قال بہ حال

لیکن قادیاں کے مجدد صاحب بغیر اس کے کہ کبھی کوئی ریاضت کی ہو یا خلوص و نیازمندی کے ساتھ کسی شیخ ظریقت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی تمام منزلیں طے کرنے کے مدّعی تھے وہ ہر وقت اس خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ فسوں طرازی کی دکان کس طرح زیادہ فروغ پا سکتی ہے اس سلسلۂ غور و تفکر میں ایک دن خیال آیا کہ اہل اللہ منازل قرب کے طے کرنے میں بڑی بڑی مشقتیں اٹھاتے رہے ہیں۔ جو ہم بھی کچھ ریاضت و مجاہدہ کر کے صوفیائے صفاکیش کی نقالی کر دیکھیں۔ ممکن ہے کہ کچھ رنگ چڑھ جائے ورنہ شہرت و ناموری کا مقصد عظیم تو کسی طرح ہاتھ سے نہیں جا سکتا اس خیال کے پیشِ نظر انہوں نے ۱۸۸۶ء کے شروع میں چلّہ کشی کا ارادہ کیا۔ گو قادیاں میں رہ کر چلّہ کاٹنے میں بھی حصولِ شہرت کا مقصد عزیز حاصل ہو سکتا تھا تاہم قادیانی صاحب نے اس کام کیلئے ایک بڑا مقام ہوشیار پور کو منتخب فرمایا جس کی غرض شاید یہ ہو کہ محترمہ محمدی بیگم کے والدین پر اپنے تقدس اور تعلق باللہ کا سکہ جمائیں۔ ان ایام میں محمدی بیگم صاحبہ بھی جن کی عمر اس وقت قریباً چودہ [14] سال کی تھی ہوشیار پور ہی میں تھیں اور مرزا جی نے اپنے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ محمدی بیگم سے عقد ہونے کی پہلی پیشین گوئی اس زمانہ کی ہے جبکہ وہ لڑکی ہنوز نابالغ تھی اور اس کی عمر آٹھ نو سال کی تھی۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۸) جب ہوشیار پور جانے کا فیصلہ ہو چکا تو الہامی صاحب نے شیخ مہر علی رئیس ہوشیار پور کو جو ان سے حسن اعتقاد رکھتے تھے لکھا کہ ہم تمہارے شہر میں آ کر چلّہ کشی کا قصد رکھتے ہیں اس لئے ہمیں شہر کے کنارے کوئی دو منزلہ مکان کرایہ پر دلا دو۔ شہر کے کنارے اور دو منزلہ کی قید اس لئے لگائی تھی کہ خود شیخ مہر علی کا دو منزلہ مکان جسے حویلیہ شیخ مہر علی کہتے تھے شہر کے باہر واقع تھا۔ چنانچہ شیخ مہر علی نے مرزا صاحب کیلئے اپنا دو منزلہ مکان خالی کرا دیا۔

ہوشیار پور میں ورود اور چلّہ کشی کا اعلان طالبانِ مولیٰ کا شیوہ ہے کہ وہ نہایت خاموشی و رازداری تجرد و انقطاع، عزلت و مسکنت، فقر و فاقہ کے عالم میں اشغال و مجاہدات بجا لاتے ہیں لیکن قادیاں کے حق فراموش مجدد صاحب تین مریدوں کو ساتھ لیکر علی الاعلان چلّہ کشی کے لئے نوابی ٹھاٹھ کے ساتھ روانہ ہوئے قادیاں سے بہلی میں بیٹھ کر دریائے بیاس کے کنارے کنارے چلے۔ گھاٹ پر بذریعہ کشتی دریا سے پار ہونا تھا کشتی ساحل سے چند قدم کے فاصلہ پر پانی میں کھڑی تھی، دوسرے لوگوں نے تو جوتیاں اتار لیں اور چند قدم پانی میں چل کر کشتی پر سوار ہوئے لیکن مرزا صاحب کی شانِ ریاست اس کی مقتضی تھی کہ جوتی اتار کر پاؤں گیلا کرنے کی زحمت گوارا نہ فرماتے اس لئے ملاح نے ان کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے کشتی پر سوار کرایا۔ مجدد صاحب نے اس کو ایک روپیہ انعام دیا۔ رات کو اپنے ایک صحابی فتح خاں کے گاؤں میں ٹھہرے یہ وہی آستانۂ قادیاں کا مشہور خدمتگذار فتح خاں "صحابی" ہے جو تھوڑے دنوں کے بعد قادیاں کا

رشتۂ ارادت توڑ کر از سر نو مسلمانوں میں آملا تھا۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ ۵۵) ہوشیارپور پہنچ کر مرزا صاحب نے تینوں مریدوں کو علیحدہ علیحدہ تین کام سپرد کر دئے۔ کھانا پکانے کی خدمت عبداللہ سنوری کے سپرد ہوئی، سودا سلف خریدنے کا کام فتح خان کو تفویض ہوا۔ مہمان نوازی کی خدمت حامد علی کے دوش ہمت پر ڈالی گئی۔ مجدد صاحب کا کوئی کام ایسا نہیں تھا جو تصنع، ریاء، نام و نمود اور شہرت طلبی کے جذبات سے خالی ہو۔ اس لئے چلہ کشی کی نمائش اور اس کا پروپیگنڈا بھی ضرور تھا۔ مرزا صاحب نے دستی اشتہارات چھپوا کر اعلان کر دیا کہ چالیس دن تک کوئی صاحب مجھے ملنے نہ آئیں اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کے لئے بلائیں، چالیس روز کے بعد بیس دن تک ہوشیارپور میں قیام کرونگا اُس وقت ہر شخص ملاقات کر سکیگا" خدام نیچے ٹھہرے تھے اور مرزا صاحب نے بالاخانہ کو زینت بخشی تھی۔ الہامی صاحب نے خدام کو حکم دے رکھا تھا کہ اوپر بالاخانہ میں کوئی شخص میرے پاس نہ آئے، کھانا اوپر پہنچا دیا جائے۔ خالی برتن دوسرے وقت لے جایا کریں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں نمازیں اوپر پڑھونگا۔ تم نیچے پڑھ لیا کرنا۔ عبداللہ سنوری کا بیان ہے کہ میں کھانا چھوڑنے اوپر جایا کرتا تھا اور حضور سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ البتہ اگر خود مجھ سے کوئی بات دریافت کرتے تھے تو اس کا جواب دیدیتا تھا۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ ۵۵) طالبان مولیٰ کسی ایسی آباد مسجد کے پاس چلہ کشی کرتے ہیں جہاں نماز باجماعت فوت نہ ہو۔ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں ترک حیوانات کا التزام کرتے ہیں اور غذا کو قوت لایموت تک گھٹا دیتے ہیں۔ لیکن قادیانی صاحب چلہ میں بھی تنعمات کے اسی طرح غلام بنے رہے جس طرح دوسرے ایام میں تھے۔ (دیکھو سیرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ ۱۲۱)

معلّم الملکوت سے بالمشافہہ گفتگو

یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ اس چلہ کی حقیقی غرض و غایت کیا تھی؟ لیکن بظاہر ایک مقصد یہ تھا کہ شیاطین کو مسخر کیا جائے اور معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اس مقصد میں کامیاب ہوئے کیونکہ اس چلہ میں ابلیس جسے مرزا صاحب (معاذ اللہ) خدائے ذوالجلال سمجھ رہے تھے بڑی بڑی دیر تک مرزا صاحب سے بالمشافہہ گفتگو کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ میاں بشیر احمد صاحب ایم اے سیرۃ المہدی میں لکھتے ہیں کہ میاں عبداللہ سنوری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضور (مرزا جی) نے مجھ سے فرمایا میاں عبداللہ! ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھلے ہیں بعض اوقات دیر دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۵۷) اور اس بات کا ایک ادنیٰ ثبوت کہ قادیانی صاحب سے باتیں کرنیوالا معلّم الملکوت یا اس کا کوئی چیلا تھا یہ ہے کہ بشیر یا اقبال عمو ایل بالشیر کے پیدا ہونے اور محمدی بیگم سے شادی ہونے کے الہام ہوشیارپور میں اسی چلے میں ہوئے تھے (دیکھو تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۵۹ - ۶۱) حضرت اقدس نے اپنی ذات شریف کے کہنے کے بموجب دھڑلے سے دونوں پیشینگوئیاں کر دیں جو جھوٹی نکلیں اور الہامی صاحب کو ان میں بہت کچھ خجل و نادم ہونا پڑا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ اطلاعیں منجانب اللہ ہوتیں تو ان میں تخلف کا کوئی امکان نہ تھا۔

باب ۳۷۔ ہوشیارپور میں لالہ مرلیدھر آریہ سے مناظرہ

جب کوئی غیر مسلم علمائے حق کے پاس آکر دین کی کوئی بات دریافت کرتا یا اسلامی تعلیمات کے متعلق کچھ شبہات

پیش کرتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں کہ کسی سرگشتہ کوے ضلالت نے از خود اُن کی طرف رجوع کیا اور حق تعالیٰ نے ایسا زرّین موقع بہم پہنچایا کہ کسی غیر مسلم کے سامنے محاسن اسلام پیش کریں اور وہ اِن دلائل کو پوری توجہ و انہماک سے سُنے۔ ایسی حالت میں وہ اُسے نرمی اور شیرین کلامی سے سمجھاتے ہیں اور اس کے سامنے صداقتِ اسلام کی تصویر اس خوبی سے کھینچتے ہیں کہ وہ بسا اوقات اسلام کا عاشق زار بن کر ملّت حنیفی کی دائمی چاکری اختیار کر لیتا ہے۔ چلّہ کشی کے بعد ہوشیارپور میں بھی ایک آریہ مرزا صاحب کے پاس اپنے بعض شبہات حل کرنے آیا تھا۔ مرزا صاحب میں بھلا اتنی قابلیت کہاں تھی کہ اسے دین حنیف یا کم از کم اُسی مفلوج و مجذوم اسلام کا گرویدہ بنا سکتے جس کے خود پیرو تھے بلکہ یہ دیکھ کر کہ وہ علمی استعداد میں ناقص اور مذہبی اُمور میں کورا ہے، اسے مناظرہ کے پھندے میں الجھا کر حصولِ شہرت کا آلہ کار بنانا چاہا۔ اِس مناظرہ کے بعد مرزا صاحب ہمیشہ ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ انہوں نے ہوشیارپور کے مناظرہ میں فتح پائی۔ حالانکہ اگر کوئی ذی علم آریہ برسرِ مقابلہ ہوتا تو مرزا صاحب کو قدرِ عافیت معلوم ہو جاتی اور نتیجہ یقیناً اسکے برعکس نکلتا۔ پنڈت لیکھرام آریوں میں کوئی خاص ذی علم آدمی نہیں تھے تاہم وہ بار بار لنگر لنگوٹے کس کر قادیاں جا پہنچتے اور خود مرزا صاحب کی مجلس میں جا کر ان کا ناطقہ بند کر دیا کرتے۔ غرض جب تک ان کا قادیاں میں قیام رہتا مجدّد صاحب دم بخود رہتے اور پنڈت جی کے مقابلہ میں حق گوئی اور لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی۔ مانا کہ پنڈت لیکھرام ایک مُنہ زور آدمی تھا لیکن اہل حق کے سامنے ایسے لوگوں کے مُنہ پر قفل لگ جایا کرتا ہے، اگر مرزا صاحب کو درگاہِ رب العزت میں کچھ بھی تقرّب نصیب ہوتا تو کیا مجال تھی کہ کوئی مخالف زبان کھول سکتا اور اگر کھولتا تو معاً اپنے کیفر کردار کو نہ پہنچتا۔ مناظرۂ ہوشیارپور کی جو کیفیت خود الہامی صاحب نے کتاب "سُرمہ چشم آریہ" میں شائع کی ہے مَیں اُسی کو ذیل درج کر دیتا ہوں کیونکہ اس کے سوا میرے پاس کوئی دوسرا ذریعۂ معلومات نہیں ہے۔

پہلا مباحثہ مارچ ۱۸۸۶ء میں جبکہ مرزا صاحب ہوشیارپور میں تھے لالہ مُرلی دھر ڈرائنگ ماسٹر سے مذہبی مباحثہ کا اتفاق ہُوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ماسٹر صاحب موصوف نے مرزا جی کے قیام گاہ پر آ کر ان سے کہا کہ اسلامی تعلیمات کے متعلق میرے چند سوالات ہیں اگر آپ اجازت دیں تو پیش کروں۔ مرزا صاحب نے فرمایا اگر آپ کو مذہبی بحث کا شوق ہے تو مناسب ہے کہ فریقین کے مذہبی اُصولوں کی حقیقت ظاہر کرنے کیلئے دونوں طرف سے سوالات پیش ہوں تاکہ جو کوئی ان سوالات و جوابات کو پڑھے اس کو دونوں مذہبوں کے جانچنے اور پرکھنے کا موقع مل سکے۔ ماسٹر صاحب نے اس تجویز کو منظور کیا اور اسی التزام سے بحث شروع ہوئی۔ پہلے ۱۱ مارچ ۱۸۸۶ء کی رات کو مرزا صاحب کی فرودگاہ پر ماسٹر صاحب کی طرف سے سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزۂ شق القمر کے متعلق ایک تحریری اعتراض پیش ہُوا۔ اس کے بعد ۱۴ مارچ کو مرزا صاحب کی طرف سے آریوں کے اس اُصول پر اعتراض پیش ہُوا کہ پرمیشور روحوں کا خالق نہیں ہے اور وہ کسی روح کو خواہ وہ کیسی ہی اسنپا زادر وفادار اور سچی پرستار ہو جینے مرنے کے عذاب سے نجات نہ دیگا۔ آغاز مناظرہ سے پہلے اس بات کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ جواب الجواب کے جواب پر بحث ختم ہو جائیگی لیکن ماسٹر صاحب نے اس شرط کو نظر انداز کر کے پہلے جلسہ میں جو ۱۱ مارچ کو بوقت شب ہُوا تھا یہ ناانصافی کی کہ جب مرزا صاحب کی طرف سے جواب الجواب کے جواب کا وقت

آیا تو انہوں نے زیادہ رات گزر جانے کا عذر کرکے جلسہ گاہ سے جانے کا قصد کیا۔ انہیں بہتیرا سمجھایا گیا لیکن وہ اُٹھ کر چلے گئے۔ اس وقت حاضرین جلسہ میاں شترو گہن صاحب پسر کلاں راجہ رودر سین صاحب والی ریاست سوکیت حال وارد ہوشیارپور، میاں شتر بنجی صاحب پسر خورد راجہ صاحب موصوف، میاں جنمی جی صاحب پسر خورد نمر راجہ صاحب، بابو مولراج نقل نویس، لالہ رام لچھمن ہیڈ ماسٹر لودھیانہ، بابو ہرکشن داس سیکنڈ ماسٹر ہوشیارپور وغیرہم تھے۔ میاں شترو گہن نے کئی مرتبہ ماسٹر صاحب سے کہا کہ آپ جواب الجواب کا جواب لکھنے دیں ہم لوگ بخوشی بیٹھیں گے تھوڑی دیر اور بیٹھنے میں کوئی تکلیف نہیں بلکہ جواب سننے کا اشتیاق ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے ہندوؤں نے بھی ماسٹر صاحب پر زور دیا لیکن ماسٹر صاحب نے کسی کی ایک نہ سنی اور اُٹھ کر چل دئے۔ اُٹھ کر چلے جانے کی اصل وجہ ماسٹر صاحب کا یہ خیال تھا کہ اگر مرزا صاحب نے اسی وقت جواب الجواب کا جواب لکھوانا شروع کر دیا تو مجھے بہت کچھ ذلّت و رسوائی کا سامنا ہوگا۔ اب مرزا صاحب نے تمام حاضرین جلسہ کی موجودگی میں فرمایا کہ اس کا جواب ناگزیر ہے۔ اگر آپ اس وقت اس کے لکھنے کی اجازت دیں تو بہتر ورنہ اسے بالضرور اپنے طور پر رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔ چنانچہ سب نے بطور خود لکھا جانا تسلیم کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔ (سُرمہ چشم آریہ صفحہ ۴-۵)

دُوسرا جلسہ دوسرا جلسہ ۱۴ مارچ ۱۸۸۶ء کو دن کے وقت شیخ مہر علی رئیس اعظم ہوشیارپور کے مکان پر ہوا۔ اوّل حسب قرارداد مرزا صاحب کی طرف سے ایک تحریری اعتراض پیش ہوا کہ حق تعالیٰ کی خالقیّت سے انکار کرنا اور پھر اسی کے التزام سے نجات جاودانی سے منکر رہنا جو آریوں کا اصول ہے اس سے خدا تعالیٰ کی توحید و رحمت دونوں معدوم ہو جاتی ہیں۔ جب یہ اعتراض جلسۂ عام میں سُنایا گیا تو ماسٹر صاحب پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی سخت پریشان تھے کہ اس کا کیا جواب دیں۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ تک یہی عذر پیش کرتے رہے کہ یہ ایک سوال نہیں بلکہ دو ہیں۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے فرمایا کہ سوال فی الحقیقت ایک ہی ہے یعنی حق تعالیٰ کی خالقیّت سے انکار اور میعادی نجات اسی غلط اصول کا ایک بد اثر ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے سوال کے دونوں ٹکڑے حقیقت میں ایک ہی ہیں کیونکہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی خالقیّت سے منکر ہوگا اس کے لئے ممکن نہیں کہ دائمی نجات کا اقرار کر سکے۔ سو انکار خالقیّت اور انکار نجات ابدی باہم لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جو شخص یہ ثابت کرنا چاہے کہ خدائے تعالیٰ کے رب العالمین اور خالقِ کائنات نہ ہونے میں کچھ حرج نہیں اس کو یہ بھی ثابت کرنا لازم آئیگا کہ حق تعالیٰ کے کامل بندوں کا ہمیشہ جینے مرنے کے عذاب میں مبتلا رہنے اور کبھی دائمی نجات نہ پانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ غرض مرزا جی ماسٹر صاحب کو بہت دیر تک سمجھاتے رہے۔ آخر جب مرزا صاحب کا بیان ان کی سمجھ میں آیا تو جواب لکھنا شروع کیا اور تین گھنٹہ کے بعد سوال کے ایک حصّہ کا جواب قلمبند کر کے سُنایا اور دُوسرے ٹکڑے کی نسبت جو مکتی یعنی نجات کے متعلق تھا، فرمایا کہ اس کا جواب ہم اپنے مکان پر جا کر لکھیں گے اور لکھنے کے بعد بھیج دیں گے۔ مرزا صاحب نے ایسا جواب لینے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ کو جو کچھ لکھنا ہو اسی جلسہ میں حاضرین کی موجودگی میں تحریر فرمائیں۔ اگر گھر جا کر لکھنا تھا، تو پھر اس مجلس بحث کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب ماسٹر صاحب نے اس کا جواب لکھنا کسی طرح منظور نہ کیا تو ناچار

مرزا صاحب نے کہا کہ آپ نے جس قدر لکھا ہے وہی ہمارے حوالے کر دیں تاکہ اس کا جواب لکھا جائے، ماسٹر صاحب نے کہا کہ اب ہماری سماج کا وقت ہے ہم زیادہ نہیں بیٹھ سکتے، یہ کہ کر اپنے رفقاء سمیت چل دئے، ناچار مرزا صاحب نے جواب الجواب بطور خود لکھ کر کارروائی کے ساتھ شامل کر دیا۔ اور لطف یہ کہ مرزا صاحب نے اپنا اعتراض قریباً ایک گھنٹہ میں سُنایا تھا لیکن ماسٹر صاحب نے تین گھنٹے وقت لیا پھر بھی اعتراض کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا۔ ان کا اصل منشاء یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی طرح دن گذر جائے اور اس بلا سے نجات ملے۔ (سرمہ چشم آریہ صفحہ ۵-۷)

باب ۳۵۔ رسالہ "سُرمہ چشم آریہ" کی اشاعت

لالہ مُرلی دھر صاحب ہوشیارپوری سے مرزا صاحب کا جو تحریری مباحثہ ہُوا تھا، مرزا صاحب نے اس کو کتابی شکل میں شائع کر کے اس کا نام "سُرمہ چشم آریہ" تجویز کیا تھا۔

جذباتِ زر اندوزی کا مظاہرہ گو اس رسالہ کی واجبی قیمت آجکل کے مہنگے دور میں بھی دس بارہ آنہ سے کسی طرح زیادہ نہیں ہو سکتی لیکن چونکہ مرزا صاحب کی زندگی کا مقصدِ وحید فراہمی زر و مال تھا، اُنہوں نے اس کو عام لوگوں کے پاس پونے دو دو روپے میں فروخت کیا۔ مرزا صاحب نے اس رسالہ کا جو اشتہار دیا تھا اس کا ابتدائی حصّہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:" یہ رسالہ کحل الجواہر سُرمہ چشم آریہ نہایت صفائی سے چھپ کر ایک روپیہ بارہ آنہ اسکی قیمت عام لوگوں کیلئے قرار پائی ہے اور خواص اور ذی استطاعت لوگ جو کچھ بھی بطور امداد دیں اُن کے لئے موجب ثواب ہے۔ کیونکہ "سراج منیر" اور "براہین احمدیہ" کے لئے اسی قیمت سے سرمایہ جمع ہو گا۔ اور اس کے بعد رسالہ "سراجِ منیر" انشاء اللہ القدیر چھپے گا، پھر اس کے بعد پنجم حصّہ کتاب "براہین احمدیہ" چھپنا شروع ہو گا۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۹۱) اس کے چند ماہ بعد مرزا جی نے ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ یہ کتاب یعنی "سُرمہ چشم آریہ" بتقریب مباحثہ لالہ مُرلی دھر ڈرائنگ ماسٹر ہوشیارپور جو عقاید باطلہ وید کی بکلّی بیخ کنی کرتی ہے اس دعویٰ اور یقین سے لکھی گئی ہے کہ کوئی آریہ اس کتاب کا ردّ نہیں کر سکتا کیونکہ سچ کے مقابل پر جھوٹ کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ اور اگر کوئی آریہ صاحب ان تمام وید کے اُصولوں اور اعتقادوں کو جو اس کتاب میں ردّ کئے گئے ہیں سچ سمجھتا ہے اور اب بھی وید اور اس کے ایسے اُصولوں کو ایشر کرت ہی خیال کرتا ہے تو اس کو اُسی ایشور کی قسم ہے کہ اس کتاب کا ردّ لکھ کر دکھلاوے اور پانسو روپیہ انعام پاوے۔ یہ پانسو روپیہ بعد تصدیق کسی ثالث کے جو کوئی پادری یا برہمو صاحب ہونگے دیا جائیگا اور ہمیں یہاں تک منظور ہے کہ اگر منشی جیون داس صاحب سیکرٹری آریہ سماج لاہور جو اس گرد و نواح کے آریہ صاحبوں کی نسبت سلیم الطبع اور معزز اور شریف آدمی ہیں، بعد ردّ چھپ جانے اور عام طور پر شائع ہو جانے کے مجمع عام میں علماء مسلمانوں اور آریوں اور معزز عیسائیوں وغیرہ میں مع اپنے عزیز فرزندوں کے حاضر ہوں اور پھر اُٹھ کر قسم کھالیں کہ ہاں میرے دل نے یہ یقین قبول کر لیا ہے کہ سب اعتراضات رسالہ "سُرمہ چشم آریہ" جن کو میں نے اوّل سے آخر تک بغور دیکھ لیا ہے اور خوب توجہ کر کے سمجھ لیا ہے اس تحریر سے ردّ ہو گئے ہیں اور اگر میں دلی اطمینان اور پوری سچائی سے یہ بات نہیں لکھتا تو اس کا ضرر اور وبال اسی دُنیا میں مجھ پر اور میری اسی اولاد

پر جو اس وقت حاضر ہے پڑے۔ تو بعد ایسی قسم کھا لینے کے صرف منشی صاحب موصوف کی شہادت سے پانسو روپیہ نقد ردّ کنندہ کو اسی مجمع میں بطور انعام دیا جائے گا اور اگر منشی صاحب موصوف عرصہ ایک سال تک ایسے قسم کے بداثر سے محفوظ رہے تو آریوں کے لئے بلاشبہ یہ حجت ہو گی کہ صاحب موصوف نے اپنی دلی صداقت سے اپنے علم اور فہم کے مطابق قسم کھائی تھی۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۹۲ - ۹۴)

نسخۂ خبطِ احمدیہ بجواب سُرمۂ چشم آریہ پنڈت لیکھرام نے "سرمۂ چشم آریہ" کے جواب میں کتاب "نسخۂ خبطِ احمدیہ" شائع کی۔ اس میں مرزا صاحب کے پنج صدی انعام کے متعلق لکھا کہ "سرمۂ چشم آریہ" کا جواب دینے کے لئے مرزا جی نے اپنی قدیم عادت کے بموجب پانسو روپیہ انعام کا وعدہ کیا ہے۔ مگر ہم انکے وعدہ کو اس شعر کا مصداق سمجھتے ہیں۔

گر جاں طلبی مضائقہ نیست　　زر می طلبی سخن درین است

ہمیں ان کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا حال بخوبی معلوم ہے اور قرضداری کا حال بھی ہم سے مخفی نہیں۔ پس ہم لینے دینے کے سر پہ خاک ڈال کر وہ پانسو روپیہ مرزا صاحب کو ان کی نئی شادی کے لئے جس کے متعلق ان کو ابھی ایک تازہ الہام ہوا ہے بطور تنبول کے نذر کرتے ہیں۔ (نسخہ خبط احمدیہ بجواب سرمۂ چشم آریہ ص و)

باب ۳۶- الہامی فرزند عنموائیل کے تولّد کی پیشگوئی

آپ پہلے پڑھ آئے کہ قادیاں کے "مجدّد صاحب" نے اعجازی قوت میں شہرت و ناموری حاصل کرنے کے لئے غیر مسلم مقتداؤں کو قادیاں کے یک سالہ قیام کی جو دعوت دی تھی اس میں "مجدّد صاحب" کو کس طرح نیچا دیکھنا پڑا تھا اس کے علاوہ براہین اور "سراج منیر" وغیرہ رسالوں کے متعلق الہامی صاحب کی پیشانی پر بدنامی کا جو بدنما داغ لگا تھا اس سے بھی لوگ سخت نفرت کرنے لگے تھے اور ان کے خلاف ہر طرف تمسخر و تضحیک کی گرم بازاری تھی۔ گو بعض لوگ اب بھی وقتاً فوقتاً دامِ ارادت میں پھنس رہے تھے تاہم ضرورت تھی کہ رسوائی کے داغ دھوئے جائیں اور کسی ڈھنگ سے لوگوں کے دلوں پر ازسرِ نو عظمت و تقدس کا سکّہ جمایا جائے۔ غالباً انہی خیالات کے پیشِ نظر مجدّد صاحب نے اب کسی پیشین گوئی کا شوشہ چھوڑ کر لوگوں کی توجہ دوسری طرف منعطف کرنے اور نیک نام ہونے کا عزم فرمایا لیکن آگے چل کر آپ کو معلوم ہو گا کہ مجدّد صاحب نے اس کوشش میں بھی منہ کی کھائی اور رہا سہا وقار بھی رخصت ہو گیا۔

فصل اعنموائیل کے صفات و خصوصیات

قادیانی صاحب ۱۸۸۴ء میں محترمہ نصرت جہاں بیگم کو بیاہ کر لائے تھے۔ دوسرے سال وہ حاملہ ہوئیں کتب طب میں یہ معلوم کرنے کے لئے بہت سی علامتیں بیان کی گئی ہیں کہ حمل میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ گو ان علامتوں کا نتیجہ کبھی غلط بھی برآمد ہوتا ہے مگر زیادہ تر صحیح ہی نکلتا ہے۔ جب وضع حمل میں تین مہینے کا وقفہ تھا تو میرا خیال ہے کہ مرزا صاحب نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کے گھر لڑکا تولد ہو گا یا لڑکی کتب طب کی ورق گردانی شروع کر دی ہو گی۔ آخر علاماتِ

حمل سے اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ بیوی لڑکے سے حاملہ ہے چنانچہ قرینہ ہے کہ مجدد صاحبؒ نے انہی علامات کے بل بوتے پر ایک عدو پیشین گوئی شائع کرنے کا عزم فرمایا۔ اس غرض کے لئے ایک الہامی عبارت تصنیف کی اور ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار کی شکل میں شائع کرکے پبلک کو اپنے پہلے "اعجازی شاہکار" سے روشناس کرانے کا فخر حاصل کیا۔ الہامی فرزند کے تولد کی پیشین گوئی کے یہ الفاظ تھے۔ "پہلی پیشین گوئی بالہام اللہ تعالیٰ خدائے رحیم وکریم نے جو ہر چیز پر قادر ہے مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کرکے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا سو میں نے تیری تضرعات کو سُنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی۔ فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پائیں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک ذکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے۔ جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری وباطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے۔ دوشنبہ ہے۔ مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعلاء کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے۔ خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائیگا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ (تبلیغ رسالت جلد

(ص ۵۹ / ۱۲۱)

اس اعتراض کا جواب کہ قابلہ بھی لڑکے لڑکی میں امتیاز کرلیتی ہے

جب مرزا صاحب کی پیشین گوئی عام طور شہرت پذیر ہوئی تو ہوشیار پور کے کسی آریہ نے اعتراض کیا کہ اس پیشین گوئی کو الہام خداوندی سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مرزا صاحب کی بیوی حاملہ ہے اور لڑکا لڑکی کے پیدا ہونے کی شناخت دائیوں کو بھی ہوتی ہے (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۷۳) اس کے بعد خود مرزا صاحب نے ایک اشتہار میں لکھا کہ لوگ پہلے ہی سے یہ کہتے تھے کہ قواعد طبی کے رو سے حمل موجودہ کی علامات سے ایک حکیم بتلا سکتا ہے کہ کیا پیدا ہوگا۔ پنڈت لیکھرام اور بعض دیگر مخالف اس عاجز پر یہی الزام رکھتے ہیں کہ ان کو فن طبابت میں مہارت ہے طب کے ذریعہ سے معلوم کرلیا ہوگا کہ لڑکا پیدا ہونے

والا ہے۔ اسی طرح ایک صاحب محمد رمضان نام نے پنجابی اخبار ۲۰ مارچ ۱۸۸۶ء میں چھپوایا کہ لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دینا منجانب اللہ ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا جس نے ارسطو کا ورکس دیکھا ہو گا وہ حاملہ کا قارورہ دیکھ کر لڑکا یا لڑکی پیدا ہونا ٹھیک ٹھیک بتلا سکتا ہے (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۸۹) الہامی صاحب نے ان اعتراضوں کے جواب میں لکھا کہ ایسا اعتراض سراسر حیلہ سازی اور حق پوشی ہے کیونکہ اوّل تو کوئی دائی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتی بلکہ ایک حاذق طبیب بھی ایسا دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتا کہ اس امر میں میری رائے قطعی اور یقینی ہے جس میں تخلف کا امکان نہیں۔ صرف ایک اٹکل ہوتی ہے کہ جو بار ہا خطا جاتی ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۷۳)

حضرت مسیحؑ کے معجزہ احیائے موتیٰ سے اکمل و اتم معجزہ

انہی ایام میں کسی پادری سے مرزا صاحب کی جھڑپ ہو گئی۔ پادری نے مرزا صاحب کی اس پیشین گوئی کا جو الہامی مولود کے متعلق تھی مضحکہ اڑایا۔ اس سلسلہ گفتگو میں پادری نے اعتراض کیا کہ حضرت مسیحؑ نے تو از روئے قرآن مُردے زندہ کئے اور قرآن میں تمہارے پیغمبرؐ کے احیائے موتیٰ کا کوئی تذکرہ نہیں۔ مرزا صاحب سے اس کا کوئی علمی جواب تو نہ بن پڑا۔ البتہ جوش میں آ کر فرمانے لگے۔ "دیکھو! میں نے جس شہرۂ آفاق فرزند کے تولد کی پیشین گوئی کر رکھی ہے اُس کی پیدائش تو حضرت مسیحؑ کے مُردے زندہ کرنے سے کہیں فائق و برتر ہے چنانچہ ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں مرزا صاحب نے پادری کے اعتراض کا ان لفظوں میں جواب دیا۔ "اس جگہ آنکھیں کھول کر دیکھ لینا چاہیئے کہ یہ صرف پیش گوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جل شانہٗ نے ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے۔ اور درحقیقت یہ نشان ایک مُردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ و اولیٰ و اکمل و افضل و اتم ہے۔ کیونکہ مُردہ کے زندہ کرنے کی حقیقت یہی ہے کہ جناب الٰہی میں دعا کر کے ایک روح واپس منگوایا جاوے اور ایسا مردہ زندہ کرنا حضرت مسیح اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت بائبل میں لکھا گیا ہے جس کے ثبوت میں معترضین کو بہت سی کلام ہے اور پھر باوصف ان سب عقلی نقلی جرح و قدح کے یہ بھی منقول ہے کہ ایسا مُردہ صرف چند منٹ کے لئے زندہ رہتا تھا اور پھر دوبارہ اپنے عزیزوں کو دوہرے ماتم میں ڈال کر اس جہان سے رخصت ہو جاتا تھا۔ سو اگر مسیح علیہ السلام کی دعا سے بھی کوئی روح دُنیا میں آئی تو درحقیقت اس کا آنا نہ آنا برابر ہے۔ مگر اس جگہ بفضلہ تعالیٰ خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا کو قبول کر کے ایسی بابرکت روح کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی۔ پس غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ نشان مُردوں کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ بہتر ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۷۲)

مدتِ پیدائش کی نُہ سالہ تعیین

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں مرزا صاحب نے اپنے الہامی فرزند کے تولد کی کوئی تاریخ اور مدت معین نہ فرمائی تھی۔ اس کے بعد ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں بھی تاریخ ولادت کوئی نہ بتائی لیکن منتہائے مدت کا تعین فرما دیا تھا۔ چنانچہ لکھا۔ "لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا لڑکا بموجب وعدۂ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہو گا۔ خواہ جلد ہو یا دیر سے بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔" (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۷۲) جب لوگوں نے اس طولِ مدت پر اعتراض کئے تو مرزا صاحب نے ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو ایک اور اشتہار

شائع کیا جس میں لکھا۔ "واضح ہو کہ اس خاکسار کے اشتہار مؤرخہ ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء پر بعض صاحبوں نے جیسے منشی اندرمن صاحب مراد آبادی نے یہ نکتہ چینی کی ہے کہ نو برس کی حد جو پسر موعود کے لئے بیان کی گئی ہے یہ بڑی گنجائش کی جگہ ہے ایسی لمبی میعاد میں تو کوئی نہ کوئی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے۔ سو واضح ہو کہ جن صفاتِ خاصہ کے ساتھ لڑکے کی بشارت دی گئی ہے کسی لمبی میعاد سے گو نو برس سے بھی دو چند ہوتی اُس کی عظمت اور شان میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ ایسے عالی درجہ کی خبر جو ایسے نامی اور اخص آدمی کے تولد پر مشتمل ہے انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے اور دُعا کی قبولیت ہو کر ایسی خبر کا ملنا بے شک یہ بڑا بھاری آسمانی نشان ہے۔ نہ یہ کہ صرف پیشگوئی ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۷۵) اس کے بعد الہامی صاحب نے ایک اور اشتہار شائع کیا جس کا آخری حصہ یہ تھا۔ "اس امر کے انکشاف کے لئے جناب الٰہی میں توجہ کی گئی تو آج ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدتِ حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہو گا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہو گا اور پھر بعد اس کے یہ بھی الہام ہوا کہ "انہوں نے کہا کہ آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں"۔ چونکہ یہ عاجز ایک بندۂ ضعیف مولیٰ کریم جل شانہٗ کا ہے اس لئے اُسی قدر ظاہر کرتا ہے جو منجانب اللہ ظاہر کیا گیا۔ آئندہ جو اس سے زیادہ منکشف ہو گا وہ بھی شائع کیا جائے گا۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۷۶)۔

بے ہنگم الہام میں متضاد باتوں کا اجتماع

مرزا صاحب نے اس امر کے انکشاف کے لئے کہ فرزند موعود کب پیدا ہو گا بزعمِ خود جنابِ الٰہی میں تضرع کی۔ تو اس ذاتِ شریف نے جو اس قسم کے ملہموں کی طرف القا کیا کرتا ہے اور جسے وہ اپنی حرمان نصیبی سے ذات باری تعالیٰ سمجھا کرتے ہیں مرزا صاحب پر ایک چیستان نازل کی جو اوپر درج کی گئی ہے۔ اس الہامی چیستان سے کوئی شخص کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ اُس ذات شریف نے مرزا صاحب کو کون سی قطعی اور یقینی بات بتائی۔ جب الہامی صاحب نے تعیینِ وقت کی درخواست کی تھی تو چاہیئے تھا کہ کوئی خاص وقت اور تاریخ متعین کی جاتی اور ایسا الہام نہ کیا جاتا جو متضاد باتوں کا مجموعہ ہو۔ بہر حال الہامی صاحب نے اپنی جو الہامی عبارت شائع کی اس سے مندرجہ ذیل نتائج جو ایک دوسرے کے نقیض ہیں برآمد ہوتے ہیں۔ (۱) موعود لڑکا عنقریب پیدا ہو گا۔ یعنی موجودہ حمل سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ عمنوائیل موعود ہی ہو گا۔ (۲) وہ ایک مدتِ حمل میں ہو گا۔ اور حسب تحقیق اطبا حمل کی اقل مدت چھ مہینہ اور اکثر مدت ڈھائی سال یا کچھ زیادہ ہے۔ (بیان میر عباس علی لدھیانوی مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۸۶)۔ (۳) غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے۔" یعنی یقینی نہیں بلکہ اغلب ہے کہ لڑکا پیدا ہو۔ لڑکی نہ ہو۔ (۴) "یا بالضرور اس کے قریب حمل میں ہو گا" یعنی جب موجودہ بچہ پیدا ہونے کے بعد گھر میں دوبارہ حمل ہو گا تو اس حمل سے عمنوائیل موعود برآمد ہو گا۔ (۵) معلوم نہیں جو لڑکا اب پیدا ہونے والا ہے وہ عمنوائیل ہی ہے یا نو سال کی مدت میں کبھی آئندہ عرصۂ شہود میں آئے گا۔

اب ظاہر ہے کہ اس الہامی منطق سے کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ملہم صاحب کے حاجی خدا نے ان کی

دعا و توجہ کے بعد انہیں مور بچگانہ میں سے کونسی بات علی التعیین بتائی۔ اور مقام غور ہے کہ کیا اس قسم کی تضاد بیانی کا مصدر و منبع خدائے قدوس کی ذاتِ یکتا ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل یہ ہے کہ مرزا جی نے اپنے گول مول بیان میں بڑی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ ان ایام میں مجدد صاحب کے مشکوئے معلّٰی میں اُمیدواری تھی۔ اسی حمل کے بھروسے پر مرزا صاحب نے طرح طرح کے بے ہنگم الہامات کا طوفان برپا کر رکھا تھا۔ ان الہامات میں چند متضاد باتیں اس لئے جمع کر دیں تاکہ بوقت ضرورت جن الفاظ سے کچھ مطلب براری ہو سکے اُسی سے استدلال کر لیا جائے گا۔ الہام کے سب سے آخری الفاظ یہ تھے: "اُنہوں نے کہا کہ آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں" معلوم ہوتا ہے کہ مجدد صاحب کے عاجی خدا نے یہ فقرہ انجیل متی باب ۱۱ کی تیسری آیۃ (یوحنا نے اپنے شاگردوں کی معرفت اُس سے پچھوا بھیجا کہ آنے والا تُو ہی ہے یا ہم دُوسرے کی راہ تکیں) سے چُرا کر مجدد صاحب پر القا کر دیا اور خطرہ ہے کہ کہیں صلیب پرست لوگ مرزا صاحب کے عاجی خدا پر سرقہ کی نالش نہ کر دیں۔ اور پھر لطف یہ کہ اس فقرہ میں بھی دو رنگی کی شان ملحوظ رکھی۔ مقصد یہ تھا کہ موجودہ حمل سے لڑکا پیدا ہونے کی صورت میں اگر مصلحت و صوابدید اس کی مقتضی ہوگی تو "اُنہوں نے کہا کہ آنے والا یہی ہے" سے استدلال کرتے ہوئے اسی کو عنموائیل قرار دیا جائے گا ورنہ الفاظ "یا ہم دوسرے کی راہ تکیں" کو اپنے ثبوت میں پیش کرتے ہوئے کہ دیا جائے گا کہ یہ وُہ موعود نہیں ہے۔

فصل ۲ ۔ عنموائیل کی جگہ عنموائیلی کی پیدائش

جب وضع حمل کے دن قریب آئے تو مرزا صاحب سخت متردّد و پریشان تھے۔ ان کا دل اُمید و بیم کی کشمکش کا گہوارہ بنا ہُوا تھا۔ ہر وقت اسی اُدھیڑ بُن میں مصروف تھے کہ دیکھیں پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے؟ عالمِ اضطراب میں بار بار فال نامہ کھول کر فال دیکھنے لگتے تھے کبھی جفر کی کتابیں نکال کر ان کی ورق گردانی شروع کر دیتے۔ کبھی نہایت تضرع و ابتہال سے دعائیں مانگنے لگتے مریدوں سے بھی ہر وقت دعا ہی کی فرمائشیں ہو رہی تھیں عبداللہ سنوری نام ایک مرزائی کا بیان ہے کہ مرزا صاحب پسر موعود کی پیش گوئی کے بعد ہم سے کہا کرتے تھے کہ دعا کرو لڑکا پیدا ہو ان ایام میں اُمیدواری بھی تھی۔ بارش ہوئی تو مسجد مبارک کے اُوپر جا کر میں نے دعا کی۔ پھر قادیاں سے مشرق کی طرف جا کر جنگل میں دعا کی۔ سارا دن بارش میں دعا مانگتے گذرا۔ لیکن عصمت (لڑکی) پیدا ہوئی تو معلوم ہُوا کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۸۲) لڑکی کی پیدائش پر لوگوں نے الہامی صاحب کا بڑا مذاق اڑایا اور ہر جگہ تمسخر و استہزاء کی گرم بازاری ہوئی۔ صاحبزادہ میاں بشیر احمد ایم اے اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں "عظیم الشان بیٹے کی بشارت کے بعد موافق و مخالف سب منتظر رہے۔ گھر میں اُمیدواری تھی مگر مئی ۱۸۸۶ء میں لڑکی پیدا ہوئی۔ (قادیاں کے حق میں) یہ دوسرا زلزلہ تھا۔ مخالفوں نے استہزاء کیا۔ (مریدوں کے حق میں) یہ سخت ابتلاء تھا لیکن اعلان کیا گیا کہ الہام میں اس کی تعیین نہیں ہوئی تھی۔ اس بنا پر لوگ (مرید) سنبھل گئے۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۸۷) لڑکی کی پیدائش پر پنڈت لیکھرام نے لکھا کہ چونکہ مرزا صاحب کی بیوی حاملہ تھیں جس کے حال سے نیاز مند بھی آگاہ تھا

اور مرزا صاحب طبیب بھی ہیں۔ لڑکا پیدا ہونے کا یقین کر کے الہام ربانی کا نام لے کر اعلان شائع کر دیا۔ مگر بڑا بول ہر ایک کے آگے آتا ہے۔ سے

ہر کہ گردن بادعوئے افرازد　　　خویشتن را بگردن اندازد

آج معلوم ہوا ہے کہ مرزا صاحب کے گھر میں عنموائیل کے بجائے عنموائیلی پیدا ہوئی ہے پس اے ناظرین! مبارک ہو کہ جھوٹ کا ناش اور ست کا پرکاش ہوا۔ مرزا صاحب کو چاہیئے کہ آئندہ ایسے جھوٹے دعووں سے باز آئیں۔ (تکذیب براہین ص ۳۳۱)

خود مرزا صاحب نے ایک اشتہار میں لکھا کہ "ایک اور صاحب ملازم دفتر اگزیمینر صاحب ریلوے لاہور جو اپنا نام نبی بخش ظاہر کرتے ہیں، اپنے خط مورخہ ۱۳ جون ۱۸۸۶ء میں اس عاجز کو لکھتے ہیں کہ تمہاری پیش گوئی جھوٹی نکلی اور دختر پیدا ہوئی اور تم حقیقت میں بڑے فریبی اور مکار اور دروغ گو آدمی ہو۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۹۰)

ولادت دختر کے اعتراضوں کا جواب

جب ولادت دختر پر اعتراضات کی آندھیاں اُفق قادیاں پر ہر طرف سے اُمنڈ آئیں تو الہامی صاحب نے ایک اعلان زیر عنوان "اشتہار محک اخیار و اشرار" شائع کیا جس میں لکھا۔ "واضح ہو کہ بعض مخالف ناخدا ترس جن کے دلوں کو زنگِ تعصب و بخل نے سیاہ کر رکھا ہے ہمارے اشتہار مطبوعہ ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو یہودیوں کی طرح محرّف و مبدّل کر کے اور کچھ کے کچھ معنے بنا کر سادہ لوح لوگوں کو سناتے ہیں اور نیز اپنی طرف سے اشتہارات شائع کرتے ہیں تا دھوکا دے کر ان کے یہ ذہن نشین کریں کہ جو لڑکا پیدا ہونے کی پیش گوئی تھی وہ غلط نکلی۔ ہم اس کے جواب میں صرف لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہنا کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم افسوس بھی کرتے ہیں کہ ان بے عزتوں اور دیوثوں کو باعث سخت درجہ کے کینہ اور بخل اور تعصب کے اب کسی کی لعنت ملامت کا بھی کچھ خوف اور اندیشہ نہیں رہا۔ اور جو شرم اور حیا اور خدا ترسی لازمہ انسانیت ہے وہ سب نیک خصلتیں ایسی ان کی سرشت سے اُٹھ گئی ہیں کہ گویا خدائے تعالیٰ نے ان میں وہ پیدا ہی نہیں کیں۔ تعصب اور کینہ کے سخت جنون نے کیسی ان کی عقل ماردی ہے۔ نہیں دیکھتے کہ اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء میں صاف صاف تولد فرزند موصوف کے لئے نو برس کی میعاد لکھی گئی ہے اور ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں کسی برس یا مہینے کا ذکر نہیں اور نہ اس میں یہ ذکر ہے کہ جو نو برس کی میعاد رکھی گئی تھی اب وہ منسوخ ہو گئی ہے۔ ہاں اس اشتہار میں ایک یہ فقرہ ذو الوجوہ درج ہے کہ مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ مگر کیا اسی قدر فقرہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ مدتِ حمل سے حمل موجودہ کے ایام باقی ماندہ مراد ہیں کوئی اور مدت مراد نہیں۔ اگر اس فقرہ کے سر پر اِس کا لفظ ہوتا تو بھی اعتراض کرنے کے لئے کچھ گنجائش نکل سکتی۔ مگر جب الہامی عبارت کے سر پر اِس کا لفظ جو مخصص وقت ہو سکتا ہے وارد نہیں تو اعتراض کرنا بے ایمانی اور بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص۹۴) اس کے جواب میں التماس ہے کہ مرزا صاحب کی الہامی عبارت میں واقعی یہ فقرہ بھی درج تھا کہ "مدتِ حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا" لیکن اس فقرہ سے پہلے یہ الفاظ بھی تھے "ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے"۔ اِس پوری عبارت سے مرزا صاحب کا صراحتہً یہی دعویٰ ثابت ہوتا تھا کہ موجودہ حمل سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ عنموائیل ہی ہو گا۔

عنموائیل کے لئے جھولے کی فرمائش

اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب نے واقعی نو ہی سال کی مدت متعین فرمائی تھی تو پھر پسر موعود کا نام لے کر اس کے لئے لاہور میں جھولا کیوں طیار کرایا گیا؟ شیخ محمد عبداللہ

صاحب (متوطن کوٹ قاضی تحصیل وزیرآباد) سوداگر جرمن سلور انارکلی لاہور نے جو ۱۸۸۵ء سے لے کر کئی سال تک شیخ عمرالدین امیرالدین سوداگران انارکلی لاہور کے مینجر تھے خاکسار راقم الحروف سے بیان کیا کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو مرزا صاحب نے عنموائیل کے ظہور کا جو پہلا اعلان شائع کیا وہ لاہور میں میرے ہی اہتمام سے چھاپا گیا تھا۔ اس اعلان کی طباعت کی فرمائش کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ بھی پیغام بھیجا تھا کہ الہامی فرزند کے لئے جو عنقریب پیدا ہونے والا ہے ایک اعلیٰ درجہ کا جھولا طیار کرا کر بھیجا جائے۔ میں نے بھگت سنگھ رنگ ریز انارکلی لاہور کی دکان پر خود بخود جھولے والے جھولے کا آرڈر دیا۔ اس جھولے پر سولہ روپے لاگت آئی۔ بھگت سنگھ مذکور جو محلہ سید مٹھا لاہور کا رہنے والا ہے اب تک زندہ ہے۔ جب گہوارہ طیار ہوگیا تو بٹالہ کی بلٹی کرائی گئی۔ اُس وقت بٹالہ تک ہی ریل جاتی تھی۔ تھوڑے دن کے بعد قادیاں سے خبر آئی کہ پسر موعود کی جگہ دختر متولد ہوئی ہے۔ مرزا صاحب کی اس میں بڑی ذلت اور سبکی ہوئی اور بہت سے مرید بدعقیدہ ہو گئے۔

فصل ۳۔ عنموائیل موعود کی پیدائش اور قادیاں میں خوشی کی لہر

ولادت دختر کے مہینوں بعد تک قادیاں کے افق پر اعتراضات کی جو آندھیاں چھائی رہیں اور استہزاء و سخریت کا جو بازار گرم رہا انہوں نے مرزا صاحب کے دل پر بہت کچھ افسردگی طاری کر دی تھی اس لئے ہر وقت دست بدعا تھے کہ کسی طرح بیوی مکرر حاملہ ہو کر لڑکا جنے اور وہ لوگوں کو عنموائیل کا مژدہ سُنا کر سرخرو ہو سکیں ؎

چہ شود کاں گُلِ رعنا بچمن باز آید　　مگر ایں جاں زتن رفتہ بہ تن باز آید

آخر خدا خدا کر کے گوہر شاہوار صدفِ رحم میں منعقد ہوا اور نصرت بیگم صاحبہ نے نو مہینہ کے بعد اپنی کوکھ سے عنموائیل برآمد کر کے مرزا صاحب کے آغوشِ شوق میں ڈال دیا۔ یہ ایسی شادمانی تھی کہ شاید اس سے پیشتر مدت العمر رئیس قادیاں کو اس کا تجربہ نہ ہوا ہو گا۔ زمین و آسمان مسرت کے گہوارے بن گئے اور محبوبۂ مراد اپنے جمالِ جہاں آرا کی عالم آشوب ادائیں دکھاتی ہوئی سرا پردۂ ظلمت سے نکل کر مرزا صاحب سے ہمکنار ہو گئی۔ قادیاں میں ہر طرف مسرت کی غیر معمولی لہر دوڑ رہی تھی اور الہامی صاحب کا دل نئی نئی امنگوں سے ہر وقت معمور تھا۔ ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو عنموائیل پیدا ہوا اور مرزا صاحب نے اسی تاریخ کو ایک اعلان زیر عنوان "خوش خبری" شائع کر کے یہ مژدۂ جانفزا اہل ملک کو سنایا "اے ناظرین! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کیلئے میں نے اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء میں پیشین گوئی کی تھی اور خدائے تعالیٰ سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے ضرور پیدا ہو جائے گا۔ سو آج ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو بارہ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ مولود مسعود پیدا ہو گیا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ کس قدر بزرگ پیش گوئی ہے جو ظہور میں آئی۔ آریہ لوگ بات بات میں یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم وہ پیش گوئی منظور کریں گے جس کا وقت بتلایا جائے سو اب یہ پیشین گوئی انہیں منظور کرنی پڑی کیونکہ اس پیش گوئی کا مطلب یہ ہے کہ حمل دوم بالکل خالی نہیں جائے گا ضرور

لڑکا پیدا ہوگا۔ اور وہ حمل کچھ دُور نہیں بلکہ قریب ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص۹۹) جب عنموائیل یا بشیر کے تولد کی خبر حکیم نورالدین کے پاس جموں پہنچی تو وہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ حکیم صاحب نے مرزا صاحب کو لکھا کہ میرا سلام میاں بشیر احمد کو پہنچا دیجئے۔" اس کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا کہ میں نے آں مخدوم کا السلام علیکم بشیر احمد کو پہنچا دیا ہے۔ پہلے تو مجھے یہی خیال ہو رہا تھا کیف نکلم من کان فی المھد صبیاً (ہم اس بچہ سے کس طرح کلام کریں جو ابھی گہوارہ میں جھول رہا ہے) لیکن تعمیل ارشاد آں مخدوم کی گئی۔ اُس وقت طبیعت اس کی اچھی تھی۔ بار بار تبسم کر رہا تھا چنانچہ السلام علیکم کے بعد بھی یہی اتفاق ہُوا کہ دو تین مرتبہ اس نے تبسم کیا اور انگشت شہادت مُنہ پر رکھ لی۔" (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص۱۳) عنموائیل کا عقیقہ بڑی دھوم دھام سے کیا گیا۔ اس تقریب میں تمام مرزائی جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی قادیاں پہنچے اور بڑا جشن مسرت منایا گیا۔ لڑکے کی خدمت کے لئے متعدد دعائیں لکھی گئیں۔ ایک مرضعہ کی بھی تلاش کی گئی۔ اسی سلسلہ میں منشی رستم علی کورٹ انسپکٹر جالندھر کو لکھا گیا کہ بشیر احمد کو ایک ایسی دودھ پلانے والی عورت کی ضرورت ہے جس کو بچہ پیدا ہونے پر برس سے زیادہ نہ گذرا ہو اور خوب طاقتور عورت ہو۔ اور بچہ مر جانے کی اس کو بیماری بھی نہ ہو اور اس کے بچے تازہ اور فربہ ہوتے ہوں۔ دُبلے اور خشک نہ رہتے ہوں۔ اگر کوئی ایسی بیوہ عورت ملے تو نہایت عمدہ ہے۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۷۶)

فصل ۴۔ عنموائیل کی وفات اور مرزائی حلقوں میں ماتم

رئیس قادیاں کو عنموائیل عرف بشیر احمد کی یکتائی کے جو متواتر الہام ہوئے ان کا یہی اقتضا تھا کہ مرزا صاحب اپنے تئیں اسی کی غور و پرداخت کے لئے وقف کر دیتے۔ چنانچہ اس فرزند کی محبت مرزا صاحب کو ہر وقت اپنی طرف مصروف رکھتی تھی۔ اور وُہ سارا دن اس کی بلائیں لینے اور اس کے رُخِ زیبا کے دیکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ عنموائیل قریبًا سوا سال تک زندہ رہا۔ اِس عرصہ میں وُہ اکثر علیل رہتا تھا۔ مرزا صاحب نے ۶ نومبر ۱۸۸۷ء کو اپنے مرید منشی رستم علی کورٹ انسپکٹر کو لکھا کہ لڑکا چند روز سے بیمار ہے۔ تھوڑے دن سے فقط مجھے تین تین پہر رات تک اور کبھی ساری رات لڑکے کے لئے جاگنا پڑتا ہے۔" اور ۱۱ مئی ۱۸۸۸ء کے خط میں رستم علی کو اطلاع دی کہ بشیر احمد سخت بیمار ہو گیا تھا اس لئے یہ عاجز ڈاکٹر کا علاج کرانے کے لئے قادیاں سے بٹالہ میں آگیا ہے شاید ماہ رمضان بٹالہ میں بسر ہو۔" (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۶۶۔ ۸۱)

انجام کار وُہ وقت آگیا جب کہ مرزا صاحب کو عنموائیل کی وفات کی اندوہناک خبر بھی اسی طرح سنانی پڑی جس طرح وُہ اِس سے پندرہ سولہ مہینے پیشتر اس کی ولادت کا مژدہ سُنا چکے تھے۔ چنانچہ رستم علی کورٹ انسپکٹر کو اطلاع دی کہ آج ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو میرا لڑکا بشیر احمد انیس (۱۹) روز بیمار رہ کر دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۸۹) اور حکیم نورالدین کو لکھا کہ آج ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو میرا لڑکا بشیر احمد تئیس روز بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ (ایضاً نمبر ۲ ص۱۲۵) اس واقعہ ہائلہ نے قادیانی حلقوں میں صفِ ماتم بچھا دی۔

اور خود مرزا صاحب کی یہ حالت تھی کہ غم کے مارے نڈھال ہو رہے تھے۔ اور گو بظاہر زندہ تھے مگر حالت مُردوں سے زیادہ ابتر تھی۔ الہامی صاحب نے جس چٹھی میں حکیم نور الدین صاحب کو عمنوائیل کے حادثہ مرگ کی اطلاع دی تھی اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اس واقعہ سے جس قدر مخالفوں کی زبانیں دراز ہوں گی اور موافقین کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۱۲۸) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہر طرف سے طعن و تمسخر کے طوفان اُمنڈ آئے۔ مرزا صاحب ان مطاعن پر حواس باختہ ہو گئے۔ آخر گھبراہٹ کے عالم میں یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو ایک اشتہار زیر عنوان "حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر" شائع کیا جس میں لکھا کہ اس عاجز کے لڑکے بشیر احمد کی وفات سے جو ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوا اور ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو اپنی عمر کے سولہویں مہینے میں بوقت نماز صبح اپنے معبود حقیقی کی طرف واپس بلایا گیا عجیب طور کا شور و غوغا خام خیال لوگوں میں اُٹھا اور رنگ رنگا کی باتیں خویشوں وغیرہ نے کیں اور طرح طرح کی نافہمی اور کج دلی کی رائیں ظاہر کی گئیں۔ کچے اور ابلہ مزاج مسلمانوں کے دلوں پر بھی اس کا مضر اثر پڑتا ہوا نظر آیا۔ (تاریخ مرزا مؤلفہ مولوی ثناء اللہ صاحب ص ۱۸)

پیشینگوئی پوری نہ ہونے کی رُسوائی

حضرات! جس شیر خوار بچہ نے دنیائے رفتنی و گزشتنی کو الوداع کہا یہ وہی عمنوائیل ہے جس کے متعلق مرزا صاحب نے بقول خود خدائے برتر سے الہام پا کر کہا تھا کہ وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور اس کی یہ شان ہوگی کہ گویا (معاذ اللہ) خود خدائے قدوس آسمان سے اُتر آیا۔ لیکن قبل اس سے کہ عمنوائیل کا کوئی جوہر کھلتا اور وہ پیشین گوئی کے بموجب اسیروں کی رُستگاری کا موجب بن سکتا خود ہی اسیر موت اور طعمہ اجل ہو گیا۔ غرض مرزا صاحب کی پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور انہیں سخت بدنامی اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑا اور ظاہر ہے کہ یہ رسوائی ایسی شدید ہے کہ کوئی دوسری ذلت و رسوائی اس کی حریف نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ مرزا صاحب خود فرماتے ہیں کہ کسی انسان کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹا نکلنا تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔ (نزول المسیح ص ۱۸۶)

حضرات! آپ نے اسی باب کی پہلی فصل میں پڑھا ہوگا کہ الہامی صاحب نے عمنوائیل کی پیشین گوئی کو اسلام کی حقانیت اور قرآن اور حضرت سیّد العرب والعجم احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل ٹھہرایا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ انہوں نے اس شرمناک جسارت سے اسلام کے ساتھ غداری اور دشمنی کی۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر بالفرض کوئی آریہ یا عیسائی کسی مرزائی پر اعتراض کرے کہ چونکہ مرزا جی نے اپنے الہامی فرزند کی پیدائش کو اسلام، قرآن اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کی دلیل ٹھہرایا تھا اور مرزا صاحب کی یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی اس لئے اسلام، قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی (معاذ اللہ) سچے نہیں تو وہ اس اعتراض کا کیا جواب دے گا؟ ایک مرتبہ الہامی صاحب نے لکھا تھا کہ "ہمارا صادق یا کاذب جانچنے کے لئے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہوسکتا۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۸) ظاہر ہے کہ فرزند موعود کی پیشین گوئی جو بقول ان کے سب سے پہلی پیشین گوئی تھی اور جس کی اساس پر مرزا صاحب نے اپنی عظمت کی

بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کر رکھی تھیں جھوٹی نکلی۔ پس یہ ایک ایسی مہر ہے جو مرزا صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے کذب پر لگا دی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ کوربخت مرزائی آنکھیں رکھتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ دماغ رکھتے ہوئے نہیں سوچتے۔ کان رکھتے ہوئے نہیں سنتے صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (قرآن ۲ : ۱۷۱)

کون کون سے مرزائی تائب ہوئے جب یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی تو اکثر مرزائی بد دل ہو گئے۔ اور بعض کو تو خدائے برتر نے توبہ کی بھی توفیق بخشی۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب سوداگر چرم سلور انارکلی لاہور نے بیان کیا کہ مندرجہ ذیل مرزائی اسی پیشین گوئی کے جھوٹا نکلنے پر مرزائیت سے تائب ہوئے۔ فتح علی شاہ ڈپٹی کلکٹر ساکن محلہ چابک سواراں لاہور، خواجہ محمد الدین و امیر الدین کوٹھی داراں متصل کشمیری بازار لاہور، میاں محمد چٹو بٹولی رئیس لاہور، مولوی الٰہی بخش پسر محمد چٹو بٹولی، مولا بخش پسر محمد چٹو بٹولی، حافظ محمد یوسف ضلع دار محکمہ نہر امرتسری۔ یہ سب مرزائی مرزا صاحب کے بڑے معاون اور ان کے دستِ راست تھے۔ انہوں نے اپنی مالی امداد سے قادیانی صاحب کو بہت کچھ قوی پشت کر رکھا تھا۔ جب یہ علیحدہ ہو گئے، تو مرزا صاحب کی گویا کمر ٹوٹ گئی لیکن دُنیا میں اندھوں اور بے وقوفوں کی کمی نہیں۔ قرینہ ہے کہ ان کی علیحدگی کے بعد دوسری بھیڑوں نے ان کی جگہ لے لی ہو گی اور مرزا صاحب نے ان کی اُون اُتارنی شروع کر دی ہو گی۔

فصل ۵ پسر موعود کے متعلق الہامی صاحب کے عذر ہائے لنگ

عمنوائیل یا بشیر اوّل ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو مرا تھا۔ اس ہمت شکن اور کمر توڑ مرگ کے بعد جب کبھی عمنوائیل یا بشیر کی پیشین گوئی پر اعتراضات ہوئے تو مرزا صاحب مختلف اوقات میں مختلف عذرات پیش کرتے رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قارئین کرام ان عذر ہائے لنگ کی بھی ایک سیر دیکھ لیں جو مجدّد دوراں نے اپنی صفائی میں پیش کئے۔ الہامی صاحب نے سب سے پہلے یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو جو اشتہار زیر عنوان "حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر" شائع کیا اس میں یہ عذر لنگ پیش کیا کہ ۸ اپریل ۱۸۸۶ء اور ۷ اگست ۱۸۸۷ء کے اشتہار اس ذکر و حکایت سے بالکل خاموش ہیں کہ لڑکا پیدا ہونے والا کیسا اور کن صفات کا ہے بلکہ یہ دونوں اشتہار صاف شہادت دیتے ہیں کہ ہنوز یہ امر الہام کے رُو سے غیر منفصل اور غیر مصرّح ہے۔ (تاریخ مرزا مؤلفہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ص ۱۹) اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بات کا حال معلوم کئے بغیر اس کا ڈھول پیٹنا اور آسمان سر پر اُٹھا لینا جہل و حماقت کی دلیل ہے۔ ایسا جلد باز عاقبت نااندیش آدمی کسی انسانی غول کا رہنما نہیں بن سکتا۔ اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ اگر ۱۸۸۸ء تک پسر موعود کا حال اچھی طرح منکشف نہیں ہوا تھا تو اس کے بعد کب ہوا؟ اور وہ پسر موعود جو اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہونے والا تھا کہاں غائب ہو گیا؟ اسے زمین نگل گئی۔ یا جن بھوت اڑا لے گئے؟ اس سلسلہ میں مرزا جی نے جنوری ۱۸۹۲ء میں ایک اشتہار زیر عنوان "منصفین کے غور کے لائق" شائع کیا جس میں لکھا کہ اگر ہم اپنے اجتہاد سے کسی اپنے بچہ پر یہ خیال بھی کریں کہ شاید یہ وہی پسر موعود ہے اور ہمارا اجتہاد خطا جائے تو اس میں الہام الٰہی کا کیا قصور ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۹۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم آپ کی اِس اجتہادی غلطی کو تسلیم کئے لیتے ہیں لیکن ازراہِ کرم اُس عمنوائیل اور بشیر کو تو

پیش کیجئے جس کے متعلق آپ کو ۲۰ فروری، ۲۲ مارچ اور ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو الہامات ہوئے تھے اور آپ نے اس کی عالمگیر شہرت اور یکتائی کے متعلق پونے دو سال تک اُودھم مچائے رکھا تھا۔ الہامی صاحب نے اس کے بعد کتاب "تحفہ غزنویہ" میں جو ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی تھی ۱۸۸۶ء کے الہامات اور اشتہارات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے مولوی عبدالحق غزنوی کے اعتراض کے جواب میں لکھا "اور فرزند موعود کی نسبت جو اعتراض تھا۔ سو خدا تعالیٰ نے جیسا کہ وعدہ فرمایا تھا مجھے چار لڑکے عطا فرمائے۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ اعتراض کیا ہُوا؟" (تحفہ غزنویہ ص ۲۴) اس کے متعلق التماس ہے کہ آپ سے چار لڑکوں کا وعدہ بھی ضرور ہُوا ہو گا لیکن ہمیں سر دست اُن سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم تو اُس عنموائیل کی تلاش میں سرگردان ہیں جس کی نسبت آپ نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ وہ صاحب شکوہ و عظمت و دولت ہو گا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ وُہ اس قدر عالی مرتبت ہو گا کہ گویا بقول آپ کے (معاذ اللہ) خود خُدا آسمان سے اُتر آیا۔ پھر ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وُہ حسب وعدۂ الٰہی نو برس کے عرصہ میں ضرور پیدا ہو گا۔" غرض التماس یہ ہے کہ آپ کہیں سے اُس یُوسفِ گم گشتہ کا پتہ لگا کر ہماری تسکین کر دیجئے جس کے لئے ہم ۱۸۸۶ء سے یعقوبؑ وار چشم براہ ہیں۔ اِس کے بعد کتاب "تریاق القلوب" میں جو ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی قادیانی صاحب نے لکھا کہ "بعض نادان دل کے اندھے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشین گوئی میں جو ایک پسر موعود کا وعدہ تھا وہ پورا نہیں ہُوا کیونکہ پہلے لڑکی پیدا ہوئی اور اس کے بعد جو لڑکا پیدا ہُوا اور جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا تھا وُہ سولہ مہینے کا ہو کر فوت ہو گیا۔ حالانکہ ۷ اگست ۱۸۸۷ء کے اشتہار میں اسی کو بابرکت موعود ٹھہرایا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اسی قسم کی خباثت ہے جو یہودیوں کے خمیر میں تھی۔ اشتہار مذکور میں جس لڑکے کی نسبت لکھا گیا تھا کہ وُہ بابرکت ہوگا اس کی صفت میں اشتہار مذکور میں لکھا ہے کہ وُہ تین کو چار کرنے والا ہو گا جس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ وُہ چوتھا لڑکا ہو گا۔ مگر پہلے بشیر کے وقت کوئی تین بیٹے موجود نہیں تھے جن کو وہ چار کرتا۔ (تریاق القلوب مؤلفہ مرزا غلام صاحب تقطیع کلاں

الہامی صاحب کا بیان کہ مبارک احمد ہی عنموائیل ہے

لیکن تریاق القلوب کی ایک اور مرزائی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ جس تین کو چار کرنے والے مظہر جلال الٰہی اور دُنیا کو راہِ راست پر لانے والے فرزند کی پیشین گوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو کی گئی تھی وُہ مرزا صاحب کا چوتھا فرزند مبارک احمد تھا جو بتاریخ ۱۴ جون ۱۸۹۹ء پیدا ہُوا کیونکہ اسی نے پیدا ہو کر مرزا صاحب کے تین بیٹوں کو چار کر دیا۔ چنانچہ مرزا جی نے تریاق القلوب میں جو ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی لکھا "میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے اس کی نسبت پیش گوئی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں کی گئی تھی۔ سو خدا نے میری تصدیق کے لئے اور تمام مخالفوں کی تکذیب کے لئے اِس پسرِ چہارم کی پیش گوئی کو ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو پورا کر دیا۔" (تریاق القلوب طبع اوّل صفحہ ۴۲ و طبع دوم صفحہ ۹۵) غرض مبارک احمد کی پیدائش کے بعد مرزا جی نے اسی کو ۱۸۸۶ء کا عنموائیل قرار دینے کی کوشش کی لیکن بدنصیبی سے اس کوشش میں بھی نامراد رہے کیونکہ اوّل تو اسے ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کے اشتہار کے بموجب جس کا خلاصہ فصلِ اوّل میں درج ہو چکا ہے نو سال کے اندر اندر یعنی ۲۲ مارچ ۱۸۹۵ء تک پیدا ہو جانا چاہیئے تھا لیکن مبارک احمد مدّتِ معہود سے سوا چار سال بعد پیدا ہُوا۔ اس کے علاوہ یہ لڑکا بھی عالمِ طفولیت ہی میں مرزا جی کو داغِ مفارقت دے گیا

چنانچہ خود مرزا جی لکھتے ہیں "میرا لڑکا مبارک احمد نابالغ تھا اور ابھی نو برس کی عمر کو نہیں پہنچا تھا کہ فوت ہو گیا" (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص ۱۲۶) اور ظاہر ہے کہ ایک نابالغ بچہ اس بات کا کسی طرح اہل نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مظہر جلال الٰہی ہو اور دنیا کو راہِ راست پر لا سکے۔ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے۔ غرض قادیانی نبوت کی بسم اللہ ہی غلط نکلی۔ یہ پہلی پیشین گوئی قادیانی نبوت کے سنگ اساس کا حکم رکھتی تھی۔ جب بنیاد ہی کمزور رہی تو نبوت کی عمارت کا کھوکھلا رہنا ناگزیر تھا۔ پیشین گوئی کے جھوٹا نکلنے کی حقیقی وجہ الہامی صاحب خود لکھ گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "کیا یہ سچ نہیں کہ مدعی کاذب کی پیش گوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی؟ یہی قرآن کی تعلیم ہے اور یہی توراۃ کی" (آئینہ کمالات مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ ۳۲۶)

فصل ۷۔ کیا مرزا محمود احمد ہی عمنوائیل موعود ہیں؟

جب عمنوائیل کی پیشین گوئی کے متعلق مرزائیوں کا ناطقہ بند ہوتا ہے تو وہ عالم بے بسی میں اپنے موجودہ خلیفۃ المسیح مرزا محمود احمد ہی کے سر پر عمنوائیلیت کا تاج رکھ دیتے ہیں لیکن اگر انہیں مرزائی لٹریچر پر کافی عبور ہوتا تو شاید ایسا کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ الہامی صاحب نے مرزائیوں کے موجودہ خلیفہ کا نام ابتدا میں صرف محمود احمد رکھا تھا۔ (دیکھو تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۲۰) لیکن چونکہ مبارک احمد کے حادثۂ مرگ کے بعد مرزا جی پر از سر نو اس اعتراض کی بوچھاڑ ہوتی رہتی تھی کہ بہار، عمنوائیل جس کا دوسرا نام بشیر ہو گا کہاں ہے؟ تو ان کا ناطقہ بند ہو جاتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر میرزا صاحب نے اس مشکل پر غالب آنے کے لئے دو تدبیریں کیں۔ ایک تو بڑے لڑکے محمود احمد صاحب کے ساتھ بشیر الدین کا دُم چھلہ لگا دیا۔ دوسرے جب ۱۸۹۳ء میں (دوسری بیوی کے بطن سے) تیسرا بیٹا متولد ہوا تو اس کا نام ہی بشیر احمد رکھ دیا۔ اس کارروائی کا بجز اس کے اور کچھ مقصد نہ تھا کہ عمنوائیل یا بشیر کی پیشین گوئی پر غلط فہمی کا کچھ ایسا روغن قازمل دیا جائے کہ آئندہ نسلیں جعل ہی کو اصل سمجھتی رہیں۔ غرض اس لحاظ سے کہ مرزا محمود احمد صاحب کے ساتھ بشیر الدین لقب کا اضافہ کیا گیا تھا اکثر بے خبر مرزائی اسی مغالطہ میں پھنسے ہیں کہ مرزا محمود احمد ہی فی الحقیقت بشیر موعود ہیں لیکن ان کا یہ خیال بوجوہ غلط ہے۔

مرزا محمود احمد بشیر موعود نہیں ہو سکتے الہامی صاحب اوائل میں بشیر اوّل ہی کو عمنوائیل موعود قرار دیتے اور لوگوں سے کہتے رہے کہ یہ لڑکا دین کا چراغ ہو گا اور اس کی شہرت ربع مسکون میں پھیل جائے گی۔ جب وہ قریباً ایک سال کا ہوا تو مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ دوبارہ حاملہ ہوئیں۔ جب اس حمل پر قریباً تین مہینہ کی مدت گذری تو بشیر اوّل کے عین حیات ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو مرزا صاحب نے میاں محمود احمد کے تولد کی پیشین گوئی کی۔ اس پیشین گوئی میں بشیر اوّل کی نسبت لکھا کہ وہ دین کا چراغ ہو گا اور محمود احمد صاحب کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنے کاموں میں مستعد ہو گا۔ مرزا صاحب کے اصل الفاظ یہ تھے "اولاد میں وہ لڑکا بھی دیا گیا جو دین کا چراغ ہو گا بلکہ ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا جس کا نام محمود احمد ہو گا اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا" (تبلیغ

رسالت جلد اوّل صفحہ ١٢) لیکن بشیر اوّل اس پیشین گوئی کے ساڑھے تین مہینے بعد یعنی ۴ نومبر ١٨٨٨ء کو طعمۂ اجل ہو کر مرزا صاحب کو داغِ مفارقت دے گیا۔ اور اسے دین کا چراغ ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ اس سے بداہتہً ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی نظر میں دین کا موہوم چراغ وہی بشیرِ اوّل تھا جسے بسیطِ ارض میں شہرت و ناموری حاصل کرنی چاہیئے تھی لیکن میاں محمود احمد ان صفات سے عاری تھے اس بنا پر مرزا جی نے انہیں صرف اس ایک صفت کا حامل بتایا کہ وہ "اپنے کاموں میں اولوالعزم ہو گا"۔ پس میاں محمود احمد صاحب عمنوائیل یا بشیرِ موعود کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مرزا صاحب بشیر اوّل کی وفات کے بعد ہمیشہ اس بات کے متمنی اور امیدوار رہے کہ عمنوائیل موعود ان کے گھر میں پیدا ہو گا۔ مرزا محمود احمد صاحب ١٨٨٩ء میں پیدا ہوئے تھے۔ (سیرۃ المہدی جلد ٢ ص ١٥١) اس کے بعد مرزا صاحب نے عمنوائیل کی پیدائش کی پیشین گوئی از سرِ نو ١٨٩١ء میں جبکہ مرزا محمود احمد صاحب جنہوں نے دو سال کے شیر خوار بچہ تھے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں بدیں الفاظ کی: "خدائے تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریّت سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہو گی۔ وہ آسمان سے اُترے گا اور زمین والوں کی راہ سیدھی کرے گا۔ وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا اور ان کو جو شبہات کے زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کانّ اللہ نزل من السماء" (ازالہ اوہام ص ٦٨) پس ظاہر ہے کہ اگر مرزا محمود احمد صاحب عمنوائیل موعود ہوتے اور بقول مرزا صاحب ان کی یہ شان ہوتی کہ گویا (معاذ اللہ) خود خدا آسمان سے اُتر آیا تو مرزا صاحب ان کی موجودگی میں عمنوائیل موعود کے ظہور کی ہرگز پیشین گوئی نہ کرتے۔ مرزا محمود احمد صاحب کے عمنوائیل موعود نہ ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کی ولادت کے چار سال بعد مرزا صاحب نے اپنی کتاب "آئینہ کمالات" میں جو ٢٦ فروری ١٨٩٣ء کو شائع ہوئی تیسری مرتبہ عمنوائیل کے تولد کی پیشین گوئی کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت بھی میاں محمود احمد مرزا صاحب کے نزدیک بشیر موعود نہ تھے۔ مرزا محمود احمد صاحب کے بشیر موعود نہ ہونے کا چوتھا ثبوت یہ ہے کہ چونکہ مرزا صاحب عمنوائیل یا بشیر موعود کے عہد کو ہمیشہ تازہ رکھتے تھے اور عادت مبارک یہ تھی کہ ہر تیسرے چوتھے سال اپنے مریدوں کو اس کی بعثت کا مژدہ سنا دیا کرتے تھے۔ اس لئے جب الہامی صاحب کے تیسرے فرزند میاں شریف احمد پیدا ہوئے تو لوگوں نے ازراہِ مذاق یہ کہنا شروع کیا کہ مرزا صاحب کے گھر میں حقیقی عمنوائیل نے تو اب جنم لیا ہے۔ اس وقت بھی میاں محمود احمد صاحب چھ سات سال کی عمر میں زندہ سلامت موجود تھے لیکن مرزا صاحب نے قطعاً یہ نہ کہا کہ بشیر موعود تو محمود احمد ہے بلکہ اپنی کتاب انوار الاسلام میں جو ٦ ستمبر ١٨٩٤ء کو شائع ہوئی لکھا "یہ سچ ہے کہ ٨ اپریل ١٨٩٤ء کو ہم نے اطلاع دی تھی کہ ایک لڑکا ہونے والا ہے۔ سو پیدا ہو گیا۔ ہم نے اس لڑکے کا نام مولود موعود نہیں رکھا تھا۔ صرف لڑکے کے بارہ میں پیشگوئی تھی اور اگر ہم نے کسی الہام میں اس کا نام مولودِ موعود رکھا تھا تو تم پر یہ لکھنا حرام ہے جب تک وہ الہام پیش نہ کرو۔ ورنہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین"۔ (انوار الاسلام ص ٣٩) مرزا محمود احمد صاحب کے بشیر موعود نہ ہونے کی پانچویں دلیل یہ ہے کہ مرزا صاحب کا آخری لڑکا مبارک احمد

۱۸۹۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس وقت محمود احمد صاحب کی عمر دس سال کی تھی۔ باوجود اس کے مرزا صاحب نے محمود احمد صاحب کو پوچھا تک نہیں اور ایک طفلِ نوزائیدہ کو عمنوائیل اور بشیرِ موعود کا رُتبہ بخش دیا۔ چنانچہ مرزا صاحب نے تریاق القلوب میں لکھا "میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے اس کی نسبت پیش گوئی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں کی گئی تھی۔ سو خدا نے میری تصدیق کے لئے اور تمام مخالفوں کی تکذیب کے لئے اس پسرِ چہارم کی پیش گوئی کو ۱۴ جون ۱۸۹۹ء میں پورا کر دیا" (تریاق القلوب طبع اوّل ص ۴۳ طبع دوم ص ۹۵) مبارک احمد الہامی صاحب کی اُمیدوں کا آخری سہارا تھا۔ جب دیکھا کہ نہال آرزو ہر طرح سے بارور ہے تو ارادہ کیا کہ اس بچّہ کی شادی کی خوشی بھی دیکھ لیں چنانچہ آٹھ ہی سال کی عمر میں اس کے لئے ایک دلہن بیاہ لائے اور اسے سن تمیز سے پہلے ہی سلک ازدواج میں منسلک کر دیا۔ لیکن وُہ اپنی شادی کے چند ہی ماہ بعد مر گیا۔ اگر مرزا محمود احمد صاحب میں صلاحیت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مبارک احمد کے جرعہ مرگ پی لینے کے بعد مرزا صاحب انہی کو عمنوائیلی منصب تفویض فرما کر اس کا اعلان نہ کر دیتے لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہُوا کہ مرزا محمود احمد صاحب میں یہ صلاحیت نہیں +

باب ۳۷۔ علمائے موافقین کی ہمدردانہ نصیحت

جب پسرِ موعود کی پیشین گوئی نے مرزا صاحب کی عزّت دو کوڑی کی کر دی تو مولوی محمد حسین بٹالوی اور بعض دوسرے اہل حدیث علماء نے کمال دل سوزی کے ساتھ مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ آئندہ اس قسم کی بعید از کار پیشین گوئیاں کر کے خواہ مخواہ ذلّت و رسوائی کو دعوت نہ دیا کرو۔ لیکن مرزا صاحب بجائے اسکے کہ اس خیر خواہانہ مشورہ سے نصیحت آموز ہوتے "اُلٹا چشم نمائی کرنے لگے کیونکہ انہوں نے تقدس اور مذہب فروشی کی جو دُکان چلائی تھی اس میں اس جنس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔ بہرحال مرزا جی نے اپنے اشتہار میں جو "حقانی تقریر بر واقعہ وفاتِ بشیر" کے زیرعنوان یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو شائع کیا تھا ان ناصحین مشفق کی خوب خبر لی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اس محل میں یہ بھی لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ مجھے بعض اہل علم احباب کی ناصحانہ تحریروں سے معلوم ہُوا ہے کہ وہ بھی اس عاجز کی یہ کارروائی پسند نہیں کرتے کہ برکات روحانیہ و آیاتِ سماویہ کو جو بذریعہ قبولیّت ادعیہ و الہامات و مکاشفات تکمیل پذیر ہوتا ہے لوگوں پر ظاہر کیا جائے۔ بعض کی اُن میں سے اس بارہ میں یہ حجّت ہے کہ یہ باتیں ظنّی شکّی ہیں اور ان کے ضرر کی اُمید اُن کے فائدہ سے زیادہ تر ہے۔ وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حقیقت میں یہ تمام بنی آدم میں مشترک و متساوی ہیں۔ شاید کسی قدر ادنیٰ کمی بیشی ہو بلکہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ قریباً یکساں ہی ہیں۔ ان کا یہ بیان ہے کہ ان اُمور میں مذہب اور اتقاء اور تعلق باللہ کو کچھ دخل نہیں بلکہ یہ فطرتی خواص ہیں جو انسان کی فطرت کو لگے ہوئے ہیں اور ہر ایک بشر سے مومن ہو یا کافر، صالح ہو یا فاسق کچھ تھوڑی سی کمی بیشی کے ساتھ صادر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تو ان کی قیل و قال ہے جس سے اِن کی موٹی سمجھ اور سطحی خیالات اور مبلغ علم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مگر فراستِ صحیحہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غفلت اور حُبِّ دُنیا کا کیڑا ان کی ایمانی فراست کو بالکل کھا گیا ہے۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جیسے مجذوم کا جذام انتہا کے درجہ تک پہنچ کر سقوطِ اعضا تک نوبت پہنچاتا ہے اور ہاتھوں پیروں کا گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے ایسا ہی ان کے روحانی اعضا جو روحانی قوتوں سے مراد ہیں بباعث غلوِ محبتِ دنیا گلنے سڑنے شروع ہو گئے ہیں۔ اور ان کا شیوہ فقط ہنسی اور ٹھٹھا بدظنی اور بدگمانی ہے دینی معارف اور حقائق پر غور کرنے سے بکلی آزادی ہے۔ بلکہ یہ لوگ حقیقت اور معرفت سے کچھ سروکار نہیں رکھتے اور کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ ہم دنیا میں کیوں آئے اور ہمارا اصلی کمال کیا ہے؟ بلکہ جیفۂ دنیا میں دن رات غرق ہو رہے ہیں۔ ان میں یہ حس ہی باقی نہیں رہی کہ اپنی حالت کو ٹٹولیں کہ وہ کیسی سچائی کے طریق سے گری ہوئی ہے اور بڑی بدقسمتی ان کی یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی اس نہایت خطرناک بیماری کو پوری پوری صحت خیال کرتے ہیں اور جو حقیقی صحت و تندرستی ہے اس کو بنظر توہین و استخفاف دیکھتے ہیں اور کمالات و لایت اور قربِ الٰہی کی عظمت بالکل ان کے دلوں پر سے اٹھ گئی ہے اور نومیدی اور حرمان کی سی صورت پیدا ہو گئی ہے بلکہ اگر یہی حالت رہی تو ان کا نبوت پر ایمان قائم رہنا بھی کچھ معرضِ خطر میں ہی نظر آتا ہے۔(تاریخ مرزا مؤلفہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ص ۲)

باب ۳۸۔ محمدی بیگم سے شادی کرنے کی پیشگوئی

فصل ۱۔ ایک احسان کے معاوضہ میں لڑکی دینے کا مطالبہ

محمدی بیگم کے باپ احمد بیگ سے الہامی صاحب کی شش گانہ قرابت تھی۔ (۱) وہ مرزا صاحب کا بہنوئی تھا کیونکہ الہامی صاحب کی عم زاد بہن عمر النساء اس کی بیوی تھی۔ (۲) بہنوئی کا بھائی تھا کیونکہ قادیانی صاحب کی حقیقی بہن احمد بیگ کے حقیقی بھائی محمد بیگ سے بیاہی گئی تھی۔ (۳) وہ مرزا صاحب کی بہو عزت بی بی کا حقیقی ماموں تھا۔ (۴) مرزا صاحب کے بڑے بھائی غلام قادر کا ہمزلف تھا۔ (۵) مرزا صاحب کے ماموں زاد بھائی مرزا علی شیر بیگ کا نسبتی بھائی تھا۔ (۶) احمد بیگ کی ہمشیرہ الہامی صاحب کے عم زاد بھائی غلام حسین سے بیاہی گئی تھی۔ علی شیر بیگ الہامی صاحب کے نسبتی بھائی یعنی پہلی بیوی کے برادر حقیقی بھی تھے جسے مرزا صاحب نے تادمِ واپسین معلقہ رکھ کر خانماں برباد کیا تھا۔ الہامی صاحب کے فرزند فضل احمد کی بیوی جس کا نام عزت بی بی تھا ان کے ماموں زاد بھائی مرزا علی شیر بیگ کی بیٹی تھی۔ اور محمدی بیگم کی والدہ عمر النساء مرزا صاحب کے چچا غلام محی الدین کی بیٹی تھی۔ اس بنا پر محمدی بیگم مرزا صاحب کی بھانجی لگتی تھی بعض حضرات نے مرزا احمد بیگ کو ملہم قادیاں کا ماموں زاد بھائی بھی لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ وہ حقیقی ماموں کا بیٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی حقیقی بہن الہامی صاحب کے حقیقی ماموں زاد بھائی مرزا علی شیر بیگ کے عقد میں تھی۔ اغلب ہے کہ ماموں کا برادر زادہ ہوگا۔

آسمانی نکاح اٹل ہے | ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء کے مرزائی اشتہار میں آسمانی نکاح کی پوری تفصیل پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے اس اشتہار میں لکھا کہ محمدی بیگم کے ماموں (مرزا امام الدین وغیرہ) جو مجھ کو میرے دعوائے الہام میں مکار

اور دروغ گو خیال کرتے تھے مجھ سے کوئی نشانِ آسمانی مانگتے تھے۔ اِس وجہ سے کئی دفعہ ان کے لئے دعا کی گئی۔ سو وُہ دُعا قبول ہو کر خدا تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی کہ والد اس دختر کا (مرزا احمد بیگ) ایک اپنے ضروری کام کیلئے ہماری طرف ملتجی ہوا۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ احمد بیگ کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین نام سے بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا ہے اور مفقود الخبر ہے۔ اس کی زمین ملکیت جس کا حق ہمیں پہنچتا ہے نام بُردہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے مرزا احمد بیگ نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وُہ زمین جو چار پانچ ہزار روپیہ قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں۔ چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا۔ چونکہ وُہ ہبہ نامہ (انگریزی قانون کے بموجب) بجز ہماری رضامندی کے بیکار تھا اس لئے مرزا احمد بیگ نے بتمام تر عجز و انکسار ہماری طرف رجوع کیا۔ تاکہ ہم اس ہبہ پر راضی ہو کر اس ہبہ نامہ پر دستخط کردیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے لیکن خیال آیا کہ جناب الٰہی میں استخارہ کرلینا چاہیئے۔ سو یہی جواب احمد بیگ کو دیا گیا۔ پھر احمد بیگ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وُہ استخارہ کیا تھا گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آپہنچا تھا جس کو خدا تعالیٰ نے اِس پیرایہ میں ظاہر کر دیا۔ اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان سے کہہ دے کہ تمام سلوک اور مروّت تم سے اسی شرط سے کیا جائے گا۔ اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی بُرا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وُہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ پھر ان دنوں میں جو بار بار توجّہ کی گئی تو معلوم ہُوا کہ خُدا تعالےٰ نے یہ مقرّر کر رکھا ہے کہ وُہ احمد بیگ کی دُخترِ کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک روک دُور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا۔ اور بے دینوں کو مسلمان بنائے گا اور گمراہوں میں ہدایت پھیلائے گا۔ چنانچہ عربی الہام اس بارہ میں یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور پہلے سے ہنسی کر رہے تھے۔ سو خُدا تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لئے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خُدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ تیرا رب وُہ قادر ہے کہ جو چاہے وہی ہو جاتا ہے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ گو اوّل میں احمق اور نادان لوگ بدباطنی اور بدظنّی کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں لیکن آخر خدائے تعالیٰ کی مدد کو دیکھ کر شرمندہ ہوں گے۔ اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تیری تعریف ہوگی۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۵-۱۱۷) غرض الہامی صاحب کو خود غرضی، مطلب براری اور بوالہوسی کا نہایت سنہری موقع ہاتھ آیا۔ ہر چند کہ حقوقِ قرابت، شرافتِ نفس، شرف و مجدِ انسانی اور احسان و ایثار کے اعلیٰ صفات کا اقتضاء یہ تھا کہ مرزا صاحب یہ کام بلا معاوضہ کر دیتے لیکن چونکہ قادیاں کے مجدد صاحب اِن صفاتِ عالیہ سے عاری تھے اِس لئے احمد بیگ سے اِس سلوک و مروّت کا صلہ لڑکی بیاہ دینے کی شکل میں طلب کیا۔

حالانکہ مرزا صاحب اس عمر سے تجاوز کر چکے تھے جو شادی کے لئے منتہائے خیال ہے۔ احمد بیگ نے اس شرمناک مطالبہ کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اور حقوقِ قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے اس حرکت کا کوئی انتقام نہ لیا۔ حالانکہ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو جب تک اس غیر شریفانہ حرکت کی سزا نہ دے لیتا اُس کے جذباتِ انتقام کو تسکین نہ ہوتی۔

خواہش ازدواج کا مقصد

لدھیانہ کے مسیحی رسالہ "نور افشاں" نے ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء کی اشاعت میں لکھا کہ "جب مرزا صاحب کے نکاح میں پہلے ہی دو بیویاں ہیں اور جوان اولاد موجود ہے تو پھر اس لڑکی کی تمنائے ازدواج محض خواہشاتِ نفسانی کا اتباع ہے"۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں فرمایا کہ "اس لڑکی سے عقد ہونے کی پہلی پیشین گوئی اس زمانہ کی ہے جبکہ وُہ لڑکی ہنوز نابالغ تھی اور اس کی عمر آٹھ نو سال کی تھی۔ تو اس پہ نفسانی افتراء کا گمان کرنا حماقت ہے"۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۸) قادیانی صاحب نے اس اشتہار کے پانچ روز بعد ایک اور اعلان شائع کیا جس میں محمدی بیگم کی خواستگاری کے یہ وجوہ قرار دئے (۱) ایک جگہ لکھا کہ "عرصہ سے یہ لوگ جو میرے کنبے سے اور اقارب ہیں کیا مرد اور کیا عورت مجھے میرے الہامی دعاوی میں مکّار اور دکاندار خیال کرتے ہیں اس لئے خدا نے ان کی بھلائی (اور اصلاح) کے لئے انہی کے تقاضا اور درخواست سے اس الہامی پیشینگوئی کو (بطور نشان کے) ظاہر فرمایا (تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ مرزا صاحب اپنے الہامی دعووں میں مکّار اور دکاندار نہیں ہیں) (۲) ایک اور وجہ یہ بتائی کہ محمدی بیگم کے اقربا رسم پرستی کی وجہ سے لڑکی کا غیر حقیقی ماموں سے نکاح کرنا معیوب سمجھتے تھے سو خدا تعالیٰ نے (یہ نکاح) ایک ایسا نشان قرار دیا جس سے ان کے دین کی اصلاح اور بدعت اور خلافِ شرع رسم کی بیخ کنی ہو جائے تاکہ آیندہ اس قوم کے لئے ایسے رشتوں کے بارے میں کچھ تنگی اور حرج نہ رہے" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۸) لیکن ظاہر ہے کہ چونکہ مرزا صاحب دُنیا میں محمدی بیگم کو سلکِ ازدواج میں منسلک کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اس لئے مخالف لوگ یہ نتیجہ نکالنے میں برسرِ حق سمجھے جائیں گے کہ نہ یہ نکاح کوئی آسمانی نشان تھا۔ نہ اس سے کوئی اصلاح ممکن تھی بلکہ باغِ حسن کی گل چینی کا اشتیاق اور نفسانی جذبات کی تکمیل ہی الہامی صاحب کے پیشِ نظر تھی۔ اسی طرح مرزا صاحب کے اقارب کا انہیں الہامی دعووں میں دکاندار

خواہش ازدواج کا اصل محرّک

اب مخزنہ محمدی بیگم ضعیف العمر ہے۔ بہارِ جوانی پر خزانِ پیری نے چھاپہ مارا ہے لیکن سنا جاتا ہے کہ جب گلزارِ جوانی عین بہار پہ تھا تو چندے آفتاب چندے ماہتاب تھی۔ اسی بنا پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "مرزا صاحب مدّت سے اس کے شمعِ رخسار کا پروانہ بنے ہوئے تھے"۔ میرے نزدیک ممکن ہے کہ لڑکی کے حُسن و جمال نے بھی شادی کی سفارش کی ہو لیکن اصل محرّک غالبًا وُہ الہامات تھے جن میں قادیاں کے مسیحا صاحب کو تیسری بیوی سے عقد کرنے کی بشارت دی گئی تھی۔ محمدی بیگم الہامی صاحب کے عم زاد بھائیوں امام الدین، نظام الدین اور کمال الدین کی حقیقی بھانجی تھی اور اپنی والدہ کے ساتھ زیادہ تر قادیاں ہی میں رہتی تھی۔ البتہ ماں بیٹی اُن دنوں ہوشیارپور چلی جاتی تھیں جب مرزا احمد بیگ پولیس کی ملازمت سے چھٹی لے کر ہوشیارپور آتے تھے۔ چونکہ قادیاں میں محمدی بیگم کے ماموں کا مکان الہامی صاحب کے دولت کدہ سے بالکل ملا ہوا تھا اس لئے ملہم صاحب کو اس لڑکی کے مشاہدہ جمال کے مواقع ہر روز حاصل تھے پس ممکن ہے کہ لڑکی کے حُسن و جمال نے بھی کبھی عزمِ نکاح کی شفاعت و تحریک کی ہو لیکن اصل تحریک شاید اسی الہام نے کی تھی

ہو کچھ عرصہ سے مرزا صاحب کے دل و دماغ پر مسلط رہتا تھا کہ تمہیں تیسری شادی سے بھی بہرہ مند کیا جائے گا۔ گو عجب نہیں کہ تیسری شادی کے الہامات بھی خواہش حقاہی کی بنا پر گھڑ لیئے گئے ہوں۔

الہام و وحی آسمانی کے حیلے کیوں تراشے گئے؟

مرزا صاحب کو یقین تھا کہ اگر رسمی طور پر نکاح کی درخواست کریں گے تو منظور نہیں ہوگی کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے بڑھے بوالہوس کو کنواری لڑکی دینا گوارا نہیں کرتا جس کی پہلے بھی دو بیویاں اور جوان اولاد موجود ہو۔ خصوصاً ایسے شخص کو جسے علمائے اُمت ملت اسلام سے خارج قرار دے چکے ہوں۔ اس لئے مرزا صاحب نے آسمانی وحی و الہام کو سپر بنایا اور کہا خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ محمدی بیگم میرے عقد میں آئے گی۔ وہ قطعاً میری بیوی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھ آسمان پر میرا نکاح پڑھ دیا گیا ہے۔ اب تو زمین پر اس نکاح کی سلسلہ جنبانی کرو" لیکن آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ یہی آسمانی نکاح مرزا صاحب کی حسرتوں کا گورِ غریباں بن گیا۔ دوسری وجہ جو بعض ثقہ راویوں کی وساطت سے خاکسار راقم الحروف تک پہنچی ہے یہ ہے کہ الہامی صاحب نے محمدی بیگم پر کٹنیاں اور اس کی اپنی سہیلیاں چھوڑ رکھی تھیں جو اسے مرزا صاحب سے شادی کرنے کی ترغیب دیتی رہتی تھیں اور اسے اس قسم کی باتیں ذہن نشین کی جاتی تھیں کہ سینکڑوں ہزاروں روپیہ کی روزانہ آمدنی کے علاوہ مرزا صاحب کو اتنی بڑی عزّت و عظمت و جاہ حاصل ہے کہ بڑے بڑے ڈپٹی اور جج اور دوسرے اعلیٰ عہدہ دار قادیان آ کر مرزا صاحب کے پیر چومتے اور نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اگر تمہیں ان کی زوجیت کا شرف نصیب ہو تو مدت العمر شاہزادیوں سے بڑھ کر عیش و راحت اور عزّت و نمود کی زندگی بسر کرو گی۔ یہ بھی تحریک ہوتی تھی کہ تم اپنی ماں پر زور ڈالو کہ تمہاری شادی مرزا صاحب سے کریں"۔ انجام کار ان مسلسل تحریکات نے محمدی بیگم کو بھی مائل کر دیا اور اس نے وعدہ کر لیا کہ میں ماں سے اس خواہش کا اظہار کر دوں گی"۔ جب لڑکی ہموار کر لی گئی تو اب یہ مرحلہ باقی رہ گیا کہ کسی طرح لڑکی کے باپ کو بھی آمادہ کیا جائے۔ لیکن اس کی آمادگی مشکل تھی۔ اس لئے اس کو مغلوب کرنے کیلئے خوفناک الہاموں کا حربہ تجویز کیا گیا۔ اب لڑکی کا قلعۂ دل مسخر ہو چکا تھا مرزا صاحب کی اُمیدوں کی بلندی گوشِ سحاب سے سرگوشیاں کر رہی تھی اور انہیں اپنی کامیابی کا ہر طرح سے کامل وثوق تھا اسی بنا پر ان کا ارادہ تھا کہ اگر محمدی بیگم کے والد اور دوسرے اقربا کسی طرح نہ مانیں گے تو لڑکی سے کہہ دیا جائے گا کہ وہ اقربا سے قطع تعلق کر کے خود بخود مرزا صاحب کے مشکوئے معلّی میں پہنچ جائے۔ انہی حالات کے ماتحت الہامی صاحب نے فضیلت مآبی کی مسند پر قدم رکھ کر الہاموں اور پیشین گوئیوں کے طوفان برپا کر رکھے تھے۔ گو یہ معلوم نہیں کہ آیندہ چل کر محمدی بیگم کی رضا جوئی طاقِ اہمال پر کیوں رکھی رہ گئی اور مرزا صاحب کی آسمانی منکوحہ کو پٹی ضلع لاہور کا ایک نوجوان کیوں ہتھیا لے گیا؟ لیکن اس کی وجہ ایک اور راوی نے یوں بیان کی ہے کہ میاں محمود احمد کی والدہ محمدی بیگم کی ماں کے پاس ہر روز یہ پیغام بھیج دیتی تھیں کہ تم شوق سے اپنی لڑکی کو میری سوکن بنا دو لیکن میں بھی اس سے ہر روز بیس سیر اناج پسوایا کروں گی"۔ ان متواتر پیغامات نے محمدی بیگم کو بھی بددل کر دیا تھا۔ ہو خراں کرنا ہی کا بیان ہے کہ اسی بنا پر الہامی صاحب کے فرزند اکبر مرزا سلطان احمد صاحب کہا کرتے تھے کہ والدہ نے محمدی بیگم کے لئے سارے جہان سے لڑائی مول لے رکھی ہے لیکن اپنی بیوی کو نہیں سمجھاتے کہ اس قسم نفرت انگیز پیغام بھیج کر ان کے کام میں روڑے نہ اٹکائے۔

فصل ۲۔ ازدواجی الہامات کا طوفان

اور لکھا جا چکا ہے کہ مرزا صاحب نے ہبہ نامہ پر دستخط کر دینے کے عوض میں لڑکی لینے کا شرمناک سودا کرنا چاہا تھا الہامی صاحب نے اسی خیبر ... اور دستبرداری پر اکتفا نہ کیا بلکہ اب محمدی بیگم کے جرم ناآشنا باپ اور دوسرے اقربا کو الہامی حربے چلا چلا کر خوف زدہ کرنے کا اقدام بھی ... کر دیا۔ اسی سلسلہ میں چند روز کے بعد مرزا احمد بیگ کے نام ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے "خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک ... نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ اگر آپ اپنی دختر کلاں کا رشتہ میرے ساتھ منظور کریں تو وہ تمام نحوستیں آپ کی دور کر دے گا۔ اگر یہ رشتہ وقوع میں نہ آیا تو آپ کے لئے دوسری جگہ رشتہ کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا اور اس کا انجام درد اور تکلیف اور موت ہوگی۔ یہ دونوں طرف برکت اور موت ایسی ہیں کہ جن کو آزمانے کے بعد میرا صدق یا کذب معلوم ہو سکتا ہے۔" (آئینہ کمالات مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲۷۹) اس خط سے محمدی بیگم کے اقربا پر کچھ بھی خوف وہراس طاری نہ ہوا بلکہ اُلٹا مرزا صاحب کی تحقیر و تذلیل کے درپے ہوئے۔ الہامی صاحب نے یہ خط کمال رازداری سے لکھا تھا اور مرزا احمد بیگ کو تاکید کی تھی کہ یہ راز افشا نہ ہونے پائے لیکن مرزا نظام الدین نے جو مسیح صاحب کا عم زاد بھائی اور محمدی بیگم کا حقیقی ماموں تھا یہ بھانڈا قادیاں کے چوراہے پر پھوڑ دیا۔ چنانچہ الہامی صاحب فرماتے ہیں۔ "نور افشاں" نے اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا اور اس پر کلی اعتماد تھا تو پھر پوشیدہ کیوں رکھا گیا اور کیوں اپنے خط میں پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک خانگی معاملہ تھا اور گو ہم شائع کرنے کے لئے مامور تھے مگر ہم نے دوسرے وقت کی انتظار کی۔ یہاں تک کہ اس لڑکی کے ماموں مرزا نظام الدین نے جو مرزا امام الدین کا حقیقی بھائی ہے شدت غضب میں آ کر اس مضمون کو آپ ہی شائع کر دیا اور پھر زبانی اشاعت پر اکتفا نہ کر کے اخباروں میں ہمارا خط چھپوایا اور بازاروں میں ان کے دکھلانے سے وہ خط جا بجا پڑھا گیا اور عورتوں اور بچوں تک اس خط کے مضمون کی منادی کی گئی اور مرزا نظام الدین کی کوشش سے ہمارا وہ خط "نور افشاں" میں بھی چھپا۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۷)

آسمانی بشارت کہ محمدی بیگم انجام کار تمہاری بیوی بنے گی

قادیانی صاحب نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں لکھا کہ "خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ خدا ایک اُجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا یہ ایک پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جو پہلے شائع ہو چکی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر پیش گوئی ظاہر کی ہے کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے اگر وہ اپنی لڑکی اس عاجز کو نہیں دے گا تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائے گا اور وہ جو نکاح کرے گا وہ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہوگا اور آخر وہ عورت اس عاجز کی بیویوں میں داخل ہوگی۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۶۱ حاشیہ) جب نقدس کا کوئی دکاندار دل و دماغ میں کسی قسم کی خواہش کی حد سے زیادہ پرورش کرنے لگتا ہے اور اس کے متعلق کوئی تخیل پختہ کر لیتا ہے تو شیاطین اسی خیال کے بموجب اسے الہام کرنے لگتے ہیں اور وہ اس الہام کو منجانب اللہ یقین کر کے بلا تامل شائع کرتا ہے خواہ بعد کو اسے کتنا ہی رسوا اور روسیاہ کیوں نہ ہونا پڑے۔ چنانچہ مرزا صاحب اپنے ازالہ میں لکھتے ہیں "الہام رحمانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی۔ اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے انکشاف کے لئے بطور استخارہ یا استخبارہ وغیرہ کی توجہ کرتا ہے خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بُرا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اس وقت اس کی گھڑ دوڑ میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اُس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔" (ازالہ اوہام مؤلفہ

مرزا غلام احمد طبع پنجم ص ۲۵۷) چونکہ مرزا صاحب ہر وقت محمدی بیگم کے خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ مرزا صاحب کو بھی اس قسم کے الہام ہونے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مرزا صاحب کو ایک الہام ہوا۔ "ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔" (آسمانی فیصلہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صفحہ ۵۶) حضرات "عقد نکاح باندھ دینا" قادیانی صاحب کا خاص الہامی محاورہ ہے۔ آنکھوں میں نزول الماء اتر آنا بھی الہامی صاحب کا ایک مقدس محاورہ تھا۔

خدائی وعدے میں شک نہ لانے کا الہام
ایک مرتبہ کسی صعب بیماری نے مرزا صاحب کو زندگی سے نا امید کر دیا۔ حالتِ یاس میں خیال آیا کہ سفر آخرت درپیش ہے اور محمدی بیگم کی پیشین گوئی ہنوز پوری نہیں ہوئی۔ معاً الہام ہوا کہ اپنے رب کے وعدے کی سچائی میں قطعاً شک نہ کرو۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں: "جب کہ ابھی یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تھی جیسا کہ اب تک بھی جو ۱۶ اپریل ۱۸۹۱ء ہے پوری نہیں ہوئی تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہیں سکا۔ اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔" (ازالہ اوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب طبع پنجم ص ۱۹۶)

موانع نکاح دور کرنے کے آسمانی وعدے
محمدی بیگم کے پیغام نکاح کے بعد قادیاں کے حاجی خدا کی طرف سے مرزا صاحب کو اس قسم کے مسلسل پیام آتے رہے کہ میں ہر قسم کے مانع دور کر کے محمدی بیگم کو تمہاری بیوی بناؤں گا۔ چنانچہ الہامی صاحب نے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا "پھر ان دنوں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۶) اس اعلان کے قریباً تین سال بعد اس جذبہ عناد کا لحاظ رکھتے ہوئے جو محمدی بیگم کے اقربا کے دلوں میں مرزا صاحب کے خلاف کارفرما تھا جب الہامی صاحب کو یقین ہوا کہ محمدی بیگم ضرور کسی دوسری جگہ بیاہی جائے گی تو مرزا صاحب اس قسم کے الہام شائع کرنے لگے کہ وہ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ ہونے کے بعد ہر حالت میں ان کے بستر عیش کی زینت بنے گی۔ چنانچہ کتاب ازالہ اوہام میں جو ۳ ستمبر ۱۸۹۱ء کو شائع ہوئی لکھا کہ "راقم رسالہ ہذا اس مقام میں خود صاحب تجربہ ہے۔ عرصہ قریباً تین برس کا ہوا ہے کہ بعض تحریکات کی وجہ سے جن کا مفصل ذکر اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا گاماں بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا۔ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا کوئی نہیں جو اس کو روک سکے" (ازالہ طبع پنجم ص ۱۶۵) اس پیشین گوئی میں مرزا جی کے الہام رساں نے مرزا جی کو الہام کیا کہ محمدی بیگم یا تو کنوار پن کی حالت میں تمہارے دستِ تصرف میں آئے گی یا بیوہ ہو کر۔ لیکن ظاہر ہے

کہ یہ الہام بجائے خود مرزائی قصرِ سیحیت کو پیوند خاک کر رہا ہے کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا صاحب کو الہام کرنے والا اتنا جاہل اور بے خبر تھا کہ اسے خود ہی معلوم نہ تھا کہ وہ قادیانی صاحب کی آسمانی منکوحہ کو شادی سے پہلے ان کے حجلۂ عروسی کی زینت بنائے گا یا شادی کے بعد بیوہ کر کے مرزا صاحب کے سپرد کرے گا۔

فصل ۳۔ محمدی بیگم کے نکاح کو اپنے صدق یا کذب کا معیار ٹھہرانا

بعض دھاتیں بظاہر سونے سے ملتی جلتی ہیں اس لئے ناواقف لوگ ان کی سنہری رنگت اور درخشندگی کو دیکھ کر طلائے خالص یقین کر لیتے ہیں لیکن اُن کا اصل یا نقل ہونا اُس وقت ممیز ہوتا ہے جب صراف کے پاس پہنچ کر کسوٹی پر کسی جاتی ہیں۔ چونکہ مرزا صاحب بھی ارواح خبیثہ کے افکار کو الہام خداوندی خیال کرتے ہوئے اپنے تئیں برسرِ حق اور ماموُر من اللہ یقین کئے بیٹھے تھے اس لئے ضرور تھا کہ وہ بھی اپنے سچا ہونے کے معیار پیش کرتے۔ اور لطف یہ کہ جب بھی ان معیاروں پر انہیں پرکھا جاتا تھا ان کا کذب ہی ظاہر ہوتا تھا۔ مرزا صاحب نے اپنے صدق و کذب کی ایک کسوٹی یہ بنائی تھی کہ اگر محمدی بیگم مجھے مل گئی تو سچا ہوں ورنہ جھوٹا۔ چنانچہ ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء کے اخبار نور افشاں میں ان کا جو خط بنام مرزا احمد بیگ شائع ہوا اس میں فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک سے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ اگر آپ اپنی دختر کلاں کا رشتہ میرے ساتھ منظور کریں تو وہ تمام نحوستیں آپ کی دُور کر دے گا۔ اگر یہ رشتہ وقوع میں نہ آیا تو آپ کے لئے دوسری جگہ رشتہ کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا اور اُس کا انجام درد اور تکلیف اور موت ہوگی۔ یہ دونوں طرف برکت اور موت کی پیش گوئیاں ایسی ہیں کہ جن کو آزمانے کے بعد میرا صدق یا کذب معلوم ہو سکتا ہے" (آئینہ کمالات ص ۲۷۹) اس کے بعد ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا کہ "جب مرزا نظام الدین کی کوشش سے وہ خط ہمارا نور افشاں میں چھپ گیا اور عیسائیوں نے اپنی مادہ کے موافق بے جا افتراء کرنا شروع کیا تو ہم پر فرض ہو گیا کہ اپنی قلم سے اصلیت کو ظاہر کریں۔ بد خیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لئے ہماری پیشگوئی سے بڑھ کر اور کوئی محکِ امتحان نہیں ہو سکتا۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۷) مرزا صاحب نے محمدی بیگم کے عقد نکاح کو اس حیثیت سے بھی اپنے حق و باطل کا معیار ٹھہرایا تھا کہ مرزا صاحب کے اقربا انہیں الہامی دعووں میں مکار اور دکاندار خیال کرتے تھے اسلئے حسب بیان مرزا صاحب خدائے تعالیٰ نے انکی سچائی ظاہر کرنے کیلئے یہ الہامی پیشگوئی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "ایک عرصہ سے یہ لوگ جو میرے کنبے سے اور میرے اقارب ہیں کیا مرد اور کیا عورتیں مجھے میرے الہامی دعاوی میں مکار اور دکاندار خیال کرتے ہیں پس خدا تعالیٰ نے انہی کی بھلائی کیلئے انہی کے تقاضا سے انہی کی درخواست سے اس الہامی پیشگوئی کو ظاہر فرمایا ہے۔ کاش وہ پہلے نشانوں کو کافی سمجھتے اور یقیناً وہ ایک ساعت بھی مجھ پر بدگمانی نہ کر سکتے۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۹) ظاہر ہے کہ چونکہ محترمہ محمدی بیگم مرزا صاحب کے نکاح میں نہ آئیں اور ان کا یہ بیان کردہ نشان غلط نکلا اس لئے مرزا صاحب خود اپنی زبان سے دکاندار ثابت ہوئے۔

فصل ۴۔ محمدی بیگم کے حصول کی مختلف تدبیریں

یوں تو مرزا صاحب کو وادیٔ محبت میں قدم رکھے کئی سال گزرے تھے لیکن مخصوص جد و جہد اور اضطرابی کیفیت کے پیش نظر

میں ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۲ء دو سال کو محبت فراق کا خاص موسم قرار دیتا ہوں جس سر میں محبت کا سودا سماتا ہے اس کی حالت کسی سے مخفی نہیں پس علام الغیوب ہی جانتا ہے کہ اِن دنوں حضرت مرزا صاحب کے دلِ محبت منزل پر کیا گذر رہی تھی عربی میں ضرب المثل ہے۔ اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ (جس کام سے انسان کو روکا جائے اُسی کی طرف اس کا زیادہ میلان ہوتا ہے) یہ مثل مرزا صاحب پر خوب صادق آتی ہے۔ لڑکی کے اقربا کی طرف سے جتنا زیادہ انکار و اعراض ہوتا تھا اُسی قدر مرزا صاحب کی شراب آرزو دو آتشہ اور سہ آتشہ ہوتی جا رہی تھی۔ آخر وہ وقت آگیا جبکہ دل کی بے کلی ساعت بساعت بڑھنے لگی اور زمامِ صبر و شکیب ہاتھ سے چھوٹتی نظر آئی۔ رباعی

عمرے بشکیب می ستودم خود را | در شیوۂ صبر نی نمودم خود را
چوں عشق آمد کرام صبر چہ شکیب؟ | المنۃ للہ آزمودم خود را

کامیابی کے مسلسل الہامی وعدوں کے باوجود مرزا صاحب نے حصولِ مقصد کے لئے جدوجہد کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا ترغیب ترہیب چاپلوسی اور سختی کے تمام سرد و گرم ذرائع استعمال کئے۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب نے (۱) لڑکی کے اُن اقربا کے نام خطوط بھیجے جن کے ہاتھ میں کامیابی کی کلید تھی۔ (۲) لڑکی کے منگیتر مرزا سلطان محمد متوطن قصبہ پٹی ضلع لاہور کے نام تہدید آمیز چٹھیاں لکھ کر خواہش کی کہ تم اس نسبت و ناطہ سے انکار کردو۔ (۳) جو لوگ اس کام میں کوشاں تھے اُن کی مٹھیاں گرم کیں یا گرم کرنے کا وعدہ کیا۔ اب ہر بیان کو جداگانہ عنوان کے ماتحت درج کیا جاتا ہے۔

(۱) مراسلات بنام اقربائے مطلوبہ

مرزا علی شیر بیگ مسیح قادیاں کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے مسیح صاحب کی پہلی بیوی یعنی والدہ مرزا سلطان احمد و فضل احمد جنہیں مسیح صاحب نے کئی سال سے معلقہ کر رکھا تھا یعنی نہ طلاق دیتے تھے اور نہ گھر میں رکھتے تھے انہی کی مظلومہ بہن تھیں۔ اِن دوہری قرابتوں کے علاوہ مرزا علی شیر بیگ مرزا صاحب کے سمدھی یعنی فضل احمد کے خسر بھی تھے فضل احمد کی بیوی کا نام عزت بی بی تھا عزت بی بی کی والدہ یعنی مرزا علی شیر بیگ کی بیوی مرزا احمد بیگ کی حقیقی ہمشیر تھیں۔ چونکہ الہامی صاحب نے مرزا علی شیر بیگ کی بہن کو گھر سے علیحدہ کر کے میکے چلے جانے اور اسی جگہ بیکسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رکھا تھا اور منکوحہ ہونے کے باوجود تعلقات زناشوی اور نان نفقہ دینے سے اجتناب تھا اس لئے مرزا علی شیر بیگ اور انکی بیوی اور دوسرے اقربا الہامی صاحب سے سخت ناخوش تھے۔ چونکہ الہامی صاحب کا خیال تھا کہ محمدی بیگم کے نکاح کا عقدہ مرزا علی شیر بیگ اور انکی بیوی کے ناخنِ تدبیر سے حل ہو سکتا ہے اس لئے مرزا صاحب نے باہمی ناچاتی و ناراضی کے باوجود پہلے ان دونوں کو، اور پھر مرزا احمد بیگ کے نام تہدیدی خطوط لکھے۔ قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی نے اپنی کتاب "کلمہ فضل رحمانی" کے صفحات ۱۲۳-۱۲۸ پر یہ خطوط درج کئے ہیں۔ یہ چٹھیاں مرزا علی شیر بیگ مرحوم کے پاس تھیں۔ شیخ نظام الدین پنشنر ساکن راہوں نے اُن سے حاصل کر کے اپنے دوست قاضی فضل احمد سابق کورٹ انسپکٹر کو دے دیں۔ اور قاضی صاحب نے ان کو کلمہ فضل رحمانی میں زیبِ رقم کردیا (کلمہ فضل رحمانی ص ۱۲۳) یہ خطوط ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

پہلا خط سمدھی کے نام | مرزا صاحب نے اپنے سمدھی مرزا علی شیر بیگ کے نام جو محمدی بیگم کے پھوپھا تھے بتاریخ ۴ مئی

۱۸۹۱ء میں یہ خط لدھیانہ سے جہاں مسیح قادیاں ان دنوں قیام فرما تھے لکھا: "مشفقی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو آپ سے کسی طرح سے فرق نہ تھا اور میں آپ کو ایک غریب طبع اور نیک خیال آدمی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں لیکن اب جو آپ کو ایک خبر سناتا ہوں آپ کو اس سے بہت رنج گذرے گا مگر میں للہ ان لوگوں سے تعلق چھوڑنا چاہتا ہوں جو مجھے ناچیز بتاتے ہیں اور دین کی پرواہ نہیں رکھتے آپ کو معلوم ہے کہ مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے بارے میں ان لوگوں کے ساتھ کس قدر میری عداوت ہو رہی ہے اب میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے اور آپ کے گھر کے لوگ اس مشورہ میں شامل ہیں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے سخت دشمن ہیں بلکہ میرے کیا دین اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ عیسائیوں کو ہنسانا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اللہ اور رسول کے دین کی کچھ بھی پرواہ نہیں رکھتے۔ اور اپنی طرف سے میری نسبت ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو خوار و ذلیل کیا جاوے روسیاہ کیا جاوے۔ یہ اپنی طرف سے ایک تلوار چلانے لگے ہیں۔ اب مجھ کو بچا لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اگر میں اس کا ہوں گا تو ضرور بچا لے گا اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کر کے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھ سکتا۔ کیا میں چوہڑا یا چمار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عار یا ننگ تھی بلکہ وہ تو اب تک ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور اپنے بھائی کے لئے مجھے چھوڑ دیا اور اب اس لڑکی کے نکاح کے لئے سب ایک ہو گئے۔ یوں تو مجھے کسی کی لڑکی سے کیا غرض کہیں جائے مگر یہ آزمایا گیا کہ جن کو میں خویش سمجھتا تھا اور جن کی لڑکی کے لئے چاہتا تھا کہ اس کی اولاد ہو اور وہ میری وارث ہو وہی میرے خون کے پیاسے وہی میری عزت کے پیاسے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ خوار ہو۔ اور اس کا روسیاہ ہو۔ خدا بے نیاز ہے جس کو چاہے روسیاہ کرے مگر اب تو وہ مجھے آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں میں نے خط لکھے کہ پرانا رشتہ مت توڑو۔ خدا تعالیٰ سے خوف کرو کسی نے جواب نہ دیا بلکہ میں نے سنا ہے کہ آپ کی بیوی نے جوش میں آ کر کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے؟ صرف عزت بی بی نام کیلئے فضل احمد کے گھر میں ہے بیشک وہ طلاق دیدے ہم راضی ہیں ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے ہم اپنے بھائی کے خلاف مرضی نہ کریں گے۔ یہ شخص کہیں مرتا بھی نہیں۔ پھر میں نے رجسٹری کرا کر آپ کی بیوی صاحبہ کے نام خط بھیجا۔ مگر کوئی جواب نہ آیا اور بار بار کہا کہ اس سے ہمارا کیا باقی رہ گیا جو چاہے سو کرے ہم اس کیلئے اپنے خویشوں سے اپنے بھائیوں سے جدا نہیں ہو سکتے مرتا مرتا رہ گیا کہیں مر بھی ہوتا یہ باتیں آپ کی بیوی کی مجھے پہنچی ہیں۔ بیشک میں ناچیز ہوں ذلیل ہوں خوار ہوں مگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں میری عزت ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اب جب میں ایسا ذلیل ہوں۔ تو میرے بیٹے سے تعلق رکھنے کی کیا حاجت ہے۔ لہٰذا میں نے ان کی خدمت میں خط لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی کو اس نکاح سے روک نہ دیں پھر جیسا کہ آپ کی خود منشا ہے میرا بیٹا فضل احمد بھی آپ کی لڑکی اپنے نکاح میں رکھ نہیں سکتا بلکہ ایک طرف جب محمدی کا کسی شخص سے نکاح ہو گا تو دوسری طرف سے فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دیدے گا۔ اگر نہیں دے گا تو میں اس کو عاق اور لاوارث کر دوں گا اگر میرے لئے احمد بیگ سے مقابلہ کرو گے اور یہ ارادہ اس کا بند کرا دو گے تو میں بدل و جان حاضر ہوں اور فضل احمد کو جو اب میرے قبضہ میں ہے ہر طرح سے درست کر کے آپ کی لڑکی کی آبادی کیلئے کوشش کروں گا اور میرا مال ان کا مال ہو گا لہٰذا آپ کو بھی لکھتا ہوں کہ اس وقت کو سنبھال لیں اور احمد بیگ کو پورے زور سے خط لکھیں کہ باز آ جائے اور اپنے گھر کے لوگوں کو تاکید کر دیں کہ وہ بھائی کو لڑائی کر کے روک دیوے ورنہ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب ہمیشہ کیلئے یہ تمام رشتے ناطے توڑ دوں گا۔ اگر فضل احمد میرا فرزند اور وارث بننا چاہتا ہے

تو اسی حالت میں آپ کی لڑکی کو گھر میں رکھے گا جب آپ کی بیوی کی خوشی ثابت ہو ورنہ جہاں میں رخصت ہوا ایسا ہی سب رشتے ناطے ٹوٹ گئے یہ باتیں خطوں کی معرفت مجھے معلوم ہوئی ہیں میں نہیں جانتا کہ کہاں تک درست ہیں۔ واللہ اعلم راقم خاکسار غلام احمد از لدھیانہ اقبال گنج - ۲ - مئی ۱۸۹۱ء۔"

دوسرا خط محمدی بیگم کی پھوپھی کے نام

اسی تاریخ کو مرزا صاحب نے یہ خط مرزا علی شیر بیگ کی بیوی کے نام لکھ بھیجا جو محمدی بیگم کی پھوپھی تھیں "والدہ عزت بی بی کو معلوم ہو کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ چند روز میں محمدی (مرزا احمد بیگ کی لڑکی) کا نکاح ہونیوالا ہے اور میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھا چکا ہوں کہ اس نکاح سے رشتے ناطے توڑ دوں گا اور کوئی تعلق نہیں رہے گا اس لئے نصیحت کی راہ سے لکھتا ہوں کہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقوف کراؤ اور جس طرح تم سمجھا سکتی ہو اس کو سمجھاؤ اور اگر ایسا نہ ہوگا تو آج میں نے مولوی نورالدین صاحب اور فضل احمد کو خط لکھ دیا ہے کہ اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آؤ تو فضل احمد عزت بی بی کے لئے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عذر کرے تو اس کو عاق کیا جائے اور اپنے بعد اس کو وارث نہ سمجھا جائے اور ایک پیسہ اس کو وراثت کا نہ ملے سو امید رکھتا ہوں کہ شرطی طور پر اس کی طرف سے طلاق نامہ لکھا آجائے گا جس کا یہ مضمون ہوگا کہ اگر مرزا احمد بیگ محمدی کا نکاح غیر کے ساتھ کرنے سے باز نہ آئے تو پھر اسی روز سے جو محمدی کا کسی اور سے نکاح ہو جائے۔ عزت بی بی کو تین طلاق ہیں سو اس طرح پر لکھنے سے اس طرف تو محمدی کا کسی دوسرے سے نکاح ہوگا اور اس طرف عزت بی بی پر فضل احمد کی طلاق پڑ جائے گی سو یہ شرطی طلاق ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب بجز قبول کرنے کے کوئی راہ نہیں اور اگر فضل احمد نے نہ مانا تو میں فی الفور اس کو عاق کر دوں گا اور پھر وہ میری وراثت سے ایک دانہ نہیں پا سکتا اور اگر آپ اس وقت اپنے بھائی کو سمجھاؤ تو آپ کیلئے بہتر ہوگا مجھے افسوس ہے کہ میں عزت بی بی کی بہتری کیلئے ہر طرح سے کوشش چاہتا تھا اور میری کوشش سے سب نیک بات ہو جاتی ہے مگر آدمی پر تقدیر غالب ہے۔ یاد رہے کہ میں نے کوئی بات کچی نہیں لکھی مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں ایسا ہی کروں گا اور خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے جس دن نکاح ہوگا اسی دن عزت بی بی کا نکاح باقی نہ رہے گا۔"

(راقم مرزا غلام احمد از لدھیانہ اقبال گنج ۴ مئی ۱۸۹۱ء)

تیسرا خط بہو کی طرف سے سمدھن کے نام

انہی کے ساتھ مرزا صاحب نے ایک خط بہو کی طرف سے اس کی ماں کی طرف بھی بھجوایا جو محمدی بیگم کی پھوپھی تھیں۔ اس کا یہ مضمون تھا: "منجانب عزت بی بی بنام والدہ۔ اس وقت میری بربادی اور تباہی کی طرف خیال کرو۔ مرزا صاحب کسی طرح مجھ سے فرق نہیں کرتے (یعنی حسن سلوک سے پیش آتے ہیں) اگر تم اپنے بھائی (مرزا احمد بیگ) کو سمجھاؤ تو سمجھا سکتی ہو۔ ورنہ طلاق ہو گی اور ہزار طرح کی رسوائی ہو گی۔ اگر منظور نہیں تو خیر جلد مجھے اس جگہ سے لے جاؤ پھر میرا اس جگہ ٹھہرنا مناسب نہیں۔" اس خط پر الہامی صاحب نے اپنے قلم سے یہ لکھا۔ "جیسا کہ عزت بی بی نے تاکید سے کہا ہے کہ اگر نکاح رُک نہیں سکتا تو بلا توقف عزت بی بی کے لئے قادیاں سے کوئی آدمی بھیج دو تا کہ اس کو لے جائے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہو بھی قادیاں سے لدھیانہ گئی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں خطوط سے مرزا صاحب پر کتنے الزام قائم ہوتے ہیں۔ خدائے قدوس پر افتراء، قطع رحمی، ظلم، ظلم کو قسم کے ساتھ مؤکد کرنا، جھوٹی قسم کھانا، بے گناہ سے مواخذہ، طلاق بدعی کا حکم، وارث شرعی کو محروم الارث کرنے کی کوشش، الہام بنا لینا وغیرہ۔

چوتھا خط بنام مرزا احمد بیگ

مرزا صاحب نے متذکرہ صدر خطوط کے قریباً ڈھائی مہینہ بعد یعنی ۱۷ جولائی ۱۸۹۱ء

کو ایک خط لڑکی کے والد مرزا احمد بیگ کے نام بدیں الفاظ روانہ کیا:۔

"مشفقی مکرمی اخویم مرزا احمد بیگ صاحب سلمہ تعالیٰ۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ قادیاں میں جب واقعہ ہائلہ محمود فرزند آں مکرم کی خبر سُنی تھی تو بہت درد اور رنج اور غم ہوا لیکن بوجہ اس کے یہ عاجز بیمار تھا اور خط نہیں لکھ سکتا تھا اس لئے عزا پرسی سے مجبور رہا صدمہ وفاتِ فرزنداں حقیقت میں ایک ایسا صدمہ ہے کہ شاید اس کے برابر دُنیا میں اور کوئی صدمہ نہ ہوگا خصوصاً بچوں کی ماؤں کے لئے تو سخت مصیبت ہوتی ہے خداوند تعالیٰ آپ کو صبر بخشے اور اس کا بدل صاحب عمر عطا فرمائے اور عزیزی مرزا محمد بیگ کو عمر دراز بخشے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی بات اس کے آگے انہونی نہیں آپ کے دل میں گو اس عاجز کی نسبت کچھ غبار ہو لیکن خداوند علیم جانتا ہے کہ اس عاجز کا دل بکلّی صاف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میں کس طریق اور کن لفظوں میں بیان کروں تا میرے دل کی محبّت اور خلوص ہمدردی جو آپ کی نسبت مجھ کو ہے آپ پر ظاہر ہو جائے۔ مسلمانوں کے ہر ایک نزاع کا آخری فیصلہ قسم پر ہوتا ہے جب ایک مُسلمان خُدا تعالیٰ کی قسم کھا جاتا ہے تو دُوسرا مُسلمان اس کی نسبت فی الفور دل صاف کر لیتا ہے۔ ہمیں خدائے تعالیٰ قادرِ مطلق کی قسم مجھے الہام ہُوا تھا کہ آپ کی دختر کلاں کا رشتہ اِس عاجز سے ہوگا اگر دوسری جگہ ہوگا تو خُدا تعالیٰ کی تنبیہیں وارد ہوں گی اور آخر اسی جگہ ہوگا۔ کیونکہ آپ میرے عزیز اور پیارے تھے اس لئے میں نے عین خیر خواہی سے آپ کو جتلایا کہ دُوسری جگہ اس رشتے کا کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا میں نہایت ظالم طبع ہوتا جو آپ پر ظاہر نہ کرتا اور میں اب بھی عاجزی اور ادب سے آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ اس رشتے سے آپ انحراف نہ فرمائیں کہ یہ آپ کی لڑکی کے لئے نہایت درجہ موجب برکت ہوگا اور خدا تعالیٰ ان برکتوں کا دروازہ کھولے گا جو آپ کے خیال میں نہیں کوئی غم اور فکر کی بات نہیں ہوگی جیسا کہ یہ اس کا حکم ہے جس کے ہاتھ میں زمین و آسمان کی کنجی ہے تو پھر کیوں اس میں خرابی ہوگی اور آپ کو شاید معلوم ہوگا یا نہیں کہ یہ پیشگوئی اس عاجز کی ہزارہا لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہوگا کہ جو اس پیش گوئی پر اطلاع رکھتا ہے۔ اور ایک جہان کی اس طرف نظر لگی ہوئی ہے۔ اور ہزاروں پادری شرارت سے نہیں بلکہ حماقت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشگوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلّہ بھاری ہو۔ لیکن یقیناً خدا تعالےٰ ان کو رسوا کرے گا اور اپنے دین کی مدد کرے گا میں نے لاہور میں جا کر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیشگوئی کے ظہور کے لئے بصدق دل دعا کرتے ہیں۔ سو یہ ان کی ہمدردی اور محبّت ایمانی کا تقاضا ہے اور یہ عاجز جیسے لا الٰہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ پر ایمان لایا ہے ویسے ہی خدا تعالیٰ کے ان الہامات پر جو تواتر سے اس عاجز پر ہوئے ایمان لاتا ہے اور آپ سے ملتمس ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لئے معاون بنیں۔ تاکہ خدا تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں خدا تعالیٰ سے کوئی بندہ لڑائی نہیں کر سکتا اور جو امر آسمان پر ٹھہر چکا ہے زمین پر وہ ہرگز نہیں ٹل سکتا خدا تعالیٰ آپ کو دین اور دُنیا کی برکتیں عطا کرے اور اب آپ کے دل میں وہ بات ڈالے جس کا اس نے آسمان پر سے مجھے الہام کیا ہے۔ آپ کے سب غم دُور ہوں اور دین و دُنیا دونوں آپ کو خدا تعالےٰ عطا فرمائے۔ اگر میرے اِس خط میں کوئی نا ملائم لفظ ہو تو معاف فرماویں والسّلام (خاکسار احقر عباد اللہ غلام احمد عفی عنہ ۱۷۔ جولائی ۱۸۹۲ء بروز جمعہ)

مرزا صاحب نے اس چٹھی کی جو مرزا احمد بیگ کے نام روانہ کی تھی ایک اشتہار میں خود تصدیق فرمائی ہے۔ یہ اشتہار ۱۰۔ جولائی ۱۸۸۸ء کو شائع کیا تھا۔ اس کا عنوان تھا "ایک پیشگوئی پیش از وقوع کا اشتہار" اسکی پیشانی پر یہ دو شعر درج تھے۔

پیش گوئی کا جب انجام ہویدا ہوگا ‖ قدرتِ حق کا عجب ایک تماشا ہوگا

جھوٹ اور سچ میں جو ہے فرق وہ پیدا ہوگا | کوئی پا جائے گا عزت کوئی رسوا ہوگا

اس کے بعد لکھا تھا کہ اخبار نور افشاں مورخہ ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء میں جو اس راقم کا ایک خط متضمن درخواست نکاح چھاپا گیا ہے اس خط کو صاحب اخبار نے اپنے پرچہ میں درج کرکے عجیب طرح کی زبان درازی کی ہے۔ یہ خط محض ربانی اشارہ سے لکھا گیا تھا ایک مدت دراز سے بعض سرگردہ اور قریبی رشتہ دار مکتوب الیہ کے جن کی حقیقی ہمشیرہ زادی کی نسبت درخواست کی گئی تھی نشانِ آسمانی کے طالب تھے یہ لوگ مجھ کو میرے دعوائے الہام میں مکار اور دروغ گو خیال کرتے تھے اور مجھ سے کوئی نشانِ آسمانی مانگتے تھے۔" (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۱۱۱)

پانچواں خط بنام مرزا احمد بیگ

ایک اور اہم چٹھی جو خود مرزا صاحب نے "آئینہ کمالات" (ص ۵۷۳-۵۷۴) میں درج کی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں "تب میں نے حق تعالیٰ کے ایماء اور اشارہ سے مرزا احمد بیگ کے نام ایک چٹھی لکھی جس میں لکھا کہ

اے عزیز سنیے اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ میری سنجیدہ عرضداشت کو لغو خیال کرتے ہیں اور میری بات کا اعتبار نہیں کرتے بخدا میں آپ کو کسی طرح سے تکلیف دینا نہیں چاہتا انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں آپ کے ساتھ کس قدر احسان کرتا ہوں اگر آپ نے میرے خاندان کے خلاف مرضی میری درخواست کو شرفِ قبول بخشا تو میں آپ سے قسمی وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی زمین اور باغ میں سے آپ کو حصہ دوں گا اور اس رشتہ کی وجہ سے آپس کی نزاع رفع ہو جائے گی۔ اگر میری بات مان لی تو آپ مجھ پر مہربانی اور احسان کریں گے اور میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا اور آپ کی درازیٔ عمر کے لئے درگاہ خداوندی میں دعا کروں گا۔ اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی صاحبزادی کو اپنی زمین اور دوسرے مملوکات کی تہائی کا مالک بنا دوں گا اور میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں سے جو کچھ مانگیں گے میں آپ کو دوں گا ایسی حالت میں صلہ رحمی عزیزوں سے محبت اور حقوق قرابت کی نگہداشت میں آپ کو مجھ جیسا کوئی شخص نہ مل سکے گا آپ مجھے اپنی مشکلات میں اپنا معاون و دستگیر پائیں گے آپ کے ہر بوجھ کو اٹھاؤں گا اس لئے انکار میں اپنا وقت ضائع نہ کیجئے اور شک شبہ کو راہ نہ دیجئے میں یہ خط اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کے حکم سے لکھ رہا ہوں۔ یہ خط بڑے سچے اور امین کی طرف سے ہے۔ اس کو اپنے صندوق میں محفوظ رکھیے۔ حق تعالیٰ گواہ ہے کہ میں اس بیان میں صادق ہوں اور جو کچھ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ جو کچھ کہا ہے حق تعالیٰ نے مجھ سے اپنے الہام سے کہلوایا ہے۔ یہ مجھے میرے رب کی وصیت تھی جسے میں نے پورا کیا ورنہ مجھے آپ کی یا آپ کی لڑکی کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ اگر اس الہام کی مدت گذر جائے اور سچائی ظاہر نہ ہو تو میرے گلے میں رسی اور پاؤں میں زنجیر ڈال دینا اور مجھے ایسی سزا دینا کہ دنیا میں کسی کو نہ دی گئی ہو (عربی تحریر کا خلاصۂ مفہوم)

(۲) مرزا سلطان محمد کے نام تہدیدی خطوط کا سلسلہ

مندرجہ بالا خطوط کے علاوہ مرزا صاحب نے لڑکی کے منگیتر مرزا سلطان محمد کے نام بھی بہت سے خطوط لکھے اور اُسے ڈرایا دھمکایا کہ اگر تم نکاح کرو گے تو تم پر خدا کا قہر نازل ہوگا اور تم فنا و برباد ہو جاؤ گے اور یہ نکاح تمہارے حق میں سخت زبون ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں "احمد بیگ کے داماد کا یہ قصور تھا کہ اس نے تخویف کا اشتہار دیکھ کر اس کی پروا نہ کی خط پر خط بھیجے گئے۔ اُن سے کچھ نہ ڈرا پیغام بھیج کر سمجھایا گیا کسی نے اس طرف ذرا التفات نہ کی۔ اور احمد بیگ سے ترک نہ چاہا بلکہ وہ سب گستاخی اور استہزاء میں شریک ہوئے سو یہی قصور تھا کہ پیشگوئی کو سن کر پھر ناطہ کرنے پر راضی ہوئے۔" (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۱۴۲)

(۳) زرپاشی کی قوّتِ تسخیر سے حصولِ مقصد کی جدّوجہد

زر کی قوّتِ تسخیر تمام حربوں سے زیادہ زبردست مانی گئی ہے چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎

اے زر تو خدا نہ ای ولیکن بخدا ☐ ستّارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے زرپاشی سے بھی مطلب براری کی بہت جدّوجہد فرمائی تھی۔ چنانچہ میاں بشیر احمد صاحب کا مندرجہ ذیل بیان اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے "ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود جالندھر جا کر قریباً ایک ماہ ٹھہرے تھے لیکن ایام میں محمدی بیگم کے ایک حقیقی ماموں نے محمدی بیگم کا حضرت صاحب سے رشتہ کرا دینے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ ابھی محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد سے رشتہ نہیں ہوا تھا۔ محمدی بیگم کا یہ ماموں جالندھر اور ہوشیارپور کے درمیان یکّے پر آیا جایا کرتا تھا اور وہ مرزا صاحب سے کچھ انعام کا بھی خواہاں تھا۔ اور چونکہ محمدی بیگم کے نکاح کا عقدہ زیادہ تر اسی شخص کے ہاتھ میں تھا اس لئے حضرت (مرزا) صاحب نے اس سے کچھ انعام کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ مگر یہ شخص اس معاملہ میں بدنیّت تھا اور حضرت صاحب سے فقط روپیہ اڑانا چاہتا تھا۔ کیونکہ بعد میں یہی شخص اور اس کے دوسرے ساتھی اس لڑکی کے دوسری جگہ بیاہے جانے کا موجب ہوئے۔ مگر حضرت (مرزا) صاحب نے بھی اس شخص کو روپیہ دینے کے متعلق بعض حکیمانہ احتیاطیں (یا ایسیاں اور حیلیں) ملحوظ رکھی ہوئی تھیں"۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۱۷۴)

(۴) محمّدی بیگم کے حصول کیلئے مرزا صاحب اور اُن کی بیوی کی دعائیں

محمّدی بیگم کے حصول کے لئے مرزا صاحب نے جہاں ایک طرف ظاہری جدّوجہد کی دھما چوکڑی مچا رکھی تھی تو دوسری طرف باطنی اور روحانی تدابیر سے بھی غافل نہ تھے۔ چونکہ جماعت کے وقار اور آبرو کا سوال تھا اس لئے نہ صرف خود مرزا صاحب ہر وقت بارگاہ ربّ العالمین میں سربسجود تھے بلکہ ساری مرزائی جماعت بھی شبانہ روز دست بدعا تھی اور تو اور حسب زعم مرزا بشیر احمد خود مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ بھی اپنی آسمانی سوکن کے نزول اور اس کی جلوہ نمائی کے لئے بے قرار تھیں اور منّتیں مانتی اور گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھیں۔ چنانچہ ان کے فرزند ارجمند میاں بشیر احمد صاحب ایم اے "سیرۃ المہدی" میں رقم طراز ہیں۔ "ایک نکاح کے متعلق حضرت کی پیش گوئی کے پورا ہونے کے لئے حضرت کی بیوی مکرّمہ نے بارہا رو رو کر دعائیں کی ہیں۔ ایک روز یہی دعا مانگ رہی تھیں تو حضرت نے پوچھا کہ آپ کیا دعا مانگتی ہیں؟ جواب دیا یہ مانگ رہی ہوں کہ محمدی بیگم آپ کو ملے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ سوکن کا آنا تمہیں کیونکر پسند ہے؟ کہا کچھ ہی کیوں نہ ہو مجھے اس بات کا پاس ہے کہ آپ کے منہ کی نکلی ہوئی بات کسی طرح پوری ہو جائے"۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۲۵۹) اگر میاں بشیر احمد کی یہ روایت صحیح ہے تو میرا خیال ہے کہ یہ سب تقیّہ تھا۔

باب ۳۹ ہندو دوستوں پر علینی شاہد ہونے کا اقرار

میاں بشیر احمد صاحب ایم اے ابن مرزا غلام احمد نے "سیرۃ المہدی" میں لکھا ہے کہ "قادیاں میں لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت سے مرزا صاحب کی زیادہ میل ملاقات تھی۔ یہی زیادہ آتے جاتے تھے کسی اور سے راہ و رسم نہ تھی"۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل

یہ دونوں سالہا سال قادیانی صاحب کی ناک کا بال بنے رہے اور الہامی صاحب بہت عرصہ تک ان کی دوستی پر بھروسہ کر کے طرح طرح کی اُمیدوں کو اپنے دل میں پرورش کرتے رہے لیکن عاقل کو چاہیئے کہ کسی دوست پر اتنا بھی بوجھ نہ ڈال دے کہ جس کے اُٹھانے کا وہ متحمل نہ ہو۔ الہامی صاحب نے یہ دیکھ کر کہ ان دونوں سے میرے دوستانہ روابط بہت دیرینہ اور اتنے گہرے ہیں کہ جونسی بات بھی ان کی طرف منسوب کر دوں گا وہ اس سے انکار نہیں کریں گے اپنی کتابوں براہین اور سرمہ چشم آریہ میں یہ لکھ مارا کہ لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل بھی میرے الہاموں کے گواہ ہیں۔ اس بہتان طرازی کو وہ کسی طرح برداشت نہ کر سکے اور بحالت مجبوری ۲۰ نومبر ۱۸۸۶ء کو ایک اعلان زیر عنوان "اشتہار واجب الاظہار" شائع کر کے مجدد صاحب کے الہامات کا بھانڈا قادیاں کے چوراہے پر پھوڑ دیا۔ ان کے اشتہار کا ضروری خلاصہ حسب ذیل ہے "ہم کو کسی قوم یا کسی شخص کے ساتھ بغض و عداوت نہیں بلکہ ہم اپنے دوست مرزا غلام احمد صاحب کے مقابلہ میں اشتہار شائع کرنا موجب شرم سمجھتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے یہ ان ہی کی عاقبت نااندیشی کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں ہمارے دل کو اس اشتہار کے شائع کرنے سے اس قدر تکلیف، رنج اور بوجھ ہے جو بجز دانائے حقیقی کے کوئی نہ جانتا ہوگا۔ ہماری غرض صرف راستی کا ظاہر کرنا ہے کیونکہ ہم نے معلوم کر لیا ہے کہ ہماری خاموشی سے راستی کا خون ہوا جاتا ہے۔

قادیانی کے لئے خرق عادت ناممکن ہے

اس کے بعد لکھا کہ علاوہ ازیں خلق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی اس کی مقتضی ہے کہ ہم مہر سکوت توڑ دیں۔ کیونکہ ایک تو مرزا صاحب اپنے اوقات الہام اور خرق عادت کے دعووں میں جس کا ثابت کرنا ایسا محال ہے جس طرح آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا صرف کر رہے ہیں۔ دوسرے ناحق لوگوں کی تکلیف و پریشانی کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ لوگ دُور دراز سے صعوبت سفر اور ہر طرح کا حرج اور خرچ برداشت کر کے قادیاں آتے ہیں اور تمنائے دلی سے محروم و نامراد ہو کر واپس جاتے ہیں۔ قریبًا بارہ یا چودہ سال سے ہم دونوں (ملاوامل اور شرمپت رائے) کی مرزا غلام احمد سے ملاقات ہے۔ اس عرصہ میں شاید ہی کوئی دن ایسا گذرا ہوگا جس میں تین چار مرتبہ ہمارا انکے پاس جانا آنا نہ ہوا ہو۔ خویش و اقارب میں بھی کوئی شخص ہمیں انکے برابر عزیز نہ تھا اور ہم ان کی بہت عزت و توقیر کرتے تھے اور وہ بھی ہمیں اپنے اعزا سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ چھ سات سال کا عرصہ ہوا حکیم محمد شریف کلانوری نے جو مرزا صاحب کے بڑے دوست ہیں اور امرتسر میں مطب کرتے ہیں ہم دونوں کے سامنے مرزا صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ آپ مجددی کا دعویٰ کریں کیونکہ اس زمانہ کے لئے بھی کوئی مجدد ضرور ہونا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے دل پر اس مشورہ کا بڑا اثر ہوا جس کا نتیجہ آج ظاہر ہے۔ حکیم صاحب کا یہ کہنا تھا کہ مرزا صاحب نے "براہین احمدیہ" کا مسودہ شروع کر دیا اور اخباروں میں اعلان کر کے جا بجا خطوط روانہ کر دئے۔ رفتہ رفتہ مرزا صاحب نے مکاشفہ اور الہام اور خرق عادت کا دعویٰ شروع کیا۔ اس کے بعد براہین میں لکھ دیا کہ میرے کشف اور الہام اور خرق عادت کے گواہ ملاوامل اور شرمپت رائے ہیں۔ ہم بھی مصلحۃً آج تک خاموش رہے لیکن افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے ہماری خاموشی سے ناجائز فائدہ اُٹھایا یہاں تک کہ صاحب موصوف آج "سرمہ چشم آریہ" میں معجزہ شق القمر کے بارہ میں ہماری اسی خاموشی کو سنداً و نظیراً پیش کرتے ہیں۔ ہم وہ سند اور نظیر دیکھ کر حیران رہ گئے اور ہم پر یہ راز کھل گیا کہ اسلام کے پیشواؤں اور پیغمبروں کا بھی (معاذ اللہ) یہی شیوہ چلا آیا ہے جو مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے۔ کاش کسی ایک الہام ہی سے ہماری تسلی کی ہوتی تو بھی ایک بات تھی۔ ہم یہاں یہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ گواہوں میں نام درج کرتے وقت مرزا صاحب نے ہم سے بالکل دریافت نہیں کیا ورنہ ہرگز ایسا نہ ہوتا۔ انہوں نے

دل میں یہ خیال کیا ہوگا کہ یہ میرے اور میں اُن کا ہوں۔ کیا یہ میرا کہنا نہ مانیں گے؟ اب صاف باطن اور نیک نہاد لوگ الہام اورخرق عادت کے دعوے کی حقیقت بخوبی معلوم کرلیں گے"۔(تکذیب براہین ص ۲۳۳-۲۳۵)

باب ۴۔ مسیح زماں کے سودی قرضہ کا افشائے راز

جب مرزا صاحب نے اعلان کیا تھا کہ جو غیر مسلم براہین کا جواب لکھے گا اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا تو پنڈت لیکھرام نے لکھا تھا کہ آپ کا دس ہزار روپیہ انعام کا اشتہار محض فریب اور جعل ہے۔ کیونکہ آپ کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد بھی اس قیمت کی نہیں ہے۔ قادیاں کے ہندو مسلمان آریہ وغیرہ سب اس بات کے گواہ ہیں بلکہ تمام ضلع گورداسپور کے لوگ آپ کی تلاشی اور وجہ معاش کے نقصان سے آگاہ ہیں اور پنجابی مثل "آپ میاں مانگتے اور باہر کھڑے درویش" بالکل آپ کے حسب حال ہے۔ خود قرضدار اور بسر اوقات سے ناچار مگر دس ہزار اشتہاری روپوں کے دعویدار ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ صفحۂ قرطاس پر تو ہنسوں کی من مانی رقوم لکھ لیتے ہیں مگر زر نقد ندارد ہے"۔ (تکذیب براہین ص ۲۷۶ و ۲۷۳) پنڈت لیکھرام کے اس بیان کی تائید کہ مرزا صاحب مقروض تھے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ مرزا صاحب دوسری شادی کرنے کے بعد اپنے خسر ثانی کا دُم چھلا بنے ہوئے تھے۔ جہاں میر ناصر نواب تبدیل ہو کر جاتے یہ بھی وہاں جا براجتے اور ان کے ٹکڑوں پر بسر اوقات کرتے جس طرح مرزا صاحب کئی سال تک لدھیانہ میں اپنے خسر کے در دولت پر پڑے ہوئے تھے اسی طرح اس سے پیشتر چھاؤنی انبالہ میں بھی میر صاحب کے گھر کی روٹیاں توڑتے رہے۔ انہی ایام میں الہامی صاحب نے چھاؤنی انبالہ کے ایک مہاجن سے سودی قرضہ بھی لے رکھا تھا۔ جب براہین احمدیہ کے صدقہ سے فراخ دستی نصیب ہوئی تو الہامی صاحب نے چھاؤنی انبالہ کا قرضہ چکا دینا چاہا۔ قادیاں کے آریوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ اُنہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مرزا صاحب دس ہزاری اشتہار شائع کرتے وقت خود مقروض تھے اور بہت بڑی شرح سود پر قرض لے رکھا تھا حالانکہ شریعت اسلام نے سود کا لینا اور دینا دونوں حرام قرار دئے ہیں کسی طرح الہامی صاحب کی دو چٹھیاں حاصل کر کے شائع کر دیں۔ یہ چٹھیاں بشن داس انبالوی کے نام بھیجی گئی تھیں۔ الہامی صاحب نے اس پر بہت کچھ پیچ و تاب کھایا۔ آریوں کی اس جسارت و دیدہ دلیری پر شکوہ و شکایت کا جو مواد اُن کے نوک قلم سے ٹپکا اس سے ناظرین کو بھی محظوظ کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب رسالہ شحنۂ حق میں

"اس اعتراض کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ انبالہ چھاؤنی میں کئی ایک خط میں نے ایک ہندو دکاندار کی طرف بمراد تصفیہ ایک پرانے برداشتی حساب کے جس کا یوں ہی مدت تک ملتوی پڑے رہنا قرین مصلحت نہیں تھا لکھے تھے اور اُس دکاندار کو بلایا تھا کہ اب حساب دیر کا ہو گیا ہے تم ٹوٹو (دستاویز) ساتھ لاؤ اور جو کچھ حساب نکلتا ہے لے جاؤ اور ٹوٹو دے جاؤ۔ اگرچہ ٹھیک ٹھیک یاد نہیں مگر خیال کیا جاتا ہے کہ شاید اُن خطوط میں سے کسی خط میں یہ بھی لکھا گیا ہو کہ تم نے حساب کیلئے بلائے جانے کا حال ظاہر نہ کرنا۔ اب معترض خیانت پیشہ جس نے سرقہ کے طور پر لالہ بشن داس مکتوب الیہ کے صندوق سے خط چرائے ہیں اس اصل حقیقت میں تحریف و تبدیل کر کے اور اپنی طرف سے کچھ کا کچھ تودۂ طوفان بنا کر اور بات کو کہیں سے کہیں لگا کر یہ اعتراض کرتا ہے کہ گویا ہم نے یہ مکر و فریب کیا اور جھوٹ بولا۔ اور جھوٹ کی ترغیب دی جس ناجائز طور سے یہ خطوط حاصل کئے گئے ہیں وہ یہ ہے کہ لالہ بشن داس مکتوب الیہ کی دکان پر ایک کیسوں والے آریہ نے جو اب باوا نانک صاحب سے بیزار ہو کر دیانندی پنتھ میں داخل ہو گیا ہے ایک دو

آریہ اوباشوں کی رازداری اور تحریک سے جیسا کہ دکانداروں کی عادت ہے اپنی دکان کو کھلی چھوڑ کر کسی کام کے لئے بازار میں نکلا۔ اس کے جانے کے ساتھ ہی سکھ صاحب نے اُس کے صندوق کو ہاتھ مارا۔ شاید اس دست درازی سے نیّت تو کسی اور شکار کی ہوگی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ مالدار آدمی ہے مگر لالہ بشن داس کی قسمت اچھّی تھی کہ اُس جلدی میں زیور تک جو صندوق میں پڑا ہوا تھا ہاتھ نہ پہنچا۔ صرف دو خط ہاتھ میں آ گئے جن کو اس کے انہی ہم مشورہ یاروں نے جو ایک ہی سانچے کے ہیں بہت سی خیانت اور بیہودہ گوئی کے ساتھ چھاپ دیا۔ لالہ بشن داس نے اپنی شرافت سے صبر کیا ورنہ سکھ صاحب اس کے رفیقوں کو بیگانہ صندوق میں ہاتھ ڈالنے کا ابھی مزہ معلوم ہو جاتا۔ ہماری دانست میں یہ مقدمہ اب بھی دائر ہونے کے لائق ہے کیونکہ گو لالہ بشن داس کے زیور وغیرہ کا کچھ نقصان نہیں ہوا مگر خطوط کی چوری بھی حسب قانون مروجہ انگریزی ایک چوری ہے جس کی سزا میں شاید تین سال تک قید ہے وہ صرف حسابی معاملہ کے خطوط تھے جن کا بے اجازت کھولنا جرم تھا۔ (شحنۂ حق مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲۷۔۲۹)۔

باب ۴۱۔ مسیح قادیاں کا نام نادہند خریداروں کی فہرست میں

انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں "پنجاب ریویو" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ پادری رجب علی کے زیر ادارت امرتسر سے شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں تہذیب اخلاق اور حسن معاشرت کے علاوہ ملکی معاملات پہ بحث ہوتی تھی۔ مشاہیر کے سوانح حیات درج ہوتے تھے اور مطبوعات جدیدہ پر تبصرے شائع کئے جاتے تھے۔ اس کا سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔ اس رسالہ کا اپنا مطبع تھا جس کا نام سفیر ہند پریس تھا۔ اس رسالہ کی طرف سے ایک بک ایجنسی بھی قائم تھی۔ اس رسالہ نے اپریل ۱۸۸۶ء کی اشاعت میں اپنے ان نادہند خریداروں کی فہرست شائع کی تھی جو رسالہ کے چندہ اور کتابوں کی قیمت میں بڑی بڑی رقمیں بے ڈکار ہضم کر گئے تھے اس نے صفحات ۶۳-۴۶۴ پر ۷۵ نادھند خریداروں کی فہرست شائع کی اور باقی ۲۵ نادہندوں کی فہرست آئندہ نمبر میں شائع کرنے کا وعدہ کیا۔ ان نادہند بقایا داروں کی فہرست میں بہتّرویں نمبر پر ہمیں رئیس قادیاں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی "مسیح موعود" و "مہدی مسعود" کا نام نامی نظر آتا ہے جن کے ذمے ایک سو بہتّر روپے چھ آنے کی رقم دکھائی گئی ہے۔ رسالہ "پنجاب ریویو" نے اشاعت مذکورہ کے صفحہ ۴۵۷ پر زیر عنوان "ہمارے نوحہ کا ثبوت" لکھا کہ "ہم گذشتہ اشاعت میں نوحہ کے ذریعہ سے التماس کر چکے ہیں کہ سفیر ہند پریس اپنے نادہند خریداروں کی بدولت اور بعض نامہ نگاروں کے بنین لائبل کیسوں (مقدمات ازالہ حیثیت عرفی) کے تصدق سے چھ ہزار روپیہ کا مقروض ہوگیا تھا۔ اس میں سے کچھ تو پریس کے صیغہ طبع کتب نے سبکدوشی کرائی اور کچھ دیسی شرفا اور بعض یورپی صاحبوں نے مدد دی۔ پھر بھی دو ہزار روپیہ کے قریب قرض اس کی گردن پر ہے۔ ہمارے دوست اور کرم فرما جن کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ناراض نہ ہوں کیونکہ ہم ان کو عریضوں کے ذریعہ بارہا یاد دلاتے رہے مگر وہ بھول بھول گئے۔ رسالہ مذکورہ نے فہرست خریداران نادہندہ درج کرنے کے بعد صفحہ ۴۶۴ پر لکھا کہ اگر عدالت منتظم کے ذریعہ سے ان نادہندوں کو جوابدہی کرنی پڑے تو ہمیں معذور سمجھیں"۔ اس فہرست کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیاں کے خانہ ساز مجدّد صاحب سفیر ہند پریس امرتسر کی قریباً پونے دو سو روپے کی رقم ہضم کئے بیٹھے تھے اور دینے کا نام نہیں لیتے تھے۔ اور رسالہ مذکورہ نے مجبور ہو کر اس خیال سے نادہندوں کی فہرست شائع کر دی تھی کہ اگر ان

لوگوں کو خوفِ خدا نہیں تو کم از کم بدنامی اور رسوائی کا خیال ہی انہیں حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کی ترغیب دے گا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے بلند بانگ دعووں کے باوجود حقوق العباد کی طرف سے اس درجہ بے اعتنائی برت رکھی تھی وہ حقوق اللہ کیا ادا کرتا ہوگا اور اس کی تعلق باللہ کی ڈینگیں کیا حیثیت رکھتی تھیں؟

باب ۴۲۔ قادیان میں ذاتی مطبع قائم کرنیکی حیلہ گری

تقدس مآب حضرت مسیح موعود صاحب کی عادت تھی کہ طرح طرح کے حیلے تراش کر مریدوں سے بڑی بڑی رقمیں قرض لیتے تھے اور پھر جہاں تک خاکسار راقم الحروف کی تحقیق کو دخل ہے یہ قرض ادا نہیں فرماتے تھے بلکہ اس قسم کی رقمیں حسابِ دوستاں در دل کا مصداق بن کر رہ جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ قادیان میں ذاتی مطبع قائم کرنے کا قصد ظاہر کرکے مریدوں سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھ لیں لیکن پھر نہ تو پریس لگایا اور نہ اس بات کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ لوگوں کی رقمیں ہی واپس دیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے طلبِ امداد کیلئے منشی رستم علی مرزائی اور حکیم نورالدین صاحب کے پاس جو خطوط بھیجے وہ ملاحظہ ہوں۔ بتاریخ ۱۱ مئی ۱۸۸۷ء منشی رستم علی کو لکھا "چونکہ چند در چند وجہوں کے دوسری جگہ کتابوں کے طبع کرانے سے میری طبیعت دق آگئی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اپنا مطبع طیار کرکے کام سراج منیر اور دیگر رسائل کا شروع کرا دوں تخمینہ کیا گیا ہے کہ اس کام کے شروع کرانے میں تیرہ چودہ سو روپیہ خرچ آئے گا۔ بس میں خریداری وغیرہ بھی داخل ہے اور آپ نے اقرار کیا تھا کہ ہم تین ماہ کے عرصہ کے لئے دو سو روپیہ بطور قرضہ دے سکتے ہیں۔ سو اگر آپ بندوبست کر سکیں کہ چار سو روپیہ بطور قرضہ چھ ماہ کیلئے تجویز کرکے مجھ کو اطلاع دیں تو میں جانتا ہوں کہ آپ کو بہت ثواب ہوگا اگر خدا تعالیٰ چاہے تو چھ ماہ کے اندر ہی یہ قرضہ ادا کر دے لیکن چھ ماہ کے بعد بہرحال بلاتوقف آپ کو دیا جائے گا۔ اور باقی آٹھ نو سو روپیہ کسی اور جگہ سے قرضہ لیا جائے گا۔ اگر میں سمجھتا کہ آپ ادھر ادھر سے لے کر کچھ اور زیادہ بندوبست کر سکتے ہیں تو میں آٹھ سو روپیہ کے لئے آپ کو لکھتا دوسرے لوگوں کے پاس قرضہ کا نام بھی لیا جائے تو ساتھ ہی ان کی طبع میں قبض شروع ہو جاتا ہے (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۳۶) اس کے بعد ۲۹ شعبان کو لکھا گئی دوستوں کو جن پر کسی قدر امید پڑتی ہے قرضہ کیلئے لکھ دیا ہے اور سب کو لکھا گیا ہے کہ بعد طبع سراج منیر ایک برس کے وعدہ پر قرض ہیں۔ آپ کے مانند چار پانچ آدمی ہیں اور چودہ سو روپیہ قرضہ کا بندوبست کرنا ہے آپ مجھ کو بہت جلد اطلاع دیں کہ آپ ٹھیک اس وعدہ پر کس قدر قرضہ کا بندوبست کر سکتے ہیں تا میں روپیہ منگوانے کے لئے کوئی تجویز کر دوں اور پھر لاہور میں خرید مطبع کے لئے آدمی بھیجا جاوے" (ایضاً ص ۳۷) اور ۲۹ مئی کی چٹھی میں منشی رستم علی کو لکھا "قرضہ کی بابت تجربہ کار لوگوں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس تجویز کی تحسین کی لیکن یہ کہا کہ جس صورت میں انہی کتابوں کی فروخت سے قرضہ اتارا جائے گا تو اس صورت میں کم سے کم ادائے قرضہ کی میعاد ایک سال چاہئے۔ کیونکہ سراج منیر پانچ مہینہ سے کم میں نہیں چھپے گا۔ آپ کو میں نے چھ ماہ کے وعدہ کے لئے لکھا تھا مگر درحقیقت وعدہ ایک سال بہت خوب ہے۔ ایک دوسری چٹھی میں لکھا۔ آپ نے ایک سال کے وعدہ پر تین سو روپیہ دینا کیا ہے لیکن اس بات کو بھی اپنے لئے گوارا کر لیں کہ یہ وعدہ اس تاریخ سے ہو کہ جب سراج منیر چھپ کر طیار ہو جائے کیونکہ سراج منیر کی چھپائی کا کام

پانچ یا چھ ماہ تک ختم ہو گا۔ چونکہ یہ روپیہ سراج منیر ہی کی فروخت سے نکالا جائے گا اس لئے صرف چھ ماہ ایک خطرناک عہد ہے۔ ایسا ہونا چاہیئے کہ ایک سال پر چھ ماہ اور زائد کئے جائیں۔ بقیہ فروخت کتب کا جو روپیہ ہے اگر وہ آپ بہت جلد ساتھ لاویں تو آپ کی ملاقات بھی ہو جائے اور روپیہ بھی آ جائے۔" (ایضاً صفحہ ۲۹) اسی طرح بتاریخ ۲ رمئی ۱۸۸۶ء حکیم نورالدین صاحب کو جو جموں میں ملازم تھے لکھا "میں نے مطبع کے بندوبست کے لئے یہ قرین مصلحت سمجھا کہ بعض دوستوں سے بطور قرضہ کچھ لیا جائے۔ تو ایسے با اخلاق آدمیوں کے انتخاب کے لئے جب فہرست خریداران پر نظر ڈالی گئی تو ہزار آدمی میں سے صرف چھ آدمی پر نظر پڑی جن میں سے بعض قوی الاخلاق ہیں۔ اور بعض کا حال کما حقہٗ معلوم نہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ چودہ آدمی منتخب کر کے سو سو روپیہ بطور قرضہ بوعدہ میعاد ایک سال بعد طبع سراج منیر ان سے لیا جائے یعنی ابتداء میعاد کی اس تاریخ سے ہو جب چھپ چکے کیونکہ طبع سراج منیر کے لئے چودہ سو روپیہ تخمینہ کیا گیا ہے۔ میں یہ روپیہ لینا قرضہ کے طور پر چاہتا ہوں کہ دوستوں پر تھوڑا تھوڑا بار ہو جو سو روپیہ سے زیادہ نہ ہو۔ جواب سے جلد مطلع فرماویں کیونکہ میں نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ رسالہ قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ جون کے ماہ میں شائع ہو گا۔ سو میں چاہتا ہوں کہ اپنے ہی مطبع میں وہ رسالہ چھپنا شروع ہو جائے" (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۳۴) ایک اور خط میں لکھا کہ "مجھ کو بندوبست مطبع و دیگر مصارف کے بارے میں بہت کچھ فکر اور خیال تھا جو آپ کے اس مبشر خط سے سب رفع دفع ہوا۔ اگر یہ ممکن ہو کہ ماہ بماہ تین سو روپیہ تک آپ بھیج سکیں یہاں تک کہ چودہ سو روپیہ پورا ہو جائے تو یہ نہایت عمدہ بات ہے۔ مگر اوّل دفعہ پانسو روپیہ بھیجنا ضروری ہے تا ضروری انتظام کیا جائے۔ میرا ارادہ ہے کہ یہ کام ماہ رمضان میں جاری ہو جائے۔ ایک شخص منشی رستم علی نام نے تین سو روپیہ ڈیڑھ سال کی میعاد پر قرضہ دینا کیا ہے اور بابو الٰہی بخش صاحب (اکونٹنٹ) بھی کچھ دینا چاہتے ہیں" (ایضاً ص ۲۷) اور ۱۱ رمئی کی چٹھی میں لکھا "میرا ارادہ ہے کہ اپنا مطبع تیار کر کے سراج منیر وغیرہ کتب اس میں چھپواؤں سو اگر خدا تعالیٰ نے اس کام کیلئے سرمایہ میسر کر دیا تو جلد پریس وغیرہ کا سامان ضروری خرید کر کتابوں کا چھپوانا شروع کیا جائے۔ (ایضاً صفحہ ۳۰) اور ۲۶ جولائی ۱۸۸۶ء کی چٹھی میں لکھا "آج نصف قطعہ نوٹ پانسو روپیہ بذریعہ رجسٹری شدہ پہنچ گیا۔ اب آں مخدوم کی طرف سے پانسو ساٹھ روپے پہنچ گئے (ایضاً ص ۳۶) اور ۱۳ اکتوبر کی چٹھی میں لکھا کہ میں بباعث تعلقات مطبع جن سے شاید چھ ماہ تک مخلصی ہو گی اس جگہ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا ورنہ میری خواہش تھی کہ اب کی دفعہ خود جا کر آپ سے ملاقات کروں" (ایضاً صفحہ ۴۶) اور ۲۰ دسمبر کی چٹھی میں لکھا کہ یہ دو سو چالیس روپے ایک حساب سے پورا تین سو ہو گیا ہے کیونکہ پہلے علاوہ پانسو روپیہ کے ساٹھ روپے آپ کے زیادہ آ گئے ہیں۔ اور کل روپیہ جو آج تک آپ کی طرف سے آیا آٹھ سو روپیہ ہوا۔ (ایضاً صفحہ ۴۴)۔

حضرات! دیکھا کہ قادیانی صاحب نے کس وثوق کے ساتھ اجرائے مطبع کے ارادے ظاہر کر کے لوگوں سے رقمیں وصول کیں لیکن پریس پھر بھی جاری نہ کیا۔ منشی یعقوب علی اڈیٹر الحکم قادیاں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے ۱۸۸۶ء میں ارادہ فرمایا کہ قادیاں میں ایک مطبع جاری ہو مگر مشیت ایزدی نے اس وقت اس کیلئے سامان پیدا نہ ہونے دیئے۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۳۶) لیکن ظاہر ہے کہ کسی چیز کی خریداری کے راستہ میں صرف دو چیزیں حایل ہوتی ہیں۔ ایک روپیہ کا فقدان دوسرا اس چیز کا میسر نہ آنا جس کے خریدنے کا قصد ہو۔ روپیہ تو مسیح صاحب نے جتنا فراہم کر لیا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک حکیم نورالدین نے آٹھ سو روپیہ

بھیج دیا تھا۔ رہا پریس سو اُس زمانہ میں چھپائی کی مشینیں ہنوز ہندوستان نہیں آئی تھیں اور اطراف و اکناف ملک میں دستی پریس ہی رائج تھے۔ اور ایک دستی پریس مع ضروری سامان کے تین چار سو روپیہ میں بسہولت قائم ہو سکتا تھا پس جس صورت میں کہ قادیانی صاحب نے وہ غرض پوری نہ کی جس کے لئے لوگوں سے قرض لیا تھا ثابت ہوتا ہے کہ قیام پریس کا حیلہ محض روپیہ بٹورنے کیلئے تراشا گیا تھا۔ بیچاری قادیاں فراہمی زر کے بعد بھی کئی سال تک مطبع سے خالی رہی آخر جب ہندوستان میں مشین پریسوں کا رواج ہوا تو منشی یعقوب علی مرزائی اڈیٹر الحکم نے ضیاء الاسلام پریس کے نام سے وہاں ایک مشین پریس قائم کیا۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۳۷) اب سوال یہ ہے کہ اگر مشیت خداوندی قیام مطبع کے خلاف تھی تو لوگوں کا روپیہ تو واپس کر دیا ہوتا۔ لوگوں کا روپیہ اینٹھ لینا اور پھر تقدیر اور مشیت ایزدی کی آڑ لینا کہاں کی دیانتداری ہے؟ پھر بوالعجبی دیکھو کہ الہامی صاحب نے مطبع قائم نہ کرنے کا کوئی سچا یا جھوٹا عذر بھی پیش نہیں کیا۔ ان کے مصنفات اور مکتوبات لوگوں کی رقمیں واپس دینے یا نہ دینے کی طرف سے بالکل خاموش ہیں حضرت مجدد صاحب قرض لیکر جو حیلے کیا کرتے تھے ان کی ایک جھلک مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ کے صفحات ۳۶ تا ۳۹ میں نظر آتی ہے۔ اس سے قطع نظر الہامی صاحب نے اپنی چٹھیوں میں ادائے قرض کو رسالہ "سراج منیر" کی طبع و اشاعت کے سال ڈیڑھ سال بعد پر معلق ٹھہرایا ہے حالانکہ رسالہ سراج منیر جس کی قیمت الہامی صاحب نے ۱۸۸۶ء میں ایک ایک روپیہ پیشگی وصول کر لی تھی گیارہ سال کے بعد ۷۲ صفحات کے چھوٹے سے رسالے کی شکل میں شائع کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جس رسالہ کی قیمت مرزا صاحب گیارہ سال پیشتر واجبی قیمت سے سات آٹھ حصے زیادہ لوگوں سے پیشگی وصول کر کے ہضم کر چکے تھے اس سے اب کتنی نئی آمدنی کی کہاں امید ہو سکتی تھی کہ گیارہ بارہ سال کے پرانے قرضے چکا سکتے۔ غرض مرزا صاحب کی ساری کارروائی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قرض لیتے وقت اس بات کا عزم صمیم کر لیتے تھے کہ مدت العمر ادا کرنے کا نام نہ لیں گے۔ فراہمی زر کی مندرجہ بالا اسکیم کا تعلق ۱۸۸۶ء سے ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود صاحب نے اس کے پانچ چھ سال بعد بھی اسی زر پاش اسکیم کا احیاء فرمایا تھا چنانچہ منشی الٰہی بخش مرحوم اکونٹنٹ "عصائے موسیٰ" میں رقمطراز ہیں "رُوداد جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء کے صفحہ ۴۲ پر ایک اور اپیل شائع کی جس کے دو عنوان تھے "درخواست چندہ اور قابل توجہ احباب"۔ اس اپیل میں لکھا کہ ہمیں تین قسم کی جمعیت کی سخت ضرورت ہے جس پر حقانی معارف کی اشاعت کا سارا مدار ہے (۱) دو پریس (۲) ایک خوشخط کاپی نویس (۳) کاغذ۔ ان تینوں مصارف کیلئے ڈھائی سو روپیہ ماہانہ کا تخمینہ لگایا گیا ہے ہر ایک دوست بلا توقف اس میں شریک ہو۔ چندہ ماہوار ہمیشہ تاریخ مقررہ پر پہنچ جانا چاہیئے۔ تجویز یہ ٹھہری ہے کہ بقیہ براہین اور ایک اخبار جاری ہو"۔ منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ اس کے بعد عصائے موسیٰ میں سوال کرتے ہیں کہ کیا وعدہ خلافیاں اس وعید کے تحت میں نہیں آتیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ وعدہ کر کے اس کے خلاف کرے بات کرنے میں جھوٹ بولے اور جب کسی سے جھگڑا ہو جائے تو گالیاں دے؟ اور یہ تو وہ وعدے ہیں جو تحریراً پبلک تک پہنچ چکے ہیں۔ زبانی اور پرائیویٹ وعدوں کا تو کوئی حساب و اندازہ ہی نہیں۔ (عصائے موسیٰ ص ۴۲۸ - ۴۲۹)

باب ۳۴۔ امام زادہ کی صحت کا الہام

پنڈت لیکھرام نے "تکذیب براہین" میں لکھا "ایک سال کا عرصہ ہوا مرزا صاحب کی مسجد کے امام میاں جان محمد کا لڑکا جس کی

عمر پانچ سال کی تھی بخار میں مبتلا ہوا۔ آخر مرض میں اتنا اشتداد ہوا کہ بخار کے ساتھ ہی اسہال آنے شروع ہو گئے اور لڑکے کا خورد و نوش بالکل بند ہو گیا اور یہاں تک لاغر ہوا کہ ایک مُشتِ استخوان رہ گیا۔ ایک دن لڑکے کی حالت بالکل غیر ہو گئی اور بظاہر نزع کے آثار نمایاں ہوئے۔ اس وقت ہر شخص کو یقین تھا کہ لڑکا کوئی دم کا مہمان ہے۔ اس حالتِ اضطراب میں میاں جان محمد صاحب مرزا صاحب کے پاس دوڑے گئے۔ اِس سے پیشتر مرزا صاحب آ کر لڑکے کو دیکھ گئے تھے۔ امام صاحب عرض پیرا ہوئے حضور آپ مستجاب الدعوات ہیں اس فرزند کی صحت کے لئے دعا کیجیے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا جان محمد! تمہارے قدم رکھنے سے پہلے مجھے ابھی ابھی الہام ہوا ہے کہ اس لڑکے کیلئے قبر کھود دو۔ یہ سُن کر امام صاحب حواس باختہ ہو گئے۔ اِس بیچارے کا یہی اکلوتا بیٹا تھا اور وُہ بھی خُدا نے پچھلی عمر میں عطا فرمایا تھا۔ غرض میاں جان محمد حالتِ یاس و اضطرار میں باچشمِ پُرنم و دلِ پُرغم گھر واپس آئے لیکن یہ دیکھ کر انکی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ لڑکا رو بصحت ہے۔ میاں جان محمد کی جان میں جان آئی۔ لڑکا دمبدم اچھا ہونے لگا اور ایک ہفتہ میں بالکل تندرست ہو گیا۔ اب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ الہام تو بالکل سچا ہے ضرور کسی نہ کسی وقت پورا ہو کے رہے گا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ آپ کے لئے بھی جلد قبر کھودی جائے گی۔ (تکذیب براہین صفحہ ۱۵۶) لیکن مرزا صاحب نے اس بیان کی صحت سے انکار کیا اور میاں جان محمد کی طرف سے ایک تحریر لکھ کر شائع کی جس میں مرقوم تھا "یہ بہتان کہ گویا مرزا صاحب نے یہ کہا کہ درحقیقت تمہارے لڑکے کیلئے مجھے الہام ہوا کہ تم اس کی قبر کھود و سراسر افتراء ہے جس کی کچھ بھی اصلیّت نہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ اُن نااہل لوگوں کی گھڑت ہے جو نہ خدا کی لعنت اور نہ خلقت کی لعنت سے ڈرتے ہیں۔ کیا خوب ہو کہ ایک جلسہ ہو کر ایسا شخص میرے روبرو کیا جائے تاکہ میں بھی اُس کو بٹھا کر پوچھ لوں کہ اے بھلے مانس کب تیرے روبرو مرزا صاحب نے ایسا الہام مجھ کو سُنایا تھا۔ (العبد خاکسار جان محمد امام مسجد قادیاں۔ (شحنۂ حق مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ ۲۰)

ہر چند کہ میاں جان محمد مرزا صاحب کی مسجد کے امام اور ان کے زیر اثر تھے اور مرزا صاحب جو چاہتے اُن سے لکھوا سکتے تھے تاہم اُنھوں نے اپنے بیان میں اس سے انکار نہیں کیا کہ مرزا صاحب کو لڑکے کے مرنے کا الہام ہوا تھا بلکہ صرف قبر کھودنے کے الہامی الفاظ ہونے کی نفی کی ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ پنڈت لیکھرام کے بیان کو غلط اور ناقابل التفات سمجھا جائے۔ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر کھودنے کا ذکر محض پنڈت جی کی حاشیہ آرائی ہے۔ مرزا صاحب کو صرف اتنا الہام ہوا تھا "لڑکا نہیں بچے گا" لیکن وُہ بچ گیا۔ ہاں اگر خدانخواستہ مرزا صاحب کو اسکی صحت کا الہام ہو جاتا تو پھر اس بیچارے کی خیر نہیں تھی وُہ ضرور آغوشِ لحد میں جا بسیرا کرتا کیونکہ مرزا صاحب کی دعائیں اور اُن کی "آسمانی اطلاعیں" بالکل اس شعر کا مصداق تھیں ؎

مانگا کریں گے اب تو دعا ہجر یار کی آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

باب ۴۴۔ قادیاں سے ہجرت کر جانے کا اعلان

مرزا صاحب مخالف عناصر سے ہمیشہ متصادم رہتے تھے اور دلاوری ان کا مایۂ خمیر تھی لیکن بسا اوقات اس کاوزوری میں سخت گھبرا جاتے تھے اور عالمِ اضطراب میں قادیاں کو الوداع کر دینے کے خیال سے بہت دفعہ ہجرت کے فضائل بیان فرمانے لگتے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں الہامی صاحب نے رسالہ "شحنۂ حق" شائع کیا۔ اس میں لکھا کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کا قول ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں لیکن میں کہتا ہوں کہ نہ صرف نبی بلکہ بجز اپنے وطن کے کوئی راست باز بھی دوسری جگہ ذلت نہیں اُٹھاتا

(شحنۂ حق ص ج) ۲۰ دسمبر ۱۸۹۸ء کو کشف الغطاء (صفحہ ۱۱) میں مسیح علیہ السلام کے متعلق لکھا "اور پھر پیلاطوس کی حکومت میں یہودیوں کی بہت سی ایذا کے بعد اس کو خدا کی قدیم سنت کے مطابق ان ملکوں سے ہجرت کرنی پڑی اور وہ ہندوستان میں تشریف لائے"۔ ۲۱ فروری ۱۸۹۹ء کو حقیقۃ المہدی (صفحہ ۲) میں لکھا "ہجرت سنت انبیاء ہے"۔ اور ستمبر ۱۹۰۲ء میں کتاب "تحفہ گولڑویہ" شائع کی اس کے صفحہ ۲۰ پر لکھا کہ "ہر ایک نبی کے لئے ہجرت مسنون ہے اور مسیح نے بھی اپنی ہجرت کی طرف انجیل میں اشارہ فرمایا ہے اور کہا کہ نبی بے عزت

آریوں کی طرف سے قتل کی دھمکی

۱۸۸۶ء میں بعض آریوں نے مرزا جی کو قتل کی دھمکی دی۔ اس اجمال کی تفصیل خود مرزا صاحب کی زبانِ قلم سے سنیئے۔ فرماتے ہیں: "آریوں نے میری نسبت گندے اشتہار چھاپے ہیں۔ پُر دشنام نام خط بھیجے ہیں۔ غائبانہ گندی باتیں کہہ رہے ہیں بار بار خطوط اور اشتہارات کے ذریعہ سے مجھے قتل کرنے کی بھی دھمکی دی ہے۔ لیکھرام نے جس قدر گندے اور بدبو سے بھرے ہوئے ہماری طرف خط لکھے وہ سب ہمارے پاس موجود ہیں اور گمنام خطوط جو جان سے مار دینے کے بارے میں کسی پُرجوش آریہ کی طرف سے پہنچے گو ہم سمجھ نہیں سکتے کہ کس آریہ کی طرف سے ہیں مگر یہ جانتے ہیں کہ شوریدہ پشتوں کے گروہ میں سے کوئی ایک ہے۔ ایسا ہی جن اشتہاروں کو یہ لوگ وقتاً فوقتاً جاری کرتے ہیں ان کے پڑھنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا بھرا ہوا ہے۔ گمنام خط جب ندر آریوں کی طرف سے آتے ہیں وہ اکثر بیرنگ ہوتے ہیں اور علاوہ ایک آنہ محصول ضائع کرنے کے جب اندر سے کھولا جاتا ہے تو نری گالیاں اور نہایت گندی باتیں ہوتی ہیں"۔ (شحنۂ حق مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ب-ج) اس کے بعد چونکہ یہ لوگ کسی طور سے ناراستی کو چھوڑنا نہیں چاہتے اس لئے سچ کہنے والے کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں۔ سو چونکہ ہمارے نزدیک کلمۂ حق سے خاموش رہنا اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے صاف اور روشن علم دیا ہے وہ خلق اللہ کو نہ پہنچانا سب گناہوں سے بدتر گناہ ہے اس لئے ہم ان کی قتل کی دھمکیوں سے تو نہیں ڈرتے لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ کسی ظالم آریہ کے اقدامِ قتل سے ہمارے ہم وطن اور ہم شہر پولیس کی کشاکشی میں پھنس جائیں اس لئے اوّل تو انہیں ہم یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اس شخص سے جس کا نام لیکھرام یا لیکھراج ہے پرہیز کریں اس کے ساتھ ان کی زیرِ پردہ خط و کتابت اچھی نہیں اور دوسرے ہم یہ بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اب ہم اپنے پیارے زادبوم قادیاں کو بمصلحت مذکورہ بالا کے لحاظ سے چھوڑ دیں اور کسی دوسرے شہر میں جا کر مسکن اختیار کریں کیونکہ جس جگہ میں ہمارا رہنا ہمارے حاسدوں کیلئے دُکھ کا موجب ہو اُن کا رفعِ تکلیف کرنا بہتر ہے کیونکہ ہم بجز دشمنوں کے دلوں کو بھی تنگ کرنا نہیں چاہتے اور ہمارا خدا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً یعنی جو شخص طاعتِ الٰہی میں اپنے وطن کو چھوڑے تو خدائے تعالیٰ کی زمین میں ایسے آرام گاہ پائے گا جن میں بلا حرج دینی خدمت بجا لا سکے۔ سو اے ہم وطنو! ہم تمہیں عنقریب الوداع کہنے والے ہیں"۔ (شحنۂ حق مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ب-ج)

ہجرت کی توفیق کیوں نہ ہوئی؟

معلوم ہوتا ہے کہ بعض آریہ نوجوانوں نے محض دل لگی کے طور پر دو چار تہدید آمیز چٹھیاں مرزا صاحب کے نام بھیج دی ہوں گی۔ مرزا صاحب کا دل سخت کمزور تھا۔ اس دھمکی کی تاب نہ لا کر لرزہ براندام ہو گئے اور اتنا خوف زدہ ہوئے کہ ترکِ وطن کا اعلان کر دیا۔ یہ معلوم نہیں کہ الہامی صاحب نے قادیاں سے کفرستانِ ہند ہی کے کسی دوسرے مقام کی طرف کوچ کرنے کا خیال کیا تھا یا دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنے کا قصد تھا۔ کفرستان سے کفرستان کی طرف جانا تو شرعاً ہجرت ہی نہیں۔ البتہ دار الاسلام کے قصد سے ترکِ وطن کیا جائے تو وہ قطعی ہجرت فی سبیل اللہ

اور اعلیٰ درجہ کا عملِ خیر ہے۔ مرزا صاحب نے بارہا ترکِ وطن کا عزم فرمایا لیکن اس عزم کو عملی جامہ کبھی نہ پہنا سکے اور اس سعادت سے بہرہ مند ہونا کبھی نصیب نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مرزا صاحب مدعیٔ نبوت و مسیحیت تھے اور ان کا یہ بھی مقولہ تھا کہ ہر نبی کے لئے ہجرت ضروری ہے اس لئے غیرت خداوندی نے طرح طرح کے دواعی و اسباب ہجرت کے باوجود ہجرت کی توفیق سلب کرلی تاکہ ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جائے کہ وہ سچے نبی اور اصلی مسیح نہیں۔ ۱۹۰۰ء میں قادیانی صاحب نے اس بنا پر مکرر ہجرت کا قصد فرمایا کہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے مرزائیوں کے زخم ہائے دل پر رحمت و نوازش کا مرہم رکھنے کے بجائے ان کو چشم نمائی کی تھی اور کہا تھا کہ میں عنقریب تمہاری خبر لوں گا۔ اس واقعہ کی تفصیل میاں بشیر احمد ابن جناب مرزا غلام احمد صاحب نے یہ لکھی ہے۔ "جب مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین (قادیاں کی) مسجد مبارک کا راستہ دیوار کھینچ کر بند کرنے لگے تو حضرت (الہامی) صاحب نے چند آدمیوں کو مرزا امام الدین کے پاس سمجھانے کے لئے بھیجا۔ مرزا امام الدین نے غصہ سے کہا کہ وہ خود کیوں نہیں آیا؟ اور میں تم لوگوں کو کیا جانتا ہوں؟ پھر طعن سے کہا کہ جب سے آسمانوں سے وحی آنی شروع ہوئی ہے اس وقت سے اسے خبر نہیں کہ کیا ہو گیا ہے۔ یہ لوگ ناکام واپس آئے۔ پھر حضرت صاحب نے انکے ساتھ بعض اور مہمانوں کو ملا دیا اور کہا ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس جاؤ اور کہو ہم لوگ دور دراز سے دین کی خاطر یہاں آتے ہیں اور یہ ایک ایسا فعل کیا جا رہا ہے جس سے ہم کو بہت تکلیف ہوگی کیونکہ مسجد کا راستہ بند ہو جائے گا۔ ان دنوں قادیاں کے قریب ایک گاؤں میں ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس آئے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ایک آدمی آگے بڑھا اور کہا ہم قادیاں سے آئے ہیں اور اپنا حال بیان کرنا شروع کیا۔ مگر ڈپٹی کمشنر نے نہایت غصہ کے لہجہ میں کہا کہ تم بہت سے آدمی جمع ہو کر مجھ پر رعب ڈالنا چاہتے ہو۔ میں تم لوگوں کو خوب جانتا ہوں کہ یہ جماعت کیوں بن رہی ہے۔ میں جلد تمہاری خبر لینے والا ہوں اور تم کو پتہ لگ جائے گا کہ کس طرح ایسی جماعت بنایا کرتے ہیں وغیرہ۔ غرض ناکام وہاں سے واپس آگئے اور حضرت صاحب کو سارا ماجرا سنایا۔" (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۱۲۰-۱۲۱)

ترکِ وطن کا مکرر عزم اور سعادتِ ہجرت سے محرومی

میاں بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ان دنوں مخالفت کا سخت زور تھا اور انگریز حکام بھی جماعت پر بہت بدظن تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ کوئی سازش کیلئے سیاسی جماعت بن رہی ہے۔ اور بٹالہ میں ان دنوں پولیس کے افسر بھی سخت معاند و مخالف تھے اور طرح طرح سے تکلیف دیتے تھے اور قادیاں کے اندر بھی مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین وغیرہ اور ان کی انگیخت سے قادیاں کے ہندو اور سکھ اور غیر احمدی سخت ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے اور قادیاں میں احمدیوں کو سخت ذلت اور تکلیف سے رہنا پڑتا تھا۔ حضرت (مرزا) صاحب نے یہ حالات دیکھے اور جماعت کی تکلیف کا مشاہدہ کیا تو جماعت کے آدمیوں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور کہا اب یہاں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ یہاں رہنا مشکل ہو گیا ہے اور ہمیں تو کام کرنا ہے۔ یہاں نہیں تو کسی اور جگہ سہی اور ہجرت بھی انبیاء کی سنت ہے پس میرا ارادہ ہے کہ کہیں باہر چلے جائیں۔ اس پر حکیم نورالدین بھیروی، مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اور شیخ رحمۃ اللہ گجراتی حال مقیم لاہور نے علی الترتیب بھیرہ، سیالکوٹ اور لاہور ہجرت کرنے کی رائے دی۔ آپ نے کہا اچھا وقت آئے گا تو جہاں اللہ لے جائے گا وہاں جائیں گے۔" (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۱۲۰-۱۲۱) غرض اس مرتبہ بھی فسخ عزیمت کرنا پڑا اور ہجرت کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ لیکن سطورِ ماسبق سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا دارالہجرت دارالاسلام کا کوئی شہر یا قریہ نہیں تھا

بلکہ قادیاں سے اس تیرہ و تار ہندوستان کے کسی دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونا مقصود تھا۔ اور اگر بالفرض ارالاسلام ہی کا قصد کیا جاتا تو بھی شرعی نقطۂ نظر سے اس وقت تک کچھ فائدہ بخش نہ تھا جب تک مرزا صاحب اپنے زندیقانہ عقائد اور جھوٹے دعووں سے تائب ہو کر اسلامی اصول و عقائد کا اتباع نہ کرتے اور اپنی الہامی بھول بھلیوں سے نکل کر تعلیمات نبوت سے تمسک کرنے پر رضامند

باب ۵۴۔ حکیم نور الدین صاحب کی دوسری شادی

حکیم نور الدین صاحب بھی حسن و ملاحت کے کچھ کم قدردان نہ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے مرید یا دوست شفیق مرزا صاحب بڑھاپے میں نئی دلہن بیاہ لائے اور ارمان بھرے دل کی آرزوئیں پوری ہوئیں تو ان کی آتش شوق بھی بھڑک اٹھی اور دل میں جنون انگیز جذبات ہجوم کرنے لگے کہ کسی نوخیز مہوش کو حبالۂ نکاح میں لائیں ؎

مرا عمر از برائے وصل یار نازنیں باید | گر آں دولت نباشد زندگی دیگر چہ کار آید

اس وقت حکیم صاحب اپنی عمر کی قریباً ساٹھ منزلیں طے کر چکے تھے۔ الہامی صاحب کی طرح ان کی بھی پہلی بیوی موجود تھی اور ان کی طرح صاحب اولاد بھی تھے۔ لیکن فرق یہ تھا کہ الہامی صاحب نے اپنی پہلی بیوی محترمہ حرمت بی بی کو کئی سال سے معلّقہ کر رکھا تھا اور وہ مجرم ناآشنا تادم واپسیں اپنے بھائی کے گھر میں اجڑی بیٹھی رہیں لیکن حکیم صاحب اپنی رفیقۂ حیات سے نہایت شریفانہ سلوک کرتے تھے دوسرا فرق یہ تھا کہ مجدد صاحب نے اپنی پہلی اولاد سے قطع تعلق کر رکھا تھا لیکن حکیم صاحب اپنی اولاد کے حق میں شفقت پدری اور حسن سلوک کے تمام لوازم انجام دیتے تھے معاشرت کا یہ فرق شاید اس علت پر مبنی تھا کہ حکیم صاحب کسی آسمانی منصب پر فائز نہیں تھے۔ اگر مرزا صاحب کی طرح وہ بھی مجدد زمان اور مسیح دوران ہوتے تو ان کا بھی اہل و عیال کے ساتھ شاید وہی برتاؤ ہوتا جو قادیاں کے مجدد اعظم کا طغرائے امتیاز تھا۔ بہرحال جب بڑھاپے میں گلشن نوجوانی کی گل چینی کا شوق سر سرایا تو حکیم صاحب نے مرزا صاحب کو لکھا کہ کہیں میرے لئے بھی اپنے حلقۂ مریدین میں کسی "دُرِ ناسفتہ" کا انتظام فرما دیجئے۔

لڑکی والوں کی طرف سے حنفی المذہب ہونے کی لازمی شرط

لدھیانہ میں احمد جان نام ایک شخص پیری مریدی کرتا تھا۔ بدنصیبی سے وہ شخص کسی طرح قادیاں کے دام تزویر میں پھنس گیا اور قبول مرزائیت کے تھوڑے ہی دن بعد دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس نے بارہ تیرہ سال کی ایک نہایت حسینہ لڑکی پیچھے چھوڑی تھی۔ الہامی صاحب نے اپنے مرید خاص میر عباس علی لدھیانوی کو لکھا کہ حکیم نور الدین صاحب کے لئے اس لڑکی کی بات چیت کرو۔ میر عباس علی نے لڑکی کی ماں اور بھائی سے گفتگو کی اور بہلا پھسلا کر ان کو راضی کر لیا۔ لیکن انہوں نے اس ازدواج کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ وہ حنفی ہوں۔ اگر وہابی ہوں گے تو ہمیں قطعاً منظور نہیں ہے۔ گو مرزائی ہو جانے کے بعد نہ کوئی شخص حنفی رہ سکتا ہے نہ اہل حدیث لیکن چونکہ اس وقت تک مرزا صاحب اور ان کے پیرؤوں کو بہت کم لوگ مرتد اور خارج از اسلام گمان کرتے تھے اس لئے شاید بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گی کہ تقلید اور عدم تقلید ائمہ بھی مرزائیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ ارتداد سے پہلے مرزا صاحب اور حکیم نور الدین صاحب دونوں "اہل حدیث" تھے۔ اور چونکہ اس وقت تک ان کے مذہبی ودیعہ میں اسلام کی کچھ نہ کچھ رمق باقی تھی اس لئے یہ خود بھی اب تک اہل حدیث ہی کہلاتے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے الہامی صاحب کی نسبت لکھا کہ "اہل حدیث جو قادیانی کو اہل حدیث سمجھ کر ان کے

پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اس دعوائے تحریف کو ایمان انصاف سے دیکھیں تو ان کو منکر صحت احادیث صحیحین جان لیں۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ ص ۲۲۹) اور لکھا کہ قادیانی صاحب اہل حدیث کہلا کر بعض احادیث صحیحین کی صحت سے انکاری ہوتے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۳۴)

میر عباس علی لدھیانوی نے مرزا صاحب کو اطلاع دی کہ لڑکی والے حنفیت کی شرط لگاتے ہیں وہابی کو وہ لڑکی ہرگز نہ دیں گے۔

اپنے تئیں حنفی ظاہر کرنے کی ترغیب

لیکن اہل حدیث کو حنفی ظاہر کر دینا قادیانی صاحب کے لئے کون سا مشکل کام تھا؟ انہوں نے حکیم صاحب کو لکھ بھیجا کہ وہ اپنے حنفی ہونے کا (منافقانہ) اظہار کر دیں۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب نے ۲۳ جنوری ۱۸۸۸ء کو حکیم صاحب کے نام جو چٹھی لکھی وہ ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے: "اس عاجز نے آنمکرم کے نکاح ثانی کی تجویز کے لئے کئی جگہ خط روانہ کئے تھے۔ ایک جگہ سے جو جواب آیا ہے وہ کسی قدر حسب مراد معلوم ہوتا ہے یعنی میر عباس علی شاہ صاحب لدھیانوی کا خط جو روانہ خدمت کرتا ہوں۔ اس میں ایک شرط عجیب ہے کہ حنفی ہوں غیر مقلد نہ ہوں۔ چونکہ میر صاحب حنفی ہیں اور میرے مخلص دوست منشی احمد جان صاحب جن کی بابرکت لڑکی سے یہ تجویز درپیش ہے پکے حنفی تھے اور ان کے مرید جو اس علاقہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں سب حنفی ہیں اس لئے حنفیت کی قید بھی لگا دی گئی۔ یوں تو حنیفاً مسلماً میں سب مسلمان داخل ہیں لیکن اس قید کا جواب بھی معقولیت سے دیا جائے تو بہتر ہے۔ منشی احمد جان مرحوم جب تک زندہ رہے خدمت کرتے رہے دوسرے تیسرے مہینے کسی قدر روپے اپنے رزق خداداد سے مجھے بھیجتے رہے۔ چونکہ وہ عالی خیال اور صوفی تھے اس لئے ان میں تعصب نہیں تھا میری نسبت وہ خوب جانتے تھے کہ یہ حنفی تقلید پر قائم نہیں ہیں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں لیکن پھر بھی یہ خیال انہیں محبت اور اخلاص سے نہیں روکتا تھا۔ لڑکی کا بھائی صاحبزادہ افتخار احمد صاحب بھی نوجوان صالح ہے۔ اب دو باتیں تدبیر طلب ہیں۔ اوّل یہ کہ ان کی حنفیت کے سوال کا کیا جواب دیا جائے۔ دوسرے اگر رضامندی فریقین کی ہو جائے تو لڑکی کے ظاہری حلیہ سے بھی اطلاع ہو جانی چاہیئے۔ مجھ سے میر عباس علی صاحب نے اپنے سوالات متذکرہ خط کا بہت جلد جواب طلب کیا ہے۔ اس لئے مکلف ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو جلد تر جواب ارسال فرما دیں۔ ابھی میں نے تصریح سے آپ کا نام ان پر ظاہر نہیں کیا۔" (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۵۲-۵۴)

دوسرے خط میں لکھا کہ "میں نے خاص صاحب اسرار اور واقف لوگوں سے اس لڑکی کی بہت تعریف سنی ہے۔ صاحبزادہ افتخار احمد صاحب اور ان کے تمام اعزہ و متعلقین کے دل پر تقلید حنفی کا بڑا رعب طاری ہے اور مدت دراز کی عادت جو طبیعت ثانیہ کا حکم پیدا کر لیتی ہے اگر خدا تعالیٰ چاہے تو تدریجاً دور ہو سکتی ہے۔ یکبارگی تبدیلی گو قلب ماہیت میں داخل ہے۔ اس موقع میں تمام تر حکمت عملی حلم و رفق و درگذر و زیادت محبت و مودت و غائبانہ دعا میں ہے۔ میرے گھر کے لوگوں کے خیالات موحدین (اہل حدیث) کے ہیں۔ اوّل تو خیالات میں خشک موحدین کی طرح حد سے زیادہ غلو تھا۔ مگر اب میں نے کوشش کی ہے کہ اس ناجائز غلو کو کچھ گھٹا دیا جائے۔ چنانچہ میرے خیال میں وہ کسی قدر گھٹ بھی گیا ہے۔ میرے گھر کے لوگوں نے ذکر کیا تھا کہ انہوں نے (یعنی آپ کے گھر والوں نے) لدھیانہ میں کسی تقریب سے یہ ذکر کیا تھا کہ اب تک تو مولوی صاحب (حکیم نورالدین صاحب) کا حنفیوں کا طریق معلوم ہوتا ہے۔ مگر میں ڈرتی ہوں کہ کہیں وہابی نہ ہوں۔ اور اب تک تو میں نے وہابیوں کی بات ان میں کوئی دیکھی نہیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں مناسب نہ سمجھا کہ اپنی رائے ظاہر کریں۔ (یہاں سے مرزائی جامع اوراق نے کچھ عبارت حذف کر دی ہے۔ راقم) چونکہ عورتوں کی باتیں عورتوں کے دلوں پر بڑا اثر ڈالتی ہیں اس لئے آپ کے گھر کے لوگوں کی بشیر کی والدہ سے

ملاقات منتج حسنات ہو سکتی ہے (ایضاً ص ۶۹) گو مکتوبات احمدیہ کے جامع نے الہامی صاحب کے اُن الفاظ کو جو ساری چٹھی کی جان تھے حذف کر کے ان کی جگہ نقطے دے دیئے ہیں لیکن یقین ہے کہ مجدّد صاحب نے حکیم صاحب کو لکھا تھا کہ تم مصلحتاً اپنے تئیں حنفی ظاہر کرو۔ میرے اس خیال کی تائید صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ایم اے کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حافظ روشن علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کسی دینی ضرورت کے ماتحت حضرت مسیح موعود نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کو یہ لکھا کہ آپ یہ اعلان فرما دیں کہ میں حنفی المذہب ہوں حالانکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب عقیدتاً اہل حدیث تھے حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں ایک پوسٹ کارڈ ارسال کیا جس میں لکھا ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ☐ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اور اس کے نیچے نورالدین حنفی کے الفاظ لکھ دیئے۔ (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۴۸) غرض غیر مقلّد کو مقلّد ظاہر کر کے فتح احمد اور اسکی ماں کو راضی کر لیا گیا اور حکیم صاحب ان کی لڑکی کو بیاہ لائے۔ واقعی چودھویں صدی کی مجددیت کو یہی دیانت اور صداقت زیب

باب ۴۶ پند سوالوں کے جوابات کا مطالبہ

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مرزا صاحب پہلے تو بڑے طمطراق سے دشمن کو للکاتے تھے اور پہلوانوں کی طرح باقاعدہ خم ٹھونک کر اور اکھاڑے میں اُتر کر ھَل مِن مُبارِز (کوئی مقابلہ پر آئے گا؟) کے نعرے لگاتے تھے لیکن جب وہ دو ہاتھ کرنے کو سچ مچ سامنے آموجود ہوتا تو پھر حیلے حوالے کرنے لگتے اور پیچیدہ اور ناقابل قبول شرطیں پیش کر کے راہ گریز اختیار فرماتے تھے۔ جن ایّام میں مجدّد صاحب آسمانی فرزند (بشیر اوّل) کو ڈاکٹری علاج کرانے کے لئے بٹالہ آئے ہوئے تھے ان دنوں بھی انہوں نے ایک ایسی ہی حرکت کی تھی تفصیل کے لئے تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحات ۱۰۳ - ۱۱۱ ملاحظہ فرمایئے۔ الہامی صاحب نے ۲۴ مئی ۱۸۸۸ء کو بٹالہ میں جو اشتہار چھپوا کر شائع کیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ”فتح مسیح عیسائی واعظ نے دعویٰ کیا تھا کہ مجھے بھی الہام ہوتا ہے اور میں بھی پیش از وقوع الہامی پیش گوئیاں بالمقابل بتلا سکتا ہوں چنانچہ اس دعویٰ کے پرکھنے کے لئے ۲۱ مئی ۱۸۸۸ء کو اس عاجز کے فرودگاہ پر ایک جلسہ قرار پایا۔ دس بجے کے بعد میاں فتح مسیح چند دوسرے عیسائیوں کے ساتھ جلسہ میں تشریف لائے۔ اور بجائے اس کے کہ پیشگوئیاں پیش کرتے دوسری باتیں جو سراسر واہیات اور خارج از مقصد تھیں شروع کر دیں۔ اب اس اشتہار کے جاری کرنے سے یہ غرض ہے کہ اگر کوئی معزز یورپین عیسائی صاحب ملہم ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں تو انہیں ہماری طرف سے اجازت ہے کہ بمقام بٹالہ جہاں ہم آخر رمضان تک رہیں گے کوئی جلسہ مقرر کر کے ہمارے مقابل اپنی الہامی پیشگوئیاں پیش کریں نیز اس اشتہار میں پادری وائٹ بریخٹ صاحب جو اس علاقہ کے ایک معزز یورپین پادری ہیں ہمارے بالتخصیص مخاطب ہیں۔ اور ہم پادری صاحب کو یہ بھی اجازت دیتے ہیں کہ اگر وہ صاف طور پر جلسۂ عام میں اقرار کر دیں کہ یہ الہامی طاقت عیسائی گروہ سے مسلوب ہے تو ہم اُن سے کوئی پیشگوئی بالمقابل طلب نہیں کریں گے بلکہ حسب درخواست ان کی ایک جلسہ میں صرف اپنی طرف سے ایسی الہامی پیش گوئیاں پیش از وقوع پیش کریں گے جن کی نسبت ان کو کسی طور کا شک و شبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہو گی۔ اور اگر ہماری طرف سے اُس جلسہ میں کوئی ایسی قطعی و یقینی پیش گوئی پیش نہ ہوئی جو عام ہندوؤں اور مسلمانوں

اور عیسائیوں کی نظر میں انسانی طاقتوں سے بالاتر متصور ہو تو ہم اسی جلسہ میں دو سو روپیہ نقد پادری صاحب موصوف کو بطور ہرجانہ یا تاوان تکلیف دہی کے دیدیں گے اور اگر پادری صاحب اقرار کریں کہ اگر اس پیش گوئی کا مضمون صحیح اور سچا نکلا تو میں بلا توقف مسلمان ہو جاؤں گا۔ اور اگر پیشگوئی کا مضمون صحیح نہ نکلا تو پادری صاحب کو دو سو روپیہ دیا جائیگا۔

یورپین پادری نے تو مرزا صاحب کو ناقابل التفات سمجھ کر اس چیلنج کا کچھ جواب نہ دیا۔ البتہ پادری فتح مسیح نے ۷ جون ۱۸۸۸ء کے "نور افشاں" لدھیانہ میں جو عیسائیوں کا ماہوار رسالہ تھا اس کے جواب میں لکھا کہ ہم تحقیق الہامات کے لئے اس طور پر جلسہ کر سکتے ہیں کہ چار سوال بند کاغذ میں حاضرین جلسہ میں سے کسی کے ہاتھ میں دیدیں گے۔ مرزا صاحب اسی جلسہ میں بیان کریں کہ وہ کیا کیا سوالات ہیں۔ اگر مرزا صاحب منظور کریں تو ہمیں انعقاد جلسہ میں کوئی عذر نہیں ہے"۔ ظاہر ہے کہ ایک خانہ ساز ملہم کے لئے یہ ایک بڑا بے ڈھب امتحان تھا جس سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے مرزا صاحب نے حیلے حوالوں کے ہتھیار جن سے وہ ہر وقت مسلح رہتے تھے چلانے شروع کئے اور پادری کے سامنے ایسی شرطیں پیش کیں جو "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی" کا مصداق تھیں۔ مرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں لکھا کہ پادری فتح مسیح تو کسی طرح قابل خطاب ہی نہیں۔ البتہ اگر یورپین پادری وائٹ بریخٹ میرے مقابلہ پر آئیں تو میں مندرجہ ذیل شرائط پر بند سوالات کے جواب دینے پر آمادہ ہوں۔ (۱) پادری وائٹ بریخٹ کسی منظور کردہ ثالث کے پاس نقد ہزار روپیہ جمع کرادیں۔ (۲) بند سوالات کے جواب اسی مجلس میں نہیں دوں گا بلکہ اس کے لئے دس ہفتہ کی میعاد رہے گی۔ (۳) پادری وائٹ بریخٹ بٹالہ میں ایک جلسہ عام منعقد کریں اور اس میں حلفاً اقرار کریں کہ اگر دس ہفتہ کے اندر لفافہ کا مضمون بتلا دیا جائے گا تو وہ بلا توقف دین مسیحی سے بیزار ہو کر مسلمان ہو جائیں گے۔ (۴) اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان کا ہزار روپیہ ضبط کر لیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ ان شرائط کے بعد کسی مزید گفتگو کی امید موہوم تھی۔ اس واسطے معاملہ یہیں تک پہنچ کر رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ جو یورپین پادری مرزا صاحب کے منہ ہی لگانا نہیں چاہتا تھا اس سے بھلا کہاں امید ہو سکتی تھی کہ ان کی اشتہار بازی سے مرعوب ہو کر انہیں قابل خطاب سمجھنے لگتا۔ شملہ سے بٹالہ واپس آتا ہزار روپیہ جمع کراتا اور جلسۂ عام منعقد کر کے حلف اٹھاتا جو ان کے مذہب میں ممنوع ہے۔ پھر اپنے سوالات پیش کرتا اور ان کے جوابات کے لئے دس ہفتہ تک بٹالہ میں پڑا رہتا اور مرزا صاحب کو موقع دیتا کہ کسی سازش کے ذریعہ سے بند لفافہ کے مضمون پر اطلاع پا سکیں۔

باب ۷۴۔ مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کے انتقال کی پیشگوئی

مرزا صاحب نے اپنی پیشین گوئیوں کو بھی اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا تھا چنانچہ ایک اشتہار میں لکھا تھا۔ "بالخیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق و کذب جانچنے کے لئے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا"۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۱۸) اس بنا پر حق تعالیٰ کی قدرت قاہرہ نے مرزا صاحب کی سیکڑوں ہزاروں پیشینگوئیوں میں سے کبھی ایک پیشین گوئی کو بھی پورا نہ ہونے دیا۔ گو عجب نہیں کہ بعض ایسی پیشین گوئیاں پوری ہو گئی ہوں کہ قرائن حالیہ ان کے ظہور کے موئید تھے لیکن میں ایسی خبروں کو پیشین گوئیوں کے دائرہ حدود سے خارج سمجھتا ہوں کیونکہ شواہد و قرائن

کی موجودگی ہیں تو زید عمرو بکر ہر شخص پیشین گوئی کر سکتا ہے مثلاً راج پال جس نے ۱۹۲۸ء میں غازی علم الدین شہید کے ہاتھوں لاہور میں زندگی کی رسوائی سے نجات پائی تھی اس کے قتل کی نہ صرف خاکسار راقم الحروف نے بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی پیشینگوئی کر رکھی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ البتہ مرزا احمد بیگ کے انتقال کی پیشین گوئی ایسی ہے جس کے متعلق مرزا ہیوں کا دعویٰ ہے کہ پوری ہوگئی اور اس پر وہ بہت کچھ اترایا کرتے ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا ضرور ہوا پیشینگوئی کے الفاظ یہ تھے "اس لڑکی کا والد (مرزا احمد بیگ) ایک ضروری کام کے لئے ہماری طرف ملتجی ہوا۔ نامبردہ (مرزا احمد بیگ) کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین نامی کو بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا اور مفقود الخبر ہے۔ اس کی زمین جس کا حق (انگریزی قانون کی رُو سے) ہمیں بھی پہنچتا ہے نامبردہ (مرزا احمد بیگ) کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کر دی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے نامبردہ یعنی ہمارے خط کے مکتوب الیہ (مرزا احمد بیگ) نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین جو چار پانچ ہزار روپے قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرا دیں۔ چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا۔ چونکہ (انگریزی قانون کی رو سے) وہ ہبہ نامہ بغیر ہماری رضامندی کے بیکار تھا اس لئے مکتوب الیہ (مرزا احمد بیگ) نے بتمامتر عجز و انکسار ہماری طرف رجوع کیا تاکہ ہم راضی ہو کر اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے لیکن خیال آیا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے کہ جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہیئے وہ استخارہ کیا تھا گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آپہنچا تھا جس کو خدائے تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کر دیا۔ اس خدائے قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (مرزا احمد بیگ) کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہدے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہے لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لئے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے پھر ان دنوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ (احمد بیگ) کی دختر کلاں کو ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا۔ اس بارہ میں یہ الہام ہوا ہے "انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور وہ پہلے سے ہنسی کر رہے تھے سو خدائے تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لئے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا۔ اور انجام کار اس کی اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ گو اوّل میں احمق اور نادان لوگ بد باطنی اور بدظنی کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں لیکن آخر خدائے تعالیٰ کی مدد کو دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تعریف ہوگی"۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۵ - ۱۱۷)

ساتوں پیشین گوئیاں جھوٹی نکلیں الہامی صاحب کا یہ بیان سات پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے۔ (۱) مرزا صاحب سے نکاح نہ ہوا تو لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔ (۲) لڑکی کا شوہر ڈھائی سال تک مر جائے گا۔ (۳) مرزا احمد بیگ (لڑکی کا باپ) تین سال تک یعنی لڑکی کے شوہر کی وفات کے چھ مہینہ بعد دنیا سے گذر جائے گا۔ (۴) محمدی بیگم ہر نوع کے دور ہونے

کے بعد انجام کار مرزا صاحب سے بیاہی جائے گی۔ (۵) جو لوگ محمدی بیگم کے ساتھ مرزا صاحب کے نکاح میں مزاحم ہیں خدا خود اُنکی مدافعت کر کے مرزا صاحب کی مدد کرے گا۔ (۶) بدگوئی کرنے والے خدا کی امداد کو دیکھ کر شرمسار ہوں گے۔ (۷) شادی ہو جانے کے بعد مرزا صاحب کی ہر طرف تعریف و توصیف ہو گی"۔ ظاہر ہے کہ ان سات پیشین گوئیوں میں سے مرزا صاحب کی کوئی بات بھی پوری نہیں ہوئی یہ صحیح ہے کہ مرزا احمد بیگ نے پیشین گوئی کے چھ مہینہ بعد انتقال کیا لیکن اگر اس حادثہ مرگ میں مرزا صاحب کی پیشین گوئی کو کوئی دخل ہوتا تو مرزا احمد بیگ کو اپنے داماد کے بعد انتقال کرنا چاہیئے تھا۔ حالانکہ محمدی بیگم کا شوہر سلطان محمد آج تک زندہ موجود ہے۔

داماد اور خسر کے مرنے کی ترتیب کو بدل دیا

محمدی بیگم سے شادی ہونے کا اولین تذکرہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار کے حاشیہ پہ پایا جاتا ہے (دیکھو تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۶۱) مرزا صاحب نے اس کے قریباً ڈھائی سال بعد اس پیشین گوئی کی تفصیل ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اُس اشتہار میں درج کی جو اوپر قلم بند ہوا یعنی وُہ اعلان جو سات چھوٹی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ان دونوں اشتہاروں میں مرزا احمد بیگ کے داماد کی موت کا تذکرہ پہلے تھا جس کی مدت ڈھائی سال بتائی تھی اس کے بعد مرزا احمد بیگ کی وفات کا ذکر تھا جس کی میعاد تین سال تھی۔ یہ ترتیب صاف بتا رہی ہے کہ پہلے داماد کو مرنا تھا اور اس کے بعد خسر کو رخت سفر باندھنے کی تیاری تھی لیکن جب قضائے کردگار سے ۱۸۹۲ء کے اواخر میں مرزا احمد بیگ کا انتقال ہو گیا تو مرزا صاحب نے اس کے بعد کتاب شہادۃ القرآن میں جو ۲۲ دسمبر ۱۸۹۳ء کو شائع ہوئی داماد اور خسر کے مرنے کی ترتیب کو بدل دیا یعنی مرزا احمد بیگ کی وفات کو اوّل اور مرزا سلطان محمد کے انتقال کو دوسرے درجہ پر درج کیا تاکہ لوگ سابقہ الہاموں کی اس ترتیب کو بھول جائیں جن میں داماد کے مرنے کو مقدم اور خسر کی موت کو مؤخر کیا تھا چنانچہ مرزا صاحب کی ہوشیاری ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں "وہ پیش گوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں کہ (۱) مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو (۲) اور پھر داماد اس کا جو اس کی دختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو"۔ (شہادۃ القرآن مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ ۸۱) حالانکہ پہلے الہاموں اور اعلانوں کی رُو سے داماد کو پہلے رخصت ہونا چاہیئے تھا۔ اور اگر ربّ قادیان کے پاس خاطر سے مرزا صاحب کی قائم کی ہوئی ترتیب کا لحاظ نہ رکھا جائے تو بھی پیشینگوئی سچی نہیں سمجھی جا سکتی کیونکہ پانچ سات باتوں میں سے ایک آدھ بات تو اوباشوں اور بازاری لفنگوں کی بھی پوری ہو جاتی ہے۔ رمّال اور جوتشی بھی بہت سی باتیں بنا جایا کرتے ہیں اُن میں سے کوئی نہ کوئی ضرور پوری ہو جاتی ہے اور ہر شخص اسے اتفاقی واقعہ سمجھتا ہے۔

احمد بیگ کی موت کا آخری مصیبت ہونا

علاوہ ازیں حسب تصریح الہامی صاحب مرزا احمد بیگ کو سلطان محمد کی زندگی میں نہیں مرنا چاہیئے تھا کیونکہ الہامی صاحب نے صاف لکھ دیا تھا کہ احمد بیگ کی موت گھر والوں کی آخری مصیبت ہو گی چنانچہ مرزا صاحب نے "آئینہ کمالات" کے صفحہ ۵۷۳ پر ایک عربی الہام لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے مجھے وحی کی کہ احمد بیگ سے اس کی بڑی لڑکی کے لئے بات چیت کر اور اس سے یہ بھی کہدے کہ اگر تونے اس پیغام کو ٹھکرا دیا تو اس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا نہ تو لڑکی کے لئے بابرکت ہو گا اور نہ تمہارے لئے۔ اور اگر تو اس سے متنبہ نہ ہوا تو تجھ پر بہت سی مصیبتیں نازل ہوں گی جن میں سب سے آخری مصیبت تیری موت ہو گی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان محمد سے محمدی بیگم کی شادی ہو جانے کے بعد خاندان کے سلسلہ مصائب کی آخری کڑی مرزا احمد بیگ کی موت ہو گی حالانکہ خسر داماد سے پہلے طعمہ اجل ہو گیا اس لئے پیشینگوئی کا یہ

باب ۴۸ مرزا سلطان محمد کے ہلاک ہونے کی پیشین گوئی

الہامی صاحب نے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ اگر احمد بیگ نے اپنی لڑکی کی شادی کر دینے سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی بُرا ہو گا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے ڈھائی سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر میں تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۶) اس اعلان کے بموجب چاہیئے تھا کہ مرزا سلطان محمد متوطن پٹی ضلع لاہور (جس سے لڑکی منسوب تھی) اور اس کے دوسرے خویش و اقارب خوف زدہ ہو کر منگنی چھوڑ دیتے لیکن وہ مطلق ہراساں نہ ہوئے اور یقین کر لیا کہ حضرت قادیانی ریش دراز اور تقدس مآبی کی آڑ میں شکار کھیلنا چاہتے ہیں۔ جب پہلا اشتہار ان پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوا تو الہامی صاحب نے مزید تہدید آمیز اشتہارات شائع کئے اور خطوط میں طرح طرح کی دھمکیاں دیں تاکہ کسی طرح منگنی سے دست بردار ہو جائیں۔ ایک خط میں لکھا "تم اس تعلق کو قطع کر دو۔ تمہاری دوسری جگہ شادی کرا دی جائے گی۔ تمہاری جوانی پر مجھے بڑا رحم آتا ہے۔ تم اس ارادہ سے باز آ جاؤ"۔ اس کے بزرگوں کو بھی خطوط بھیج بھیج کر ڈرایا دھمکایا مگر وہ لوگ دل کے مضبوط تھے۔ ان پر ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ صفحہ ۱۸۰) مرزا صاحب نے اپنے چار ہزاری اشتہار میں جو رسالہ انوار الاسلام کے ساتھ منضم ہے صفحہ ۲ پر لکھا "احمد بیگ کے داماد کا یہ قصور تھا کہ اس نے تخویف کا اشتہار دیکھ کر اس کی پروا نہ کی۔ خط پر خط بھیجے گئے۔ ان سے کچھ نہ ڈرا۔ پیغام بھیج کر سمجھایا گیا کسی نے اس طرف ذرا التفات نہ کی اور احمد بیگ سے ترک تعلق نہ چاہا۔ بلکہ وہ سب گستاخی اور استہزا میں شریک ہوئے۔ سو یہی قصور تھا کہ پیشگوئی کو سن کر پھر ناطہ کرنے پر راضی ہوئے"۔

مرزا صاحب کو سراج الاخبار کا مشورہ کہ ابھی سے کوئی تاویل گھڑ لو

مرزا صاحب نے سلطان محمد کی میعاد حیات یوم شادی سے ڈھائی سال بتائی تھی شادی ۷ اپریل ۱۸۹۲ء کو ہوئی۔ اس حساب سے مرزا سلطان محمد کی زیست کا آخری دن ۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء تھا لیکن لطف یہ کہ مرزا سلطان محمد آج ۱۰ ستمبر ۱۹۳۵ء تک زندہ سلامت موجود ہیں یعنی اپنے ہونے کے بعد چوالیس سال سے برابر گلشن دنیا کی سیر کر رہے ہیں اور عالم آخرت میں جانے کا نام نہیں لیتے۔ مرزائی لوگ عام طور پر معجزہ احیاء موتیٰ کے قائل نہیں۔ حالانکہ ان کے سامنے مردہ زندہ ہونے کی ایک زندہ مثال موجود ہے۔ جب ڈپٹی آتھم نصرانی کے متعلق الہامی صاحب کی پیشین گوئی غلط نکلی اور انہوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ پادری عبداللہ نے دل میں رجوع کر لیا ہے تو اس سزا بذرگ یا بدتر از گناہ کے متعلق جریدہ سراج الاخبار جہلم نے لکھا "مرزا صاحب کو چاہیئے کہ مرزا احمد بیگ کے داماد کی پیشینگوئی کی نسبت بھی ابھی سے کوئی تاویل سوچنا شروع کر دیں کیونکہ اس کی میعاد کے اختتام میں صرف چند روز رہ گئے ہیں اور وہ نوجوان اسوقت تک بقید حیات ہے"۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ ص ۲۱) لیکن سراج الاخبار کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ قادیاں شریف میں اختتام میعاد کے وقت کسی سوچ بچار کی ضرورت نہ تھی بلکہ مرزائی ٹکسال میں ہر قول اور ہر پیشینگوئی کی تاویل اسی وقت طیار کر لی جاتی تھی جبکہ مرزا صاحب کا تخیل یا دماغ کسی پیشین گوئی کو تجویز کرتا یا شیطان کی کسی اطلاع کے بموجب کسی پیشینگوئی کے اعلان کا قصد کیا جاتا۔

الہامی صاحب کی متضاد سخن سازیاں

جب مرزا سلطان محمد کی ہلاکت کی ۲½ سالہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی تو ۷ یا ۸ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو تماش بین چاروں طرف سے امنڈ آئے اور مرزا صاحب کے ارد گرد تاویل کاری کا تماشہ دیکھنے کیلئے کھڑے ہو گئے

مرزا صاحب نے اپنے کیسہ تاویل میں سے ایک عادتاً تاویلی چھچھوندر نکال کر باہر چھوڑ دی۔ لوگ اس کو دیکھ کر اش اش کر گئے۔ کہ کیسی بدیع و دلفریب چھچھوندر ہے۔ آپ بھی اس چھچھوندر کی دلآویزی اور حسن و جمال کی داد دیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "احمد بیگ کا داماد جو ڈھائی سال کے اندر فوت نہ ہوا تو اس کی یہی وجہ تھی جو اس عبرت انگیز واقعہ کے بعد جو احمد بیگ اس کے خسر کی وفات تھی ایک شدید خوف اور حزن اس کے دل پر وارد ہو گیا اور نہ صرف اس کے دل پر بلکہ اس کے تمام متعلقین کو اس خوف و حزن نے گھیر لیا۔ ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ احمد بیگ کے مرنے کے بعد اس کے داماد کا کیا حال ہوا ہو گا گویا وہ جیتا ہی مرگیا ہو گا۔ چنانچہ اس کے بزرگوں کی طرف سے وہ خط ہمیں بھی پہنچے جو ایک حکیم صاحب باشندہ لاہور جس کا دنیا میں کہیں وجود نہ تھا۔ راقم) کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے جن میں انہوں نے اپنے توبہ و استغفار کا حال لکھا ہے۔ سو ان تمام قرائن کو دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ تاریخ وفات سلطان محمد قائم نہیں رہ سکتی" (تبلیغ رسالت جلد ۳ ص ۱۱۴) اب ذرا احمدیہ پاکٹ بک کے مؤلف کا بیان سنو۔ لکھتا ہے "جب احمد بیگ میعاد مقررہ میں ہلاک ہو گیا تو سلطان محمد پر خوف طاری ہوا۔ اس نے حضرت مسیح موعود کو دعا کے لئے خطوط لکھے اور نہایت تضرع و ابتہال سے جناب باری میں دعا کی تو خدا تعالیٰ غفور رحیم نے سلطان محمد کی زاری کو سنا۔ عذاب ہٹا لیا۔ (احمدیہ پاکٹ بک ص ۴۳۲-۴۳۳) لیکن سوال یہ ہے کہ جب محمدی بیگم کی شادی کے چھ مہینہ بعد مرزا احمد بیگ نے دار آخرت کی راہ لی اور مرزا سلطان محمد پر خوف و ہراس طاری ہوا تو الہامی صاحب نے اسی وقت کیوں اعلان کر دیا کہ سلطان محمد نے توبہ کر لی ہے اس لئے اسکی موت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے؟ مرزا صاحب اسکے بعد دو سال تک خاموش کیوں بیٹھے رہے۔ اور اس سے پیشتر کہ مرزا سلطان محمد کی موت کا انتظار کرتے کرتے ڈھائی سال کی مدت معہود گزار دی انہوں نے پیشینگوئی کے نسخ کا کیوں اعلان نہ کر دیا؟ جب ایسا نہ کیا تو بعد از وقت ملمع سازی کرنا "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید" کا مصداق ہے۔ اس سے قطع نظر آگے چل کر آپ کو معلوم ہو گا کہ الہامی صاحب نے سلطان محمد کی موت کو ٹال نہ پایا البتہ ڈھائی سال کی مدت میں توسیع کر دی۔ رہا یہ کہ سلطان محمد نے مرزا جی کو خط لکھے بالکل سفید جھوٹ اور

مرزا سلطان محمد کا بیان کہ میں ہرگز نہیں ڈرا

جب مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے مرزا صاحب کی یہ تحریر پڑھی کہ مرزا سلطان محمد ڈر گیا اس لئے اس کی موت ملتوی ہو گئی تو انہوں نے اس بیان کی تنقیح کا قصد کیا۔ اس وقت مرزا سلطان محمد راولپنڈی میں سرکاری فوج کے رسالہ میں ملازم تھے۔ مولوی محمد حسین مرحوم نے اپنے ایک دوست منشی محمد سعید نقشہ نویس کو خط لکھا کہ مرزا سلطان محمد سے مل کر ان سے اس کے متعلق دریافت کریں۔ منشی محمد سعید رسالہ میں جا کر ان سے ملے اور ڈرنے کے متعلق ان کے خیالات معلوم کئے۔ انہوں نے ڈر جانے کے دعوے کی صداقت سے انکار کیا اور یہ تحریر لکھ دی "میں مرزا غلام احمد کو جھوٹا اور دروغ گو جانتا تھا اور جانتا ہوں اور میں مسلمان آدمی ہوں۔ خدا کا ہر وقت شکر گزار ہوں۔ (سلطان محمد بیگ بقلم خود) (اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ ص ۱۹۱) رسالہ "اشاعۃ السنہ" نے مرزا سلطان محمد کا یہ بیان قادیاں کے مسیح صاحب کے عین حیات یعنی اواخر ۱۸۹۴ء میں شائع کیا تھا لیکن مسیح صاحب نے اس کی کوئی تردید شائع نہ کی۔ اس کے بعد بھی مرزا غلام احمد صاحب چودہ سال تک اس عبرت کدۂ عالم میں موجود رہے لیکن سلطان محمد بیگ کے اس بیان کی تردید کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔ ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو مرزا سلطان محمد کی مندرجہ ذیل چٹھی جریدۂ "اہل حدیث" امرتسر میں چھپی تھی:۔ "جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو میری موت کی پیش گوئی فرمائی تھی میں نے اس میں ان کی تصدیق کبھی نہیں کی۔ نہ میں اس پیش گوئی سے کبھی ڈرا۔ میں ہمیشہ سے اور اب بھی اپنے

بزرگانِ اسلام کا پیرو رہا ہوں۔" (سلطان محمد بیگ) ۳۔ مارچ ۱۹۲۴ء۔

اس چٹھی کی تصدیق مندرجۂ ذیل پانچ گواہوں نے کی۔ (۱) مولوی عبداللہ امام مسجد مبارک پٹی ضلع لاہور (۲) مولوی مولا بخش خطیب جامع مسجد پٹی۔ (۳) مولوی عبدالمجید ساکن پٹی۔ (۴) مستری محمد حسین نقشہ نویس پٹی۔ (۵) مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری (اہل حدیث مورخہ ۱۴۔ مارچ ۱۹۲۴ء) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اہل حدیث میں اعلان کیا تھا کہ جو مرزائی اس چٹھی کو غیر صحیح ثابت کر دے اسے وہی تین سو روپیہ انعام دیا جائے گا جو میں نے لدھیانہ میں میر قاسم علی مرزائی سے جیتا تھا۔ اس اعلان پر تمام مرزائی دم بخود رہ گئے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کے خلاف لب کشائی یا خامہ فرسائی کرتا۔ (محمدیہ پاکٹ بک ص ۴۸۹)

خوف اور توبہ کا اقتضا طلاق دینا تھا

یہ حقیقت قابلِ توجہ ہے کہ مرزا سلطان محمد کے خوف اور توبہ کا مرزائی افسانہ اسی حالت میں قابلِ التفات ہو سکتا ہے جب کہ مرزا سلطان محمد صاحب اپنی بیوی کو طلاق دے کر مسیح صاحب کے لئے عقدِ نکاح کا راستہ صاف کر دیتے اور مرزا صاحب کے الہام "بِکرٌ و ثیّب" کی عملی تصدیق کرتے جو انہیں ۵۔ دسمبر ۱۹۰۳ء کو ہوا تھا۔ (البشریٰ جلد ۲ ص ۸۸) کیونکہ قادیاں کی بارگاہ معلّٰی کی طرف سے جو فردِ قرار دادِ جرم مرزا سلطان محمد کے خلاف عاید کی گئی وہ یہی تھی کہ انہوں نے محمدی بیگم کی منگنی چھوڑ کر مرزا احمد بیگ سے قطع تعلق منظور نہ کیا تھا۔ چنانچہ خود مرزا صاحب فرماتے ہیں: "سلطان محمد اور اس کے اقارب اس لئے مجرم ٹھہر گئے کہ انہوں نے یہ گناہ کیا کہ ان کو ہم نے بار بار بوساطت بعض مخلصوں اور نیز خطوط کے ذریعہ سے بہت کھول کر سنا دیا تھا کہ یہ پیش گوئی ایک قوم سرکش کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تم ان کے ساتھ مل کر ویسے ہی مستوجبِ عذاب مت بنو۔ مگر چونکہ وہ بھی سخت دل اور دنیا پرست تھے اس لئے انہوں نے نہ مانا اور اسی طرح ٹھٹھا اور ہنسی کی اور اپنی بیباکی سے اس رشتہ سے دست کش نہ ہوئے۔" (تبلیغ رسالت جلد ۳ ص ۱۱۴) اور توبہ کی حقیقت خود مرزا صاحب نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: "اگر وہ شخص اس تاخیرِ عذاب کی وجوہ بکلّی اپنے سر پر سے اٹھا لیوے مثلاً اگر کافر ہے تو سچ مچ مسلمان ہو جائے اور اگر ایک جرم کا مرتکب ہے تو سچ مچ اس جرم سے دست بردار ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے ظلِّ امان میں آجاتا ہے۔" (ایضاً ص ۱۱۹) پس جس صورت میں کہ مرزا سلطان محمد صاحب اپنے جرم سے دست بردار نہ ہوئے اور محمدی بیگم مرزا صاحب کو تفویض نہ کی تو ان کی توبہ اور خوف و خشیتہ محض ابلہ فریبی ہے اور اگر بفرضِ محال مرزا سلطان محمد ڈر بھی جاتے اور وہ خدانخواستہ اپنی اہلیہ محترمہ کو طلاق بھی دیدیتے تو کچھ مفید نہ ہوتا کیونکہ بقول جناب مسیح قادیاں مرزا سلطان محمد کی موت تقدیرِ مبرم تھی۔ چنانچہ عنقریب لکھا جائے گا۔ الہامی صاحب نے ۶۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کے اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ سلطان محمد کے بزرگوں کی طرف سے دو خط ہمیں بھی پہنچے جو ایک حکیم صاحب باشندۂ لاہور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے جن میں انہوں نے اپنے توبہ استغفار کا حال لکھا ہے۔" لیکن یہ بیان قطعاً غلط اور من گھڑت ہے۔ اگر الہامی صاحب اس بیان میں سچے تھے تو انہوں نے اس حکیم کا نام اور پتہ کیوں نہ لکھا اور وہ خطوط کیوں شائع نہ کئے؟ اگر مرزا صاحب کے پاس واقعی اس قسم کے کوئی خط آئے ہوتے تو وہ اپنی عادتِ مستمرہ کے بموجب ہنگامۂ محشر برپا کر دیتے اور بڑے طمطراق سے ان کو اپنی صفائی میں پیش کرتے لیکن جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ داستان محض مرزا صاحب کا دماغی اختراع ہے چنانچہ جب مسیح صاحب نے لکھا کہ سلطان محمد کے بزرگوں نے اعترافِ قصور کیا ہے تو مولوی محمد حسین بٹالوی نے اسکے جواب میں لکھا کہ مرزا سلطان محمد بیگ نے اپنی اس تحریر میں جو ہماری طرف روانہ کی ہے اس سے بھی انکار کیا ہے کہ ان کے کسی رشتہ دار نے کوئی خط متضمن بہ توبہ استغفار مرزا غلام احمد کے

نام بھیجا ہو۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ ص ۱۹۲) جب مولوی محمد حسین صاحب کا یہ تردیدی بیان شائع ہوا تو اگر اُس وقت کچھ مرزا صاحب کے ہاتھ پلّے ہوتا تو ضرور پٹی والوں کے خطوط شائع کر دیتے لیکن مرزا صاحب نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ تکلّم پر سکوت کو ترجیح دیں اور

باب ۴۹ ۔ مرزا سلطان محمد کی مدّتِ حیات میں کرم گسترانہ توسیع

جب پیشگوئی کی ۲½ سالہ میعاد گذر گئی اور مرزا سلطان محمد کو نصیب اعدا کسی قسم کا کوئی چشم زخم نہ پہنچا تو مرزا صاحب نے ضروری سخن سازی اور تاویل کاری سے فراغت پانے کے بعد مرزا سلطان محمد کی جوانی پر رحم کھا کر بلا تعیین وقت انکی زندگی میں بایں شرط توسیع فرما دی کہ وہ مرزا صاحب کی زندگی ہی میں دُنیا کو الوداع کہدیں تاکہ ان کی منکوحہ در وہ محبت مرزا صاحب مرحوم کے ساتھ ایک دوسرے سے وابستہ ہو سکیں چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہیں "پیشگوئی کا دوسرا حصّہ جو اس کے داماد کی موت ہے وہ الہامی شرط کی وجہ سے دوسرے وقت پر جا پڑا اور داماد اُس کا الہامی شرط سے اسی طرح متمتع ہوا جیسا کہ آتھم ہوا۔ کیونکہ آتھم کی موت کے بعد اس کے عزیزوں میں سخت مصیبت برپا ہوئی۔ سو ضرور تھا کہ وہ الہامی شرط سے فائدہ اُٹھاتے پس اس کا داماد تمام کنبہ کے خوف کی وجہ سے اور ان کے توبہ اور رجوع کے باعث سے اس وقت فوت نہ ہوا۔ (البتہ آیندہ کسی سال ضرور فوت ہوگا) مگر یاد رکھو کہ خدا کے فرمودہ میں تخلّف نہیں اور انجام وہی ہے جو ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ خدا کا وعدہ ہرگز ٹل نہیں سکتا" (ضمیمہ انجام آتھم مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ ۱۳)

تقدیرِ مبرم اور مرزائی صدق و کذب کا معیار

الہامی صاحب نے مرزا سلطان محمد کی زندگی میں جو توسیع فرمائی تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ الہامی صاحب کے رخت سفر باندھنے کے بعد بھی دُنیا میں موجود رہتے بلکہ حکم یہ تھا کہ وہ مرزا صاحب کی زندگی ہی میں توسن حیات کی باگ عالم آخرت کی طرف پھیر کر اپنی منکوحہ کو مرزا صاحب کے قبضہ و تصرّف میں دے جائیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں "میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشگوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے اس کی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی" (ایضاً ص ۳۱) اسی طرح فرمایا "یاد رکھو کہ اس پیشگوئی کی دوسری جزو (سلطان محمد کی موت) پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو! یہ انسان کا افترا نہیں۔ نہ یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار ہے یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتی ہیں" (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۴)

مرزا جی کے خدا کی لغو بیانیاں

الہامی صاحب نے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی محمدی بیگم کا انجام نہایت ہی بُرا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روزِ نکاح سے ڈھائی سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص ۱۱۶) لیکن آگے چل کر وقت نے دکھا دیا کہ مرزا جی کے عاجی خُدا کی تمام باتیں سراسر لغو و بے بنیاد تھیں۔ اور یہ بھی شاید مسیلمہ کذّاب کی طرح قادیانی مسیح کا معجزہ تھا کہ جو کچھ اُنہوں نے اپنے رقیب اور اس کی دُلہن کے مستقبل کے متعلق بتایا تھا سراسر اُس کے برعکس ظہور میں آیا۔ محمدی بیگم نے شادی کے بعد تا دم العمر وہ آسودگی اور فارغ البالی دیکھی کہ جس کی نظیر بہت کم گھرانوں میں پائی جاتی ہے آج سے قریباً آٹھ سال پیشتر سیّد محمد شریف صاحب ساکن گھڑیالہ ضلع لاہور کے استفسارات کے جواب میں مرزا سلطان محمد نے سیّد صاحب کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا:-

مکرم بندہ جناب شاہ صاحب۔ السلام علیکم۔ میں تا دم تحریر تندرست اور بفضل خدا زندہ ہوں۔ خدا کے فضل سے ملازمت کے

وقت بھی تندرست رہتا ہوں میں اس وقت بعہدہ رسالدار پنشن پر ہوں۔ ایک سو پینتیس ۱۳۵ روپے ماہوار پنشن ملتی ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے پانچ مربع اراضی عطا ہوئی ہے۔ قصبہ پٹی میں میری جدّی زمین بھی میرے حصّہ میں قریباً سو بیگھہ آئی ہے ضلع شیخوپورہ میں بھی میری تین مربع زمین ہے۔ میرے چھ لڑکے ہیں۔ جن میں سے ایک اللہ ہو میں پڑھتا ہے۔ حکومت کی طرف سے اس کو پچیس روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے دوسرا لڑکا پٹی میں مدرسہ میں تعلیم پاتا ہے میں خدا کے فضل سے اہل سنت والجماعت ہوں میں احمدی مذہب کو برا سمجھتا ہوں میں اس کا پیرو نہیں ہوا۔ اس کو دین جھوٹا سمجھتا ہوں والسلام۔ سلطان محمد بیگ پنشنر پٹی ضلع لاہور (اخبار اہل حدیث)

باب ۵۰۔ مرزا محمود احمد صاحب کے تولد کی پیشین گوئی

مرزا صاحب کا معمول تھا کہ جب محترمہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ حاملہ ہوتیں تو کتب طب کی ورق گردانی شروع کر دیتے اور علامات حمل سے جن پر طبی نقطۂ نگاہ سے معلوم کرنے کی کوشش فرماتے کہ حمل لڑکے کا ہے یا لڑکی کا؟ اگر آثار و علامات اس بات پر دلالت کرتے کہ حمل لڑکے کا ہے تو مہینوں کے غور و خوض کے بعد حمل کے چھٹے یا ساتویں مہینے پیشینگوئی فرما دیتے کہ میرے یہاں لڑکا متولد ہوگا چونکہ اس پیشین گوئی کے وقت لڑکے کا نام بھی تجویز کر لیتے تھے اس لئے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کرتے کہ اس کا نام یہ ہوگا اس کے بعد اگر حسب مراد لڑکا پیدا ہوتا تو اس پر اتراتے اور اس پیشین گوئی کو اپنے معجزات کی فہرست میں درج کر لیتے۔ قادیانی مجدد کے یہاں دوسری بیوی کے بطن سے جتنے لڑکے بھی متولد ہوئے اُن کی پیدائش کی پیشین گوئیاں یہی حیثیت رکھتی ہیں۔ گو بعض اوقات پیشین گوئی کے خلاف لڑکے کی جگہ لڑکی بھی پیدا ہو جاتی تھی تاہم ہر ایک کی ولادت کی اطلاع مرزا صاحب کا ایک نشان یا معجزہ تھا چنانچہ خود لکھتے ہیں۔ پھر ایک اور نشان یہ ہے کہ جو یہ تین لڑکے جو موجود ہیں ہر ایک کے پیدا ہونے سے پہلے اُس کے آنے کی خبر دی گئی ہے چنانچہ محمود جو بڑا لڑکا ہے اس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی مع محمود کے نام کے موجود ہے جو پہلے لڑکے کی وفات کے بارے میں شائع کیا گیا تھا۔ جو رسالہ کی طرح کئی ورقوں کا اشتہار سبز رنگ کے ورقوں پر ہے اور بشیر جو درمیانی لڑکا ہے اس کی خبر ایک سفید اشتہار میں موجود ہے جو سبز اشتہار کے تین سال بعد شائع کیا گیا تھا اور شریف جو سب سے چھوٹا لڑکا ہے اس کے تولد کی نسبت پیش گوئی ضیاء الحق اور انوار الاسلام میں موجود ہے۔ اب دیکھو کہ کیا یہ خدائے عالم الغیب کا نشان نہیں ہے کہ ہر ایک بشارت کے وقت میں قبل از وقت وہ بشارت دیتا رہا ہے۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۵) مرزا محمود احمد صاحب ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ (دیکھو مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۹۳) اس سے ٹھیک چھ مہینے پہلے مرزا صاحب نے اپنے ایک اشتہار میں جو ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو شائع کیا تھا لکھا کہ "خدائے تعالیٰ نے ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا ہے جس کا نام محمود احمد ہوگا اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا" (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۲۰) جب کبھی اس قسم کی پیشین گوئی پوری ہوتی تو الہامی صاحب کو پروپیگنڈا کرنے اور اپنے "معجزات" کا سکہ بٹھانے کی ایک اچھی دستاویز ہاتھ آجاتی تھی چونکہ دکانداری کا سارا مدار پروپیگنڈا بازی پر تھا اس لئے الہامی صاحب اس قسم کے سبب کو صرف ایک آدھ دفعہ استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ اس سے بار بار کام لیتے تھے مثلاً اسی مرزا محمود کی ولادت کی پیشین گوئی ہی کو لیجئے ۵ مارچ ۱۸۹۶ء کے اشتہار میں بھی اس پر تفخر و مباہات کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ پانچویں پیش گوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا اور اس پیشگوئی کی اشاعت کیلئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے

جو اَب تک موجود ہیں اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے چنانچہ وُہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہُوا اور اَب نویں سال میں ہے۔
(تبلیغ رسالت جلد ۶ ص ۶۰) اسی طرح دوسری کتابوں اور اشتہاروں میں بھی یہی پیشین گوئی درج کر کے کوس اَنا و لاغیری بجایا ہے۔

باب ۵۱۔ اخذ بیعت کا عام اعلان

حضرت مُجدّد صاحب گرگٹ کی طرح ہر موسم میں رنگ بدلتے رہتے تھے شروع شروع میں تو عرصہ تک بیعت کو لغو اور بے معنی چیز بتاتے رہے۔ چنانچہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب سیرۃ المہدی میں لکھتے ہیں کہ جب کبھی بیعت اور پیری اور مریدی کا تذکرہ ہوتا مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو خود سعی و محنت کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا مولوی محبوب علی صاحب اس سے کشیدہ ہو جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بیعت کے بغیر راہ نہیں ملتی۔" (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۲۵۳) اس کے بعد الہامی صاحب نے خود اس شجرۂ ممنوعہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور انفرادی حیثیت سے لوگوں سے بیعت لینے لگے پھر کچھ عرصہ کے بعد وُہ دور آیا جبکہ قادیانی صاحب نے لوگوں کو اپنی بیعت کی عام دعوت دی۔ مرزا صاحب نے اس قسم کی عام بیعت پہلی مرتبہ ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۲۰ رجب ۱۳۰۶ھ کو لدھیانہ میں لی دعوت بیعت کے متعلق مرزا صاحب نے اشتہار بھی چھپوالئے (ایضاً ص ۱۶) ۱۸۸۹ء میں الہامی صاحب شیخ مہر علی رئیس ہوشیار پور کے لڑکے کی تقریب شادی میں ہوشیار پور گئے۔ اور اپنے ساتھ بیعت کے بہت سے اشتہار لیتے گئے۔ انہی دنوں ہوشیار پور میں مولوی محمود شاہ ہزاروی کا وعظ تھا جو پنجابی زبان کے نہایت شیریں مقال واعظ تھے خطبہ جمعہ سے پیشتر مرزا جی نے مولوی محمود شاہ کو اپنی بیعت کا اشتہار دیا اور ان سے درخواست کی کہ وُہ دوران وعظ میں میرا یہ اشتہار بیعت پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں۔ انہوں نے یہ اشتہار اپنے وعظ میں نوٹ پڑھ کر نہ سنایا البتہ جب اکثر لوگ منتشر ہو گئے تو اُس وقت موجودہ حاضرین کو پڑھ کر سنایا۔ صاحبزادہ بشیر احمد لکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو اس سے بہت رنج ہُوا اور فرمایا ہم اس کے وعظ کے خیال سے ہی اس کے لیکچر میں آئے تھے کہ ہماری تبلیغ ہو گی ورنہ ہمیں کیا ضرورت تھی۔" (ایضاً) اس کے کچھ دنوں بعد جب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو لدھیانہ میں از سرِ نو اخذ بیعت کی طرح ڈالی سب سے پہلے حکیم نور الدین نے بیعت کی تھی۔" (ایضاً ص ۱۴)

باب ۵۲۔ علی گڑھ کا سفر اور اپنی عجز بیانی پر پردہ ڈالنے کی کوشش

۱۸۸۹ء میں الہامی صاحب علی گڑھ گئے۔ میر عباس علی لدھیانوی اور شیخ حامد علی ساتھ تھے سید تفضل حسین سپرنٹنڈنٹ دفتر ضلع کے مکان پر ٹھہرے۔ ایک تحصیلدار نے دعوت کی کھانے کے لئے میزیں لگائی گئیں۔ لوگ کرسیوں پر بیٹھ کر میزوں کے اردگرد بیٹھ گئے۔ جا بجا کانچ کے گلاسوں میں گلدستے رکھے ہوئے تھے میر صاحب نے شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر کو دیکھا ہُوا تھا اور جانتے تھے کہ اہل اللہ سنّت نبوی کے اتباع میں کس طرح بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ جب کھانا شروع ہُوا تو میر عباس علی نے جو اس وقت تک مرزا صاحب کو بڑا دیندار راہ رباخدا بزرگ سمجھے بیٹھے تھے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا بلکہ خاموش بیٹھے رہے۔ قادیانی صاحب نے کہا میر صاحب! آپ کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے کہا حضرت، یہ طریقہ سنّت کے خلاف ہے اور نصاریٰ کے طریقے کی پیروی ہے مرزا صاحب نے کہا کہ اس میں کچھ قباحت نہیں۔ میر صاحب نے کہا کہ میرا جی نہیں مانتا۔ مرزا صاحب نے فرمایا میر صاحب!

آخر ہم جو کھاتے ہیں۔ میر صاحب نے کہا آپ شوق سے کھائیے میں تو نہیں کھاتا۔ غرض میر صاحب نے کچھ نہ کھایا (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص۶۲) اور شاید یہ پہلا دن تھا جب کہ میر صاحب کے دل سے میرزا صاحب کی بزرگی کا اعتقاد اُٹھ گیا۔

وعدہ خلافی اور الہام کی حیلہ گیری

چونکہ مرزا صاحب اپنی بے پناہ اشتہار بازی کے بدولت آسمانِ شہرت پر چمک رہے تھے، مسلمانانِ علی گڑھ کو شوق ہُوا کہ صداقتِ اسلام پر ان کی تقریر سنیں۔ مرزا صاحب سے درخواست کی گئی اور انہوں نے منظور کر لی۔ اس منظوری کے بعد لیکچر کا اعلانِ عام کر دیا گیا۔ جب طیّاری مکمل ہو گئی تو الہامی صاحب سیّد تفضّل حسین سے فرمانے لگے کہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہُوا ہے کہ میں لیکچر نہ دوں" حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب بھلے بُرے کاغذی گھوڑے تو دوڑا لیتے تھے لیکن تقریر و بیان کے جوہر سے عاری تھے۔ اور ان کا معمول تھا کہ گھر میں اطمینان سے بیٹھ کر کتابوں کی مدد سے لیکچر لکھ لیتے اور اپنی طرف سے کسی کو کھڑا کر کے پڑھوا دیا کرتے تھے لیکن اس موقع پر معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اچانک فرمائش کر دی ہوگی اور الہامی صاحب نے اس چیز کو ذہن نشین رکھے بغیر کہ کتابیں جن کی مدد سے مضمون طیار کیا جاتا سفر میں ناپید ہیں وعدہ کر لیا لیکن اس کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہُوا تو اغتناہی الہام کا حیلہ کر کے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا۔ اور اگر ایسا نہ کرتے تو خطرہ تھا کہ جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ قوتِ بیان سے عاری ہیں تو بنی بنائی عزت خاک میں مل جائیگی۔ سیّد تفضّل حسین جو اس وقت تک قادیانی صاحب سے بہت کچھ حسن عقیدت رکھتے تھے عرض پیرا ہوئے حضور! اب تو سب کچھ ہو چکا ہے اس لئے اگر آپ انکار کرینگے تو بڑی ذلّت ہوگی"۔ مرزا صاحب نے فرمایا خواہ کچھ ہو ہم تو خدا کے حکم کے مطابق کریں گے"۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی باصرار تمام کہا کہ آپ ضرور تقریر کریں۔ لیکن ایک نہ سُنی اور کہا کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں خدا کے حکم کو چھوڑ دوں۔ غرض لیکچر نہ دیا۔ اور قریباً ایک ہفتہ علیگڑھ میں قیام فرما کر لدھیانہ کو مراجعت فرما ہوئے (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۶۵)

انتقامی جذبہ

جب علی گڑھ میں مرزائی تقریر کے متعلق لوگوں کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں تو مولوی اسماعیل صاحب علی گڑھی کے کسی ملاقاتی ڈاکٹر جمال الدین کے منہ سے نکل گیا کہ مرزا صاحب علمی قابلیت سے محروم ہیں۔ اور اپنی عجز بیانی اور خوفِ امتحانی کی وجہ سے تقریر سے انکار کر دیا ہے'۔ یہ سُن کر مجدد صاحب مارِ دُم بُریدہ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے اور اس کا غصّہ مولوی اسماعیل صاحب کو ہدفِ دُشنام بنا کر اُتارا۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد جب مرزا صاحب نے رسالہ "فتح اسلام" تالیف کیا تو اس میں مولوی صاحب کے خلاف ان الفاظ میں دریدہ دہنی اور زہر چکانی کی "رہی یہ بات کہ آپ کی عالمانہ عظمت اور ہیبت سے میں ڈر گیا ہوں۔ تو اس کے جواب میں آپ یقیناً سمجھیں کہ جو لوگ تاریکی اور نفسانی ظلمتوں میں مبتلا ہیں اگر وہ دنیا کے تمام فلسفہ اور طبعی کے جامع بھی ہوں تب بھی میری نگاہ میں ایک مرے ہوئے کیڑے سے اُن کی زیادہ وقعت نہیں۔ مگر آپ اُس مرتبۂ علم کے آدمی بھی نہیں۔ صرف پُرانے خیال کے ایک خشک مُلّا ہیں اور وہی کمینگی

جو نارِیک خیال ملاؤں میں ہوا کرتی ہے آپ کے اندر موجود ہے اور آپ کو یاد رہے کہ اکثر میرے پاس ایسے محقق اور جامع فنون اور معلومات وسیع رکھنے والے آتے اور اسرار و معارف سے فائدہ اُٹھاتے رہتے ہیں کہ اگر میں اُن کے مقابل پر آپ کو طفل مکتب بھی کہوں تو اس قدر کلمہ سے بھی آپ کو وہ عزت دُوں گا جس کے آپ مستحق نہیں (رسالہ "فتح اسلام" مولفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۷)

بیٹے کو باپ کی علمی بے بضاعتی کا اعتراف

الہامی صاحب کے منجھلے صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب ایم اے "سیرۃ المہدیؑ" میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود ظاہری کسبی علوم کے لحاظ سے کوئی بڑے عالموں میں سے نہ تھے۔ اور نہ علم مناظرہ میں آپ کو کوئی خاص دسترس تھی۔ بلکہ شروع شروع میں تو آپ پبلک جلسوں میں کھڑے ہو کر تقریر کرنے سے بھی گھبراتے تھے اور طبیعت میں حجاب تھا مگر جب آپ کو خدا نے اس مقام پر کھڑا کیا تو آپ کے اندر وہ قابلیت پیدا ہو گئی کہ آپ کے ایک ایک وار سے دشمن کی کئی کئی صفیں کٹ کر گر جاتی تھیں۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۱۱۰) - اس تحریر میں میاں بشیر احمد صاحب نے یہ حقیقت تو تسلیم کر لی کہ اُن کے والد محترم قوت بیان و تقریر سے محروم اور علمی استعداد میں کورے تھے۔ اس کے ساتھ ہی میاں بشیر احمد اس کے بھی مدعی ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد ان کے والد میں ایسی غیر معمولی استعداد ودیعت کی گئی کہ ان کے ایک ایک وار سے دشمن کی کئی کئی صفیں کٹ کر گر جاتی تھیں"۔ لیکن میاں بشیر احمد صاحب نے اس مضحکہ خیز منطق کی کوئی دلیل پیش نہیں کی اور اگر کوئی دلیل پیش کی ہے تو یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک ہندوستانی سخن طراز مولوی قادیاں آیا (پنجاب میں اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ کے باشندوں کو ہندوستانی کہتے ہیں راقم) اور حضرت مسیح موعود کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں ایک جماعت کی طرف سے نمائندہ ہو کر آپ کے دعوے کی تحقیق کرنے آیا ہوں۔ پھر اس نے اختلافی مسائل کے متعلق گفتگو شروع کی۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود نے کچھ تقریر فرمائی۔ وہ آپ کی بات کو کاٹ کر کہنے لگا کہ آپ کو مسیح اور مہدی ہونے کا دعوے ہے لیکن آپ تو الفاظ کا تلفظ بھی اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے۔ یہ سُن کر مولوی عبد اللطیف کابلی نے (جو بعد کو بجرم ارتداد کابل میں سنگسار ہوا۔ راقم) جھگڑنا شروع کر دیا (ایضاً جلد ۲ ص ۵۲) میاں بشیر احمد نے یہ واقعہ اس زمانہ کا لکھا ہے جبکہ ان کے والد امجد بقول ان کے اس مقام پر کھڑے کئے جا چکے تھے یعنی مہدی مسیح وغیرہ سب کچھ بن چکے تھے۔

باب ۵۳ - دعوائے مماثلت مسیحؑ کی لغویت

الہامی صاحب نے تقدس کی دکان کو فروغ بخشنے کے لئے اپنے دعووں اور تعلّیوں کا جو سلسلہ [illegible] طیار کیا تھا اس میں نبوت یا مسیحیت کی کوئی کڑی نہ تھی یہی وجہ ہے کہ "براہین" میں حضرت [illegible] حیات اور آمد ثانی کا اقرار کیا اور اپنے لئے مثیل مسیح ہونے کا منصب ہی کافی سمجھا۔

مرزا جی نے "براہین" میں اپنے مثیل مسیح ہونے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا تھا۔ "اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار اور انوار کے رُو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہیں۔ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدے اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے اور نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا۔ اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمد ہے اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ احمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتدا سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے" (براہین ص ۴۹۹)

مولوی محمد حسین بٹالوی کا تبصرہ مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے دعوائے مماثلت کے متعلق مرزا صاحب کو ۱۱ر مارچ ۱۸۹۱ء کی چٹھی میں لکھا کہ آپ کا یہ فرمانا کہ طبیعت اکثر دفعہ ناگہانی طور پر ایسی علیل ہو جاتی ہے کہ موت سامنے نظر آتی ہے" اور آپ کئی سال سے اسی حالت میں مبتلا ہیں۔ آپ کی یہ حالت آپ کے دعوائے مثیل مسیح کو توڑ رہی ہے مثل اور مثیل ہونے کے لئے ہمہ وجوہ اور پوری مشابہت کا ہونا شرط ہے اور آپ خود "براہین" کے صفحہ ۴۹۹ میں اس مشابہت تامہ کے مدعی ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ حال تھا۔ کہ وہ باذن اللہ مُردوں کو زندہ کرتے۔ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے۔ آپ کیسے مثیل مسیح ہیں۔ کہ اپنے آپ کو بھی اچھا نہیں کر سکتے۔ آپ کے مرید اور آپ خود اسی مزعومہ مشابہت تامہ کے پیش نظر آپ کی شان میں اشعار ذیل لکھ چکے ہیں ؎

سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ	تم مسیحا بنو خدا کے لئے
کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے	جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب	خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

مگر اپنا حال دیکھ کر آپ کو اور آپ کے مریضوں (یا مریدوں) کو اب یہ مصرع پڑھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ع مژدہ باد اے مرگ! عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے۔ میرے عزیز دوست! پہلے آپ اپنے لئے مسیح بنیں اور خود صحت حاصل کریں۔ پھر دوسرے بیماروں کے لئے مسیح ہونے کا دعوےٰ کریں اور اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ میں صرف رُوحانی مسیح ہوں۔ روحانی امراض کا علاج کرنے آیا ہوں۔ لہٰذا میرا خود بیمار رہنا دعوائے مسیحائی کے منافی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں آپ کو چاہیئے تھا کہ مشابہ مسیح کہلاتے مثیل ہونے کا دعوےٰ نہ کرتے۔ حالانکہ آپ فی الحقیقت مثیل مسیح ہونے کی کوشش میں آسمانی [illegible] کے بھی مدعی ہیں۔ ایسی حالت میں آپ یہی آسمانی نشان کیوں نہیں دکھاتے کہ خود مسیحا ہو [illegible] تندرست [illegible]

توانائی حاصل کر کے اس ایک کام کو ہی پورا کریں جو آپ کے ذمے مسلمانوں کا قرض چلا آتا ہے یعنی "براہین احمدیہ" کا اتمام اور رسالہ جات "سراج منیر" وغیرہ کی اشاعت جن کے عوض میں آپ مسلمانوں سے ہزارہا روپیہ وصول کر چکے ہیں یہ آسمانی نشان دکھانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے تو آپ آسمانی نشان دکھلانے کے دعوے سے دست بردار ہو جائیں اور مثیل مسیح ہونے کے دعویٰ کی غلطی کا اعلان کر دیں حضرت مسیح علیہ السلام سے کسی خاص امر میں مشابہت ہے تو صرف شبیہ یا مشابہ کہلائیے اور قرآن مجید اور محاورات عرب کی طرف رجوع فرما کر غور کیجئے کہ مماثلت کے لئے مشابہت تامہ کا پایا جانا شرط ہے (اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ نمبر ۲ ص ۳۷۳)

مماثلت کن امور میں ثابت کرنی چاہیئے تھی؟

الہامی صاحب نے "براہین" میں جو وجوہ مماثلت لکھے ہیں وہ نہایت لغو ہیں۔ مشابہت و مماثلت تو ایسی صاف اور بیّن ہونی چاہیئے جس میں کسی کو چون و چرا کی گنجایش نہ رہے اور احمق سے احمق انسان بھی پہچان کر معاً تسلیم کرے چنانچہ خود مرزا صاحب "ایام الصلح" میں لکھتے ہیں "مماثلت کیونکر اور کس صورت سے ثابت ہو۔ مماثلت تو امور بدیہیہ اور محسوسہ اور مشہودہ میں ہونی چاہیئے تاکہ لوگ اُس کو یقینی طور پر شناخت کر کے اُس شخص مثیل کو شناخت کریں۔ کیا اگر آج ایک شخص مثیل موسیٰ ہونے کا دعوے کرے اور مماثلت یہ پیش کرے کہ میں روحانی طور پر قوم کا منجی ہوں اور نجات دینے کی کوئی محسوس اور مشہود علامت نہ دکھلا دے۔ تو کیا عیسائی صاحبان اس کو قبول کر لیں گے کہ درحقیقت یہی مثیل موسیٰ ہے (ایام الصلح ص ۵۸) اگر مرزا صاحب اس دعویٰ میں سچے تھے تو اُن کو چاہیئے تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مندرجۂ ذیل بدیہی خصوصیات میں اپنی مماثلت ثابت کرتے (۱) حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے (تحفہ گولڑویہ ص ۲۳) (۲) مسیح علیہ السلام نے مہد میں باتیں کیں (تریاق القلوب ص ۱۴۱) (۳) مسیح علیہ السلام صاحب شریعت وصاحب کتاب نبی تھے (ضمیمہ نصرت الحق ص ۱۸۸-۱۸۹) (۴) مسیح علیہ السلام نے باذن اللہ مُردے زندہ کئے (براہین احمدیہ ص ۴۳۲) (۵) مسیح کا نہ باپ تھا۔ نہ کوئی بیوی تھی۔ نہ بچہ تھا (ریویو اگست ۱۹۲۶ء صفحہ ۳۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی ظاہری اولاد نہیں تھی (الفضل ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۶) دُنیوی رشتوں کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی آل نہیں تھی (تریاق القلوب ص ۹۹) (۶) بقول مرزا صاحب عیسیٰ علیہ السلام ۳۳½ سال کی عمر میں صلیب پر چڑھائے گئے (تحفہ گولڑویہ طبع ثانی ص ۲۰۱)

قادیانی صاحب کس مسیح کے مماثل تھے؟

لیکن ہم اپنے مرزائی دوستوں کی خاطر سے تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ قادیانی صاحب مثیل مسیح تھے تاہم یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ وہ کس مسیح کے مثیل تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ اُس مسیح کے تو مثیل نہیں ہو سکتے۔ جس کے متعلق اُنہوں نے لکھا کہ "آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا کنجریوں (فاحشہ عورتوں) سے میلان اور صحبت بھی شاید اس وجہ سے ہو کہ جدّی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے [illegible] اپنے [illegible] کے پیروں پر ملے سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا آدمی کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے

(ضمیمہ انجام آتھم مؤلفہ مرزا غلام احمد صفحہ ۷) ہاں آپ (مسیح) کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔ مگر میرے نزدیک آپ کے یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵) کیا نہیں خبر نہیں کہ مردی اور رجولیت انسان کے صفات محمودہ میں سے ہے ہیجڑا ہونا کوئی اچھی صفت نہیں ہے جیسے بہرا اور گونگا ہونا کسی خوبی میں داخل نہیں۔ ہاں یہ اعتراض بہت بڑا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مردانہ صفت کی اعلیٰ ترین صفات سے بے نصیب محض ہونے کے باعث ازدواج سے سچی اور کامل حسن معاشرت کا کوئی عملی نمونہ نہ دکھا سکے (مکتوبات احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۰) اب مرزائی بتائیں کہ کیا ان کے مسیح موعود صاحب اُسی مسیح کے مثیل تھے جن کی دادیاں اور نانیاں (معاذ اللہ) زناکار تھیں اور کسبی عورتیں ان کے سر پر پلید عطر ملتی تھیں۔ اور انہیں کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی اور مردانہ صفت کی اعلیٰ ترین صفات سے بے نصیب تھے؟

باب ۴۵: مسیحؑ کے صلیب دیئے جانے میں یہود و نصاریٰ کی ہمنوائی

یہود اور نصاریٰ کا بیان ہے۔ کہ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا اور قتل کیا تھا لیکن خدائے ذوالجلال نے اپنے کلام پاک میں یہود و نصاریٰ کے اس زعم باطل کی تردید کی اور فرمایا۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (اور نہ یہود نے مسیح کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اشتباہ ہو گیا) لیکن اس ارشاد ربانی کے خلاف قادیاں کے خانہ ساز مسیح موعود کا یہ دعوےٰ تھا کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے۔ چنانچہ رسالہ "نزول المسیح" میں لکھتے ہیں کہ "حضرت مسیح بروز جمعہ بوقت عصر صلیب پر چڑھائے گئے۔ جب وہ چند گھنٹہ کی تکلیف اٹھا کر بیہوش ہو گئے اور خیال کیا گیا کہ مر گئے تو یک دفعہ سخت آندھی اٹھی (نزول المسیح ص ۱۸) اور "ازالہ" میں لکھا "مسیح کو تازیانے لگائے گئے اور جس قدر گالیاں سننا اور طمانچے کھانا اور ہنسی اور ٹھٹھے سے اڑائے جانا اس کے حق میں مقدر تھا سب دیکھا۔ تب یہودیوں نے مسیح کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر چڑھا دیا اور ہاتھوں اور پیروں پر میخیں ٹھونکیں (ازالہ اوہام طبع پنجم ص ۱۵۸۔ ۱۵۹) قادیانی صاحب ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو طعمۂ اجل ہوئے تھے۔ مرنے سے ایک دن پہلے انہوں نے احمدیہ بلڈنگ لاہور میں اپنی امت کو یہ مسیحیت نواز پیغام پہنچایا۔ تم خود غور کر کے دیکھ لو کہ دو ایسی مخالف قوموں کا جو ایک دوسرے کی سخت دشمن اور خون کی پیاسی ہیں اتفاق کسی ایسے امر میں بے معنی نہیں ہو سکتا۔ دیکھو یہود اور عیسائی دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح صلیب دیا گیا۔ پس صلیبی واقعہ کا ہم کیونکر انکار کر سکتے ہیں۔ تواتر سے جو بات ثابت ہو۔ اس کو ضرور ماننا پڑتا ہے" (اخبار ۲ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

مسیح قادیاں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے آہنین چنگل میں | لاہور میں یہ خبر آناً فاناً مشہور ہو گئی کہ قادیاں کے

خانہ ساز مسیح نے حسب مصداق کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ حضرت مسیح علیہ السلام کی مصلوبیت کا نصرانی عقیدہ علیٰ رؤس الاشہاد تسلیم کر لیا ہے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی ان دنوں لاہور آئے ہوئے تھے۔ ان ایام میں مولوی صاحب کی رگوں میں حمیت اسلامی کے ساتھ جوانی کا خون جوش مار رہا تھا۔ یہ اطلاع سن کر ضبط نہ کر سکے۔ اور سیدھے قادیانی صاحب کے قیام گاہ (واقع احمدیہ بلڈنگ لاہور) میں پہنچ کر پورے اسلامی جلال کے ساتھ باز پرس شروع کر دی۔ خود ساختہ موعود نے بہتیرے جتن کئے کہ کسی طرح یہ بلا ٹل جائے لیکن مولوی صاحب کی گرفت بہت سخت تھی کسی طرح نجات نہ ملی۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب نے یہ دریافت کیا تھا کہ کلام الٰہی کی اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَنْکَ (اے عیسیٰ بن مریم اس احسان کو بھی یاد کیجئے کہ میں نے بنی اسرائیل کو آپ پر قابو نہ پانے دیا) مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر کے تازیانے لگائے طمانچے مارے اور ہر ممکن سے ممکن رسوائی کے بعد آپ کو سُولی پر چڑھایا اور آپ کے ہاتھوں اور پیروں پر میخیں ٹھونکی گئیں تو خدائے ودود کا یہ احسان کیا معنی رکھتا ہے"۔ اس سوال پر قادیانی صاحب کا ناطقہ بند ہو گیا اور بجز دفع الوقتی کے چارۂ کار نہ دیکھ کر کہا کہ اس اعتراض کا کل جواب دیا جائیگا"۔ لیکن خوش قسمتی سے دوسرے دن راہیٔ ملک عدم ہو کر جواب کی تلخ ذمہ داری سے از خود مخلصی حاصل کر لی۔

قادیانی نے نصب صلیب کو کسرِ صلیب سے تعبیر کیا۔

مرزاجی کو اپنی صلیب شکنی کا بڑا گھمنڈ تھا۔ اس صلیب شکنی کے متعلق لاہور کے ایک مسیحی رسالہ "تجلی" نے کیا خوب لکھا کہ "دینی تحقیقات کے لحاظ سے دو باتیں ہیں جن کا تعلق اسلام کے ساتھ ہے اور وہ مرزاجی کی طرف منسوب ہو گئیں۔ ایک مسیح کا واقعی صلیب دیا جانا جس کا تذکرہ انجیل میں وضاحت سے آیا ہے۔ مرزاجی نے قرآن کی آیت مَاصَلَبُوْہُ (صلیب نہیں دی گئی) کی مزیدار تاویل کی اور اس کو صَلَبُوْہُ (صلیب دی گئی) قرار دے کر بڑے زور شور سے اس کی حمایت کی اور اسی پر اپنے تمام باطل دعووں کی بنیاد رکھی۔ مرزاجی نے مسیح کے صلیب دئے جانے کے عقیدہ کو اس درجہ تسلیم کیا کہ مَاصَلَبُوْہُ سے قطعی انکار کر کے اس کی ایسی تاویل کی کہ جس سے مائے نافیہ حرفِ زائد بن گیا۔ یہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان بہت بڑا اختلاف چلا آتا تھا۔ مرزاجی نے نادانستہ عیسائیوں کی حمایت میں اپنی ساری قوتِ تاویل صرف کر دی اور لطف یہ کہ وہی بات جسے عیسائی صلیب کا قائم کرنا سمجھتے ہیں مرزاجی نے اس کا نام کسر صلیب رکھ دیا اور مرنے سے ایک دن پہلے تک برابر اسی کے نصب و قیام میں مصروف رہے۔ لیکن ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ اس میں مرزاجی کی کوئی جدت تھی بلکہ یہ لفظ بہ لفظ وہی تحقیقات تھی جو سر سید مرحوم اپنی تفسیر میں بیان کر چکے تھے۔ اور اس میں قادیانی احمد نیچری احمد کا شاگرد رشید تھا" (تجلی لاہور)

قادیانی صاحب کے صلیبی عقیدہ پر [illegible] کا ہدیۂ تشکر و امتنان

جب مرزاجی نے حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے عقیدہ میں نصاریٰ کی ہمنوائی اختیار کی تو یہ بڑی ناسپاسی اور قدرناشناسی تھی۔ اگر مسیحی حلقوں سے مرزاجی [illegible] میں کوئی صدا بلند نہ ہوتی۔ اہل صلیب نے اپنے صحیح احساس و وجدان کا ثبوت دیا اور لاہور کے

مسیحی رسالہ تجلّی کے ایک نامہ نگار نے لکھا "میں کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ مسلمانوں کو اپنے سنہری جال میں پھانس کر ہمیشہ "خانۂ دوستاں بروب و در دشمناں مکوب" کے اصول پر کاربند رہے ہاں عیسائیوں کو ان کی ذات سے بہت فائدہ پہنچا کہ انہوں نے مسیح کے مصلوب ہونے کو قرآن سے ثابت کر دکھایا پس عیسائیوں پر جو نجات کے لئے مسیح کی صلیب کو ضروری خیال کرتے ہیں واجب ہے کہ مرزا جی کی اس صلیبی خدمت پر ان کے مرہون احسان ہوں کیونکہ مرزا جی حقیقی معنوں میں صلیب کے زبردست حامی تھے اور انہوں نے عیسائیوں کے خلاف جو کچھ لکھا وہ دراصل ان کے ذاتی خیالات نہیں تھے بلکہ دہریوں کے اعتراضات کو اپنی طرف سے پیش کر دیا تھا۔ پس وہ اس صلیب کی خاطر جسے انہوں نے فی الحقیقت نصب کیا نہ صرف مرزا صاحب کا قصور معاف کر سکتے ہیں بلکہ ہم اپنی طرف سے ان کی خدمت میں اس صلیب نوازی پر ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتے ہیں۔ اور ہماری رائے میں اظہار تشکر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پنجاب کے عیسائی چندہ کرکے خاص قادیاں میں ایک صلیب نصب کر دیں"

اجماعی عقیدہ کے منکر پر قادیانی لعنت

حضرات! آپ نے دیکھا کہ کس طرح قادیاں کے الہامی صاحب نے اسلام کے اجماعی عقیدہ کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی متابعت اختیار کی۔ حالانکہ خود قادیانی صاحب نے اپنی کتابوں میں اسلام کے اجماعی عقیدہ کے چھوڑنے والے کو ملعون قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں "گواہ رہو کہ میرا تمسک قرآن شریف ہے اور میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہوں جو چشمۂ حق و معرفت ہے اور تمام باتوں کو قبول کرتا ہوں جو خیر القرون میں باجماع صحابہ صحیح قرار پائی ہیں۔ نہ ان پر کوئی زیادتی کرتا ہوں۔ نہ ان میں کوئی کمی اور اسی اعتقاد پر زندہ رہوں گا اور اسی پر میرا خاتمہ اور انجام ہوگا اور جو شخص شریعت محمدی میں ذرہ بھر بھی کمی بیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدہ کا انکار کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو آمین (انجام آتھم مؤلفہ مرزا غلام احمد ص ۱۴۳)

باب ۵۵۔ سرسید احمد خاں علی گڑھی کی شاگردی

میں کتاب "ائمۂ تلبیس" میں "مرزائیت کے ماخذ اور اصول مذہب" کے عنوان سے لکھ آیا ہوں۔ کہ مرزا غلام احمد نے یہود، نصاریٰ، آریہ دھرم، مشبہہ، فلاسفہ، اہل نجوم، باطنی فرقہ، مہدویہ، بابیہ، بہائیہ اور نیچریہ کے کون کون سے اصول و عقاید اپنے مسلک میں داخل کئے؟ جن ملحدانہ مسائل میں الہامی صاحب نے نیچری مذہب کے بانی سرسید احمد خاں علی گڑھی کی شاگردی اختیار کی۔ ان میں ایک مسئلہ وفات مسیح علیہ السلام بھی ہے سرسید ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے وفات مسیح علیہ السلام کی رٹ لگائی تھی۔ جو حضرات اس کی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ "ائمۂ تلبیس" (ص ۵۰۶-۵۱۲) کا مطالعہ فرمائیں۔

"الفضل" کا اعتراف

خود مرزائی جریدہ "الفضل" قادیاں کو اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ سب سے پہلے سرسید نے وفات مسیح کا اعلان کیا چنانچہ "الفضل" نے ۲۰ مئی ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں لکھا "بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود نے آ کر کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے ان کی صداقت ثابت ہو سکے جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان

سے بہت پہلے سرسید وہی کچھ کر گئے ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے دعاوی کو قبول کرنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے اور ہم کیوں کریں؟ اس کے متعلق میں صرف یہی کہوں گا کہ اگر ایسے لوگ آنکھیں کان اور دل رکھتے تو اپنے کبھی یہ فیصلہ نہ کرتے۔ سب سے بڑا مسئلہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے سرسید کی تقلید میں بیان کیا ہے وہ وفات مسیح کا مسئلہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سرسید نے اس کا اعلان کیا اور بعد میں مرزا صاحب نے اسی کو پیش کر دیا لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سرسید نے جس رنگ اور جس طرز سے اس مسئلہ کا اقرار کیا ہے اس میں اور جس رنگ میں حضرت مسیح موعود نے اس کو صاف کیا ہے اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

الفضل نے جو کچھ لکھا ہے اس سے مجھے حرف بحرف اتفاق ہے۔ گو سرسید نے اپنے زور قلم سے مسیح علیہ السلام کو زمرۂ اموات میں داخل کیا لیکن ان سے یہ کوتاہی ہوئی کہ مسیح علیہ السلام کی جاں ستانی کے بعد آپ کو یوں ہی بے گور و کفن چھوڑے رکھا۔ آخر کئی سال کے بعد شاگرد نے عزم بالجزم کیا کہ جس کام کو اُستاد نے ادھورا چھوڑ دیا ہے اس کی تکمیل کی جائے۔ چنانچہ قادیانی صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کا مرقد تجویز کرنے کے لئے بھی جہاں گردی شروع کی۔ پہلے تو انہیں گلیل میں دفن کیا (ازالہ اوہام طبع پنجم ص ۱۹۷) پھر لو نے تین سال کے بعد ان کی نعش اطہر کو وہاں سے نکال کر طرابلس کے حدود میں دفن کیا چنانچہ لکھا کہ حضرت عیسیٰ کی قبر بلاد شام میں موجود ہے اور ہم زیادہ صفائی کے لئے اس جگہ حاشیہ میں اخویم حبی فی اللہ مولوی محمد السعیدی طرابلسی کی شہادت درج کرتے ہیں اور وہ طرابلس بلاد شام کے رہنے والے ہیں اور انہی کی حدود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے اور اگر کہو کہ وہ قبر جعلی ہے تو اس جعل کا ثبوت دینا چاہیئے اور ثابت کرنا چاہیئے کہ کس وقت یہ جعل بنایا گیا ہے اور اس وقت دوسرے انبیاء کی قبروں کی نسبت بھی تسلی نہیں رہے گی اور امان اُٹھ جائیگا اور کہنا پڑے گا کہ شاید وہ تمام قبریں جعلی ہی ہوں (اتمام الحجۃ مولفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۸ - ۱۹) حضرت مسیح علیہ السلام آٹھ سال تک طرابلس ہی میں مدفون رہے۔ آخر قادیانی صاحب نے ارادہ کیا کہ ان کے جسد اطہر کو طرابلس سے ہندوستان کے کسی مقام میں منتقل کر دیں۔ چنانچہ بہت کچھ غور و خوض کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ اسے سرینگر (واقع ریاست کشمیر) لا کر یوزآسف کی قبر میں سپرد خاک کر دیا جائے۔ چنانچہ یوزآسف کی قبر کھول کر اس کی بوسیدہ ہڈیاں باہر پھینک دی گئیں اور حضرت مسیح علیہ السلام یوزآسف کی خالی لحد میں لٹا دئے گئے۔ جب قادیانی مسیح نے اس کام سے فراغت پائی تو ۲۱ جون ۱۹۰۲ء کو رسالہ الہدیٰ شائع کیا جس کے صفحہ ۱۰۹ پر لکھا کہ قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ نے ملک کشمیر کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد اللہ نے انکو اپنے فضل سے نجات دی اور اس ملک میں بہت مدت تک بستے رہے حتیٰ کہ مر گئے اور مُردوں میں جا ملے اور آپ کی قبر شہر سری نگر میں اب تک موجود ہے۔

اس تفصیل کے بعد قارئین کرام بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ قادیانی صاحب نے جس رنگ میں مسئلہ وفات مسیح علیہ السلام کی گتھی کو سلجھایا سرسید کا دماغ وہاں تک نہ پہنچ سکا تھا۔

مسیح قادیاں سے ایک نیچری کا مناظرہ

جریدہ الفضل قادیاں نے ۳ مئی ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں لکھا کہ اگر بالفرض سرسید نے اسلام کی خدمت کی ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اس نے حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا کیونکہ اس کی تمام کوشش اور سعی جو اس نے اپنے خیال میں اسلام کے متعلق کی وہ اس کے ساتھ ہی اس کی قبر میں داخل ہو گئی۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس گفتگو کا ذکر کر دیا جائے جو ایک مرتبہ قادیاں کے خانہ ساز مسیح موعود سے کسی نیچری کی ہوئی تھی۔ چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرسید احمد خاں بہادر کے ایک مرید سے مرزا غلام احمد کی جھڑپ ہو گئی۔ دوران گفتگو میں قادیانی صاحب نے اپنی معتاد خود ستائی سے کام لیتے ہوئے نیچری سے کہا کہ تمہارے پیر و مرشد سرسید احمد خاں نے مدت العمر اسلام کی کیا خدمت انجام دی؟ کونسا اہم کام کر دکھایا؟ قوم کی کیا اصلاح کی؟ اس پیرو نے جواب دیا کہ سرسید نے یہ ایک نہایت یادگار کارنامہ انجام دیا کہ اپنی "تفسیر احمدی" میں مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کر کے آپ کی مسیحیت کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ یہ ایسا احسان ہے جس کے بارے سے آپ مدت العمر سبکدوش نہیں ہو سکتے۔" مرزا صاحب لاجواب ہو گئے اور بغلیں جھانکنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا (کلمہ فضل رحمانی صفحہ ۵۹) کہا جاتا ہے کہ قطب نما کا موجد اپنی ایجاد و اختراع سے مقامات کا رخ اور جہت معلوم کرنے کے سوا کوئی اور کام نہ لے سکا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد کسی اور شخص نے اس سے ہزارہا من بوجھ اٹھانے کا کام بھی لیا۔ اسی طرح سرسید احمد خاں بہادر نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کو زمرۂ اموات میں داخل کر کے صرف مغربیت زدہ ابنائے تعلیم جدید کی دلجمعی کی تھی لیکن رئیس قادیاں نے سرسید کی اس ایجاد سے بڑے بڑے کام لئے۔ اس بنیاد پر اپنی مسیحیت کی بلند عمارت کھڑی کی۔ اس کے ذریعہ سے لاکھوں روپیہ کمایا اور داد عیش و عشرت دی اور نہ صرف باپ دادے کے قرضے اتارے بلکہ اپنی اولاد کے لئے ایک ریاست قائم کر گئے۔

باب ۵۶ مولوی محمد حسین بٹالوی سے کشیدگی

میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ قادیانی صاحب مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی کے بچپن کے دوست اور ہم سبق تھے کیونکہ جس زمانہ میں مرزا صاحب کے والد حکیم غلام مرتضےٰ صاحب بٹالہ میں طب کرتے تھے انہی دنوں مرزا غلام احمد بھی کئی سال بٹالہ میں باپ کے ساتھ رہکر مولوی محمد حسین کی رفاقت میں تحصیل علم میں مصروف رہے۔ یہ ایک مسلم امر ہے کہ تقدس فروشی کی دکان کھولنے میں مولوی صاحب نے مرزا صاحب کی بڑی مدد کی تھی۔ گو مرزائیت کے فروغ دینے میں حکیم نورالدین کا اقتدار بھی بہت کچھ برروئے کار آیا لیکن اصل یہ ہے کہ اگر مولوی محمد حسین کا دست اعانت مرزا صاحب کی یاری نہ کرتا تو تقدس کا کاروبار حکیم نورالدین کی عون و نصرت کے باوجود مشکل چل سکتا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ان ایام میں اہل حدیث کی جماعت نے ہندوستان کے اندر نیا نیا جنم لیا تھا۔ یہ حضرات بعض اختلافی مسائل کی بنا پر حنفیوں سے بالکل منقطع ہو گئے تھے اور اس جماعت میں نیا نیا جوش اور ولولہ تھا۔ ان دنوں مولوی محمد حسین نے جو پنجاب کے علمائے اہل حدیث میں اعلم العلماء مانے جاتے تھے اور حکومت کی طرف سے بھی "شمس العلماء" کا خطاب ملا تھا "اشاعت السنہ" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کر رکھا تھا جس میں مسلک اہل حدیث کی تائید کی جاتی تھی اور پرجوش و اولوالعزم اہل حدیث اس رسالہ کی سرپرستی کو اپنا فرض ایمانی سمجھتے تھے۔ اور ہندوستان بھر میں مشکل

کوئی ایسا لکھا پڑھا اہل حدیث ہو گا جو اس رسالہ کا خریدار نہ ہو۔ چونکہ مرزا صاحب مولوی محمد حسین ہی کے ساختہ پرداختہ تھے اس لئے مولوی صاحب نے تہیہ کر لیا تھا کہ قادیانی صاحب کو سمک سے سماک تک پہنچا کے دم لینگے چنانچہ انہوں نے اپنے کثیر الاشاعت رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں مرزا صاحب کے حق میں وہ بے پناہ پروپگنڈا کیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں قادیانی صاحب کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا

پہلی بنائے مخاصمت ایک بٹالوی دوست نے خاکسار راقم الحروف سے بیان کیا کہ مرزا صاحب نے اعلان کیا تھا کہ میں نے سراج منیر کے نام سے ایک کتاب محاسن اسلام پر لکھی ہے اس کی طباعت پر چودہ سو روپیہ لاگت آئیگی۔ اور اپیل کی کہ اگر مجھے چودہ سو روپیہ عطا کئے جائیں تو میں اس کتاب کو چھپواؤں۔ لوگوں نے خوب چندہ دیا لیکن مرزا صاحب نے ایک خطیر رقم وصول کر لینے کے بعد بالکل خاموشی اختیار کر لی چونکہ براہین احمدیہ کی قیمیں بھی کھائے بیٹھے تھے اس لئے ایک مرتبہ مولوی محمد حسین نے سمجھایا کہ پہلے براہین کی رقمیں تمہارے ذمہ واجب الادا تھیں اب تم نے "سراج منیر" کا بھی چودہ سو روپیہ وصول کر کے چپ سادھ لی ہے۔ یہ بد معاملگی بدنامی کا باعث ہے۔ مرزا صاحب نے کچھ حیلے حوالے کر کے بات کو ٹالنا چاہا کسی قدر توقف کے بعد مولوی صاحب نے مکرر سمجھایا کہ جب لوگ رقمیں مدت سے دے چکے ہیں تو تم کتاب چھپوا کر لوگوں کی شکایت کیوں دور نہیں کر دیتے۔ یہ ایک دوستانہ ہمدردانہ مشورہ تھا لیکن الہامی صاحب نے اس کو بہت برا منایا اور فرط غیظ میں کہا میں نے تمہاری وساطت سے روپیہ نہیں لیا تھا جو تم خواہ مخواہ بیچ میں کود پڑے ہو۔ اور کہا کہ چندہ دینے والے تو خاموش ہیں اور تم تقاضے کئے جاتے ہو اور اگر ان لوگوں نے تمہیں اپنا وکیل مقرر کیا ہے تو اپنا وکالت نامہ دکھاؤ"۔ یہ ٹکا سا جواب سن کر مولوی صاحب کلیجہ مسوس کر رہ گئے اور مرزا صاحب سے قطع تعلق کر لیا۔ اس سے پیشتر سالہا سال سے مرزا صاحب کی عادت تھی کہ جب اور جہاں کہیں بٹالہ کی راہ سے جاتے مولوی محمد حسین صاحب کے پاس ایک آدھ دن ٹھہر کر منزل مقصود کا راستہ لیتے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے نسبتی بھائی یعنی مرزا محمود احمد صاحب کے ماموں ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب کا بیان ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے حضرت مسیح موعود کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قادیاں سے انبالہ چھاؤنی جاتے ہوئے آپ مع اہل و عیال کے مولوی محمد حسین صاحب کے مکان پر بٹالہ میں ایک رات ٹھہرے تھے اور مولوی صاحب نے بڑے اہتمام سے حضرت (مرزا) صاحب کی دعوت کی تھی۔" (ریویو للمہدی جلد ۲ ص ۹۶)

باب ۵ حکومت برطانیہ کے زوال کی ہشت سالہ پیشین گوئی

سچا ملہم بزدل نہیں ہوتا قادیانی صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں مامور اور مرسل من اللہ ہوں اور اپنی کتاب مواہب الرحمٰن ص ۶۶ میں لکھا کہ "مرسل کو خوف نہیں" مرزا صاحب کا یہ بیان حرف بحرف صحیح ہے کیونکہ جو جلیل القدر ہستی خداوند ذو الجبروت کی طرف سے بھیجی گئی ہو خدائی طاقت اور روح اس کی موید ہوتی ہے یہی وجہ تھی کہ انبیائے کرام علیہم السلام دنیا کی کسی ماسوی اللہ طاقت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے اور کلمۂ حق اور قول صدق سے کبھی دست برداری منظور نہ کی۔ گو باطل کا عفریت اپنی تمامتر دہشت ناکیوں کے ساتھ منہ کھولے سامنے کیوں نہ ہوتا تھا۔ قادیانی صاحب کی تعلیوں اور خودستائیوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا خدا کی خدائی (معاذ اللہ) ان کی مزعومہ عظمت شان کے سامنے ہیچ تھی لیکن ان کے حالات و واقعات زندگی پر نظر کی جائے تو ان کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ سلاسل و اغلال اور تختہ دار تو بڑی بات ہے اگر کسی درخت کا پتہ بھی ہلتا تھا تو سہم جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ کسی بڑی بلا نے آکر منہ کھول کر بنا یا یہاں مرزائی "شجاعت و بسالت" کا ایک مہتم بالشان کارنامہ قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

مرزائی الہام "دولت برطانیہ تا ہشت سال بعد ازاں آثار ضعف و اختلال"

جس طرح قادیانی مسیح کی مجلس میں علمائے حق کی غیبت اور عیب جوئی کا بابرکت مشغلہ جاری رہتا تھا اسی طرح قادیانی صاحب انگریز کی وفاداری کا راگ بھی الاپتے رہتے تھے لیکن باوجود اس مدحت سرائی کے اپنی خاص پرائیویٹ صحبتوں میں کبھی کبھار فرنگیوں پر بھی برس پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ الہامی صاحب نے ایک خاص رازداری کی گفتگو میں اپنے اخص الخاص چیلوں سے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ سلطنت برطانیہ بس آٹھ سال تک برسر عروج ہے۔ اس کے بعد نظام حکومت کے کل پرزے بگڑ جائیں گے اور ضعف و اختلال رونما ہوگا۔ الہام کے اصل الفاظ یہ تھے۔ "دولت برطانیہ تا ہشت سال بعد ازاں آثار ضعف و اختلال" لیکن اس الہام کو دُرِّ مکنون کی طرح پردۂ خفا میں مستور رکھا اور اتنی جرأت ہوئی کہ اپنے دوسرے الہاموں کی طرح اس کو بھی شائع کرتے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ الہامی صاحب کا ایک خاص مرید حامد علی نام کسی مسئلہ میں مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی سے چھیڑ خانی کر رہا تھا۔ اثنائے گفتگو میں وہ مولوی صاحب سے اس الہام کا بھی تذکرہ کر بیٹھا حالانکہ یہ ایک سربستہ راز تھا اور الہامی صاحب نہیں چاہتے تھے کہ اس کی بھنک اغیار کے کانوں میں پڑے کیونکہ اس الہام کا عام اعلان ان کی عمر بھر کی انگریز پرستی کو ملیامیٹ کر دیتا تھا۔ مولوی محمد حسین مرحوم نے اس مرزائی پیشین گوئی کا قصہ اپنے حلقۂ احباب میں چھیڑ دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا ہر جگہ چرچا ہونے لگا۔ یہ سوچ کر کہ شدہ شدہ یہ خبر ارباب حکومت کے کانوں تک بھی پہنچ جائے گی الہامی صاحب کے بدن پر مارے خوف کے لرزہ طاری ہو گیا۔ ہوش جاتے رہے اور فرط غم میں دست تأسف ملتے تھے کہ ہائے میں نے اس الہام کا انہوں سے کیوں ذکر کیا جو غیروں تک پہنچ گیا۔ چونکہ یہ الہام ہنوز کسی تحریر میں نہیں آیا تھا اس لئے مرزا صاحب نے فیصلہ کیا کہ بساط جرأت پر قدم رکھ کر اس سے بلطائف الحیل مکر جائیں۔ کیونکہ تسلیم کر لینے کی صورت میں انگریز بہادر کی نیلی پیلی آنکھوں کا ڈر تھا۔ اتنے میں کسی مرید نے بتایا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے یہ الہام اپنے ماہوار رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں شائع کر دیا ہے۔ یہ سن کر الہامی صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ عالم اضطراب میں تلافی کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ بڑی عجلت کے ساتھ "کشف الغطاء" نام ایک رسالہ خاص اس موضوع پر لکھ کر شائع کیا جس کے ٹائیٹل پیج پر بحروف جلی لکھا۔ "یہ مؤلف تاج عزت جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا کا واسطہ ڈال کر بخدمت گورنمنٹ عالیہ انگلشیہ کے اعلیٰ افسروں اور معزز حکام سے بادب گذارش کرتا ہے کہ براہ غریب پروری و کرم گستری اس رسالہ کو اول سے آخر تک پڑھا جائے یا سن لیا جائے۔"

مکر کر حکام کے عتاب سے بچنے کا عزم

الہامی صاحب نے مولوی محمد حسین کی مزعومہ شکایت کے جواب میں "کشف الغطاء" کے صفحہ ب پر لکھا کہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں اپنی عاجزانہ عرض گورنمنٹ پر ظاہر کروں کہ مجھے اس شخص کے ان خلاف واقعہ کلمات سے کس قدر صدمہ پہنچا ہے اور کیسے دردرساں زخم لگے ہیں۔ افسوس کہ اس شخص نے عمداً اور دانستہ گورنمنٹ کی خدمت میں میری نسبت نہایت ظلم سے بھرا ہوا جھوٹ بولا ہے اور میری تمام خدمات کو برباد کرنا چاہا ہے۔ اس دعوے کے میرے پاس پختہ وجوہات اور کامل شہادتیں اور گواہ موجود ہیں میں امید رکھتا ہوں کہ بوجہ اس کے کہ میں ایک وفادار خاندان سے ہوں جنہوں نے اپنے مال سے جان سے گورنمنٹ پر اپنی اطاعت ثابت کی ہے میری اس دردناک فریاد کو یہ محسن گورنمنٹ غور سے توجہ فرمائے گی اور جھوٹ بولنے والے کو تنبیہ کرے گی۔ دوسرا امر جو اسی رسالہ میں محمد حسین نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ گویا میں نے کوئی الہام اس مضمون کا شائع کیا ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کی سلطنت آٹھ سال کے عرصہ میں تباہ ہو جائے گی میں اس بہتان کا جواب بجز اس کے کیا لکھوں کہ خدا جھوٹے کو تباہ کرے میں نے ایسا الہام ہرگز شائع نہیں کیا میری تمام کتابیں گورنمنٹ کے سامنے موجود ہیں میں بادب گزارش کرتا ہوں کہ گورنمنٹ اس شخص

سے مطالبہ کرتے کہ کس کتاب یا خط یا اشتہار میں میں نے ایسا الہام شائع کیا ہے؟ اور مولوی محمد حسین صاحب کو مخاطب کر کے لکھا کہ آپ نے
ناحق بے ہیات بات بنا رکھی ہے کہ ہشت سالہ پیش گوئی ایسی تھی مگر آپ قانونی مواخذہ سے نہیں ڈرتے کیا آپ کی یہی دیانت ہے
کہ اس بارہ میں نہ آپ نے میری کوئی تحریر دیکھی اور نہ تقریر سنی۔ ناحق ایک غلط اور بے اصل خیال دل میں جما لیا میں آپ کو بطور نصیحت
کہتا ہوں کہ ضرور افتراؤں سے ڈرا کریں کہ یہ باتیں جو آپ کے منہ سے نکلتی ہیں آپ کے لئے سخت خطرناک ہیں میں گورنمنٹ کا ایسا
خیر خواہ ہوں کہ اگر آپ کے وجود اور آپ کے بزرگوں کے وجود میں کوئی شخص اس خیر خواہی کا نمونہ تلاش کرنا چاہے تو تضیع اوقات ہے"
(تبلیغ رسالت جلد ۴ ص ۵۴) حضرات آپ نے دیکھا کہ الہامی صاحب نے کس طرح حقیقت حال پر پردہ ڈالنے اور سچ کو جھوٹ بنانے کی
کوشش کی؟ کیا کوئی نیک آدمی اس حق پوشی کا ارتکاب کر سکتا ہے چہ جائیکہ ایسا شخص جو مجدد دفت اور عیسیٰ دوران ہونے کا مدعی
ہو اس کا مرتکب ہو۔

الہامی صاحب کی دوسری جسارت

الہامی صاحب نے مندرجہ بالا الفاظ میں کہ "نہ آپ نے کوئی میری تحریر دیکھی اور نہ تقریر سنی ناحق ایک غلط اور بے اصل خیال دل میں جما لیا" اپنے ہشت سالہ الہام کی اشاعت اور زبانی بیان دونوں کی
نفی کی ہے اور بالفاظ دیگر سرے سے اس الہام کے وجود ہی سے مکر گئے ہیں لیکن اس انکار کے بعد الہامی صاحب کو خیال آیا کہ گو
مولوی محمد حسین بارگاہ حکومت میں میری کوئی تحریر پیش نہیں کر سکیں گے لیکن احتمال ہے کہ کوئی زبانی شہادت پیش کر دیں اس لئے
ضرورت ہے کہ زبانی بیان سے بھی صاف الفاظ میں مکر جائیں۔ چنانچہ بطور پیش بندی "کشف الغطا" میں یہ بھی لکھ دیا "اور میں امید
رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ عالیہ محمد حسین کے اس فریب سے خبردار رہے کہ یہ شخص اپنے اس جھوٹے بیان کی تائید کے لئے یہ تدبیر نہ کرے کہ
اپنی جماعت اور اپنے گروہ میں سے ہی جو مجھ سے اختلاف مذہب کی وجہ سے دلی عناد رکھتے ہیں جھوٹے بیان گورنمنٹ تک پہنچا دے
اس شخص اور اس کے ہمخیال لوگوں کی میرے ساتھ کچھ آمد و رفت اور ملاقات نہیں تا میں نے ان کو زبانی کچھ کہا ہو"۔ (کشف الغطاء
مولفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲۸)

اس عبارت میں الہامی صاحب نے اپنے ہشت سالہ الہام کے زبانی بیان سے خاص طور پر انکار کیا ہے اور اس کے ناقل کو
دروغ گو قرار دیا ہے حالانکہ قادیانی صاحب نے یقیناً اپنے خاص مریدوں کے زمرہ میں اس الہام کا ذکر کیا تھا اور یہ کہ مولوی
محمد حسین مرحوم اپنے بیان میں بالکل سچے تھے مگر سچ کو جھوٹ ثابت کر دکھانا مسیح قادیانی کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ مولوی محمد حسین
کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہ تھا ناچار اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ چونکہ مسیح موعود صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور حکومت کو یقین دلایا کہ
مجھے ہرگز اس قسم کا کوئی الہام نہیں ہوا اور نہ میں نے اس کا کسی سے کوئی تذکرہ کیا بلکہ دشمنوں نے مجھ پر افترا پردازی کی ہے"۔
اس لئے حکومت کو مرزا صاحب کے بیان کی صحت اور مولوی صاحب کی غلط بیانی کا یقین ہو گیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس واقعہ
کو طاق نسیان پر رکھ دیا کیونکہ مرزا صاحب کے خلاف اس قسم کی کوئی تحریری شہادت موجود نہ تھی۔

باپ کے خلاف بیٹے کی شہادت

مرزا صاحب نے لباس تصنع پہن کر بہانگ دہل جو غلط بیانی کی اس پر برابر پچیس سال تک پردہ پڑا رہا
تا آنکہ ان کے منجھلے صاحبزادہ میاں بشیر احمد ایم اے نے شاید ۱۹۲۳ء میں کتاب سیرۃ المہدی کی
پہلی جلد شائع کر کے جھوٹ اور فریب کا پردہ چاک کر دیا اور مرزائی روایات سے ثابت کر دکھایا کہ مولوی محمد حسین اپنے بیان

میں صادق اور ان کے والد مرزا غلام احمد غلط گو اور حق پوش تھے۔ میاں بشیر احمد لکھتے ہیں "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حاجی عبدالمجید صاحب نے کہ ایک دفعہ جب "ازالہ اوہام" شائع ہوئی ہے حضرت لدھیانہ میں باہر چہل قدمی کے لئے تشریف لے گئے میں اور حافظ حامد علی ساتھ تھے راستہ میں حافظ حامد علی نے مجھ سے کہا کہ آج رات یا شائد کہا ان دنوں میں حضرت صاحب کو الہام ہوا ہے کہ "سلطنت برطانیہ تا ہشت سال بعد ازاں ایام ضعف و اختلال" خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس مجلس میں جس میں حاجی عبدالمجید صاحب نے یہ روایت بیان کی میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ میرے خیال میں یہ الہام اس زمانہ سے بھی پرانا ہے حضرت صاحب نے خود مجھے اور حافظ حامد علی کو یہ الہام سنایا تھا اور مجھے الہام اس طرح پر یاد ہے کہ "سلطنت برطانیہ تا ہفت سال بعد ازاں باشد خلاف و اختلال" میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ دوسرا مصرع تو مجھے پتھر کی لکیر کی طرح یاد ہے کہ یہی تھا اور ہفت کا لفظ بھی یاد ہے جب یہ الہام ہمیں حضرت صاحب نے سنایا تو اس وقت مولوی محمد حسین بٹالوی مخالف نہیں تھا۔ شیخ حامد علی نے اسے بھی جا سنایا۔ پھر جب وہ مخالف ہوا تو اس نے حضرت صاحب کے خلاف گورنمنٹ کو بدظن کرنے کے لئے اپنے رسالہ میں شائع کیا (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۶)

مرزا صاحب نے ضمیمہ کشف الغطاء میں مولوی محمد حسین مرحوم کی نسبت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ "ایسے منافق پر کیوں اعتبار کیا جاتا ہے کہ جو گورنمنٹ کو کچھ کہتا ہے اور مسلمانوں کے کان میں کچھ پھونکتا ہے۔" اور لکھا جبکہ یہ فاش جھوٹ اس نے اختیار کیا ہے تو کیونکر اطمینان ہو کہ جو دوسری باتیں گورنمنٹ تک پہنچاتا ہے اس میں سچ بولتا ہے۔ لیکن اب مرزائی انصاف سے بتائیں کہ مرزا صاحب کی اس تحریر کے بموجب منافق اور دروغ گو مولوی محمد حسین صاحب ہوئے یا کوئی اور؟

دام افتادوں کی دروغ بافی مندرجہ بالا سطور میں آپ پر یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو چکی ہوگی کہ قادیانی صاحب اپنے ہشت سالہ الہام سے قطعاً مکر گئے تھے۔ جب کبھی الہامی صاحب پر الہام سے مکر جانے کا اعتراض ہوتا ہے تو مرزائی گم کردگان راہ ان کی طرف سے کچھ لنگڑی لولی صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ قاضی محمد یوسف پشاوری نام کسی مرزائی نے ۱۰۔ اگست ۱۹۳۵ء کے جریدہ "الفضل" قادیان میں لکھا کہ "حضرت مسیح موعود نے الہام سے انکار نہیں کیا بلکہ اس کی عام اشاعت اور اس کی تشریح سے جو مولوی محمد حسین نے کی تھی انکار کیا ہے۔"

مگر میں قاضی صاحب مذکور سے درخواست کرتا ہوں کہ از برائے خدا آنکھیں کھول کر اپنے مسیح کے الفاظ پر غور کرو اور عہد جاہلیت کی عصبیت چھوڑ دو۔ مولوی محمد حسین مرحوم نے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں ہرگز یہ نہیں لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد نے اپنا ہشت سالہ الہام شائع کیا ہے اگر مرزائیوں میں حوصلہ ہے تو رسالہ "اشاعۃ السنہ" سے مولوی صاحب کے یہ الفاظ نکال کر پیش کریں۔ ورنہ اس صریح دروغ گوئی پر کچھ شرم کریں۔ مولوی صاحب نے تو صرف یہ لکھا تھا کہ قادیانی کو اس مضمون کا ایک الہام ہوا ہے۔ اس کے جواب میں الہامی صاحب صاف مکر گئے۔ اور لکھنا شروع کیا کہ اگر مجھے ایسا الہام ہوا ہے تو میری کوئی تحریر پیش کرو۔ حالانکہ ہر کس و ناکس جانتا تھا اور جانتا ہے کہ مرزا جی اس خوف کی وجہ سے جس نے پچاس الماریاں کتابیں انگریز کی حمد و ثنا میں لکھوائیں ایسا الہام شائع کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ میں حضرات قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مرزا جی کی تحریر کو مکرر پڑھیں اور دیکھیں کہ الہامی صاحب نے تحریراً و تقریراً من کل الوجوہ اپنے ہشت سالہ الہام کی نفی کی ہے یا اس کا اقرار کیا ہے؟

کیا ہشت سالہ برطانوی زوال کی پیشین گوئی پوری ہوگئی؟ مسیح قادیاں کی الہامی زبان نے تعلقہ یاران سرپل

میں اپنی تمنائے دلی کی غمازی کرتے ہوئے زوال برطانیہ کا جو دلچسپ افسانہ سنایا اس کی تہ میں فی الحقیقت یہ جذبہ کارفرما تھا کہ برطانوی زوال کے بعد مرزائی ملوکیت و فرمان فرمائی کا دور دورہ ہوگا لیکن نہ دولت برطانیہ کو زوال آیا اور نہ مرزائی سلطنت کا خواب پریشان پورا ہو سکا بے شک ۱۹۱۸-۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ میں ایک بڑی حد تک امکان پیدا ہو گیا تھا کہ برطانوی سطوت سرنگوں ہو جائے لیکن اختتام جنگ کے بعد برطانوی اقبال و شوکت کو اور زیادہ ترقی نصیب ہوئی اور انگریزی اقتدار او حلقۂ اثر قبل از جنگ کی نسبت فزوں تر ہو گیا۔ پس قادیانی صاحب کی پیشین گوئی اور ان کے الہام کا معکوس اثر ظاہر ہوا یعنی تنزل کی جگہ ترقی و عروج ہوا۔

باب ۵۸۔ ڈاکٹر جگن ناتھ سے حکیم نور الدین کی شرط اعجاز نمائی

حکیم صاحب کی ہلاکت آفرین زود اعتقادی

کمزوری، خطا کاری اور غلط روی انسان کا خمیر مایہ ہے اس لئے کوئی بشر کمزوریوں سے خالی نہیں جہاں اطبائے ہند میں حکیم نور الدین کا شمار چوٹی کے طبیبوں میں تھا وہاں ان کے اندر یہ ہلاکت آفرین کمزوری بھی بدرجۂ اتم ودیعت تھی کہ انتہا درجہ کے خوش اعتقاد واقع ہوئے تھے۔ ان کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ جہاں کہیں کسی نے ڈفلی بجائی بچوں کی طرح بے سوچے سمجھے اس کی آواز پر اٹھ دوڑے۔ اوائل میں حنفی تھے جب ملک میں ترک تقلید کا ہنگامہ برپا ہوا تو معاً تقلید کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اہل حدیث بن گئے چند روز کے بعد سر سید احمد خاں بانی مدرسۃ العلوم علیگڈھ نے نیچریت کا علم زندقہ بلند کیا تو جھٹ اس کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد جب مرزا غلام احمد نے مرزائیت کے طبل تہی پر چوٹ لگائی تو سب سے پہلے لبیک کہتے ہوئے اٹھ دوڑے۔ غرض حکیم نور الدین نے کچھ اس قسم کا آوارہ اور عقیدت شعار دل پایا تھا کہ ہر سنت ہر صدا پر لبیک کہنے اور اس کی عظمت کے سامنے جھک جانے پر تیار رہتے تھے اور اس پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے تھے کہ سلف صالح کا مسلک حق کیا تھا مذہبی نقطۂ نظر سے الہامی صاحب اور حکیم صاحب بالکل ہم مذاق اور قادیانی دوکان آرائی کے رازہیں ایک دوسرے کے شریک تھے۔ گو حکیم صاحب کو بخوبی معلوم تھا کہ قادیانی الہام و وحی کا سرچشمہ کیا ہے تاہم حسن ظن اور خوش اعتقادی کا جوہر رکھتے تھے۔ اس لئے جب قیام جموں کے دوران میں قادیانی صاحب نے یہ کہنا شروع کیا کہ مجھے اعجاز نمائی کی قدرت بخشی گئی ہے تو اس پر بھی بمقتضائے طبع یقین کر لیا تھا قادیانی صاحب ۱۸۹۱ء سے پہلے تین چار مرتبہ جموں گئے تھے چونکہ وہ ہر مرتبہ اپنے معجزات اور نشانات کی ڈینگیں مارا کرتے تھے حکیم صاحب کو کامل وثوق تھا کہ جب کبھی ضرورت ہو گی اعجاز نمائی کی فرمائش کر دی جائے گی اور مرزا صاحب مقبولان بارگاہ کی طرح کوئی خارق عادت فعل دکھا دیں گے۔

حکیم نور الدین کا اقرار کہ مرزا جی مردہ زندہ کر دینگے

راجہ امر سنگھ پریسیڈنٹ کونسل ریاست ہائے متحدہ جموں و کشمیر کے عہد حکومت میں حکیم نور الدین کا طوطی بول رہا تھا۔ ان ایام میں ڈاکٹر جگن ناتھ سول سرجن جموں بھی جو حکیم نور الدین کی طرح راجہ صاحب کے معالج خاص تھے دربار میں بڑا رسوخ رکھتے تھے۔ ڈاکٹر جگن ناتھ آریہ خیالات کے پیرو تھے اور حکیم نور الدین سے ان کی کبھی مذہبی نوک جھونک بھی ہو جاتی تھی جن دنوں جموں میں مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت کا چرچا ہوا تو ایک دن ڈاکٹر جگن ناتھ نے حکیم صاحب سے از راہ مذاق کہا کہ اگر آپ کے مرزا صاحب واقعی مثیل مسیح ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت مسیح کی طرح مردے زندہ نہ کر دیں۔ حکیم صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بے ساختہ بول اٹھے "ہاں مرزا صاحب مردے زندہ کر سکتے ہیں"۔ ڈاکٹر جگن ناتھ ان کا مذاق اڑانے لگے۔ یہ سن کر حکیم صاحب کی رگ غیرت

جنبش میں آگئی اور کہنے لگے اچھا شرط باندھ لو۔ آخر یہ شرط ٹھہری کہ اگر مرزا صاحب مُردہ زندہ کر دکھائیں تو ڈاکٹر صاحب مع اہل و عیال احمدی (مرزائی) ہو جائیں گے اور اگر مردہ زندہ نہ کر سکیں تو حکیم صاحب پانچ ہزار روپیہ جرمانہ دیں گے"۔ مدت اعجاز نمائی شاید ایک مہینہ یا بیس روز رکھی گئی تھی۔ یہ قرارداد لکھی گئی اور اس پر تین صاحبوں کی شہادتیں ثبت ہوئیں (۱) خان بہادر غلام محی الدین خان جنرل ممبر کونسل جموں و کشمیر (۲) منشی سراج الدین احمد سپرنٹنڈنٹ و افسر ڈاکخانجات ریاست جموں (۳) سرکار سنگھ سکرٹری راجہ امر سنگھ صاحب پریسیڈنٹ کونسل۔

مرزا صاحب کے نام عرضداشت کہ جموں آ کر مردہ زندہ کر جایئے

جب اقرار نامہ مکمل ہو چکا تو حکیم صاحب نے الہامی صاحب کو لکھا کہ میں نے ڈاکٹر جگن ناتھ سے اس قسم کی شرط کی ہے آپ اس کے لئے جلد تشریف لایئے"۔ جب مرزا صاحب کو یہ چٹھی ملی تو سخت پریشان ہوئے کہ یہ ناحق کی مصیبت سر پر آ سوار ہوئی۔ سوچنے لگے کہ نجات کی کیا صورت ہے؟ چونکہ خود تشریف لے جانے میں اعجاز نمائی کا پول کھلتا تھا اس بنا پر وہاں جانے کی تو جرأت نہ ہوئی۔ البتہ ۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء کو مندرجہ ذیل چٹھی بھیجکر محض سخن تراشی کے بل پر سر سے بلا ٹالنی چاہی "مخدومی و مکرمی اخویم مولوی حکیم نور الدین صاحب سلمہ تعالیٰ۔ اس عاجز نے ارادہ کیا تھا کہ بلا توقف جناب الہی میں اس بارہ میں توجہ کروں لیکن دورہ مرض اور ضعف دماغ اور ایک امر پیش آمدہ کی وجہ سے اس میں تاخیر ہے اور امید رکھتا ہوں کہ جس وقت خدا تعالیٰ چاہے مجھے اس توجہ کے لئے توفیق بخشی جائیگی۔ اول حضرت احدیت جل شانہ سے اجازت لینے کے لئے توجہ کی جائے گی۔ پھر بعد اس کے بقیہ شرائط زریقین امر خارق عادت کے لئے توجہ ہوگی۔ یہ بات مسلم اور واضح رہے کہ راست باز انسان کے لئے ایسے امور کی غرض سے کسی قدر مجاہدہ ضروری ہے۔ الکرامات ثمرۃ المجاہدات۔ علالت طبع بہت ہرج انداز ہے اگر یہ مقابلہ صحت اور طاقت دماغی کے ایام میں ہوتا تو یقین تھا کہ تھوڑے دن کافی ہوتے۔ مگر اب طبیعت تحمل شدائد مجاہدات نہیں رکھتی۔ ادنیٰ درجہ کی محنت اور خوض اور توجہ سے جلد بگڑ جاتی ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کو طلب حق ہوگی تو وہ تین باتیں ضرور قبول کریں گے (۱) میعاد توجہ یعنی وہ میعاد جس کے اندر کوئی امر خارق عادت ظاہر ہونے والا پیش از وقوع بتلایا جاوے اس کے موافق ہو جو خداوند تعالیٰ ظاہر کرے (۲) جو امر ظاہر کیا جائے یعنی منجانب اللہ بتلایا جائے اس کی میعاد کی انتظار کریں جو منجانب اللہ مقرر ہو۔ ہاں میعاد ایسی ہونی چاہیئے جو معاشرت کے عام معاملات میں قبول کے لائق سمجھی گئی ہو۔ اور عام طور پر لوگ اپنے کاموں میں ایسی میعادوں کے انتظار کے عادی ہوں اور اپنے مالی معاملات کو ان میعادوں پر چھوڑتے ہوں یا اپنے دوسرے کاروبار ان میعادوں کے لحاظ سے کرتے ہوں۔ اس سے زیادہ نہ ہو۔ (۳) امر خارق پر کوئی ناجائز اور بیہودہ شرطیں نہ لگائی جائیں۔ بلکہ خارق عادت صرف اسی طور سے سمجھا جائے جو انسانی طاقتیں اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہوں۔ مگر یہ سب اس وقت سے ہوگا کہ جب پہلے اجازت الہی اس بارے میں ہو جائے" خاکسار مرزا غلام احمد (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۱۰۳)

حکیم صاحب کا دوسرا معروضہ

جب ۱۳ مارچ کی چٹھی جس میں مرزا صاحب نے سخن تراشی کی آڑ میں اعتراف عجز کیا تھا حکیم نور الدین کو ملی تو وہ سخت بدحواس ہوئے کیونکہ ڈاکٹر جگن ناتھ سے باقاعدہ شرط ٹھہر چکی تھی۔ اب حکیم صاحب نے نہ صرف اپنی طرف سے ایک نہایت تاکیدی خط مرزا صاحب کے نام لکھا بلکہ ڈاکٹر جگن ناتھ کی طرف سے بھی اسی شرط کے متعلق ایک چٹھی مرزا صاحب کے نام بھجوائی مگر یہاں حیلوں حوالوں کے سوا رکھا ہی کیا تھا۔ الہامی صاحب نے ان خطوط کے جواب میں بھی وہی "مرغی کی ایک ٹانگ"

والی مثل پر عمل کیا اور بتاریخ ۱۲ اپریل ۱۸۹۰ء حکیم صاحب کو ان دونوں خطوں کے جواب میں لکھا۔

"مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ڈاکٹر صاحب کا خط پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب ایسے امور کے دکھلانے کے لئے مجھے مجبور کرتے ہیں جو میرا نور قلب شہادت نہیں دیتا کہ میں ان کے لئے جناب الٰہی میں دعا کروں۔ گو یہ عاجز خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کو غیر محدود جانتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ ہر ایک قدرتی کام وابستہ باوقات ہے اور جب کسی امر کے ہوجانے کا وقت آتا ہے تو اس امر کے لئے دل میں جوش پیدا ہوجاتا ہے اور امید بڑھ جاتی ہے۔ اور اب ایسی باتوں کی طرف جو ڈاکٹر صاحب کا منشا ہے کہ کوئی مردہ زندہ ہوجائے یا کوئی مادرزاد اندھا اچھا ہوجائے پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اس بات کے لئے جوش پیدا ہوتا ہے کہ کوئی امر جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہو خواہ مردہ زندہ ہو یا زندہ مرجائے۔ ڈاکٹر صاحب نے خواہ نخواہ مردہ وغیرہ کی شرطیں لگا دی ہیں۔ اعجازی امور اگر ایسے کھلے کھلے اور اپنے اختیار میں ہوتے تو ہم ایک دن میں گویا تمام دنیا سے منوا سکتے ہیں لیکن اعجاز میں ایک ایسا امر مخفی ہوتا ہے کہ سچا طالب حق سمجھ جاتا ہے کہ یہ امر منجانب اللہ ہے اور منکر کو عذرات رکیکہ کرنے کی گنجائش بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دنیا میں خدائے تعالیٰ ایمان بالغیب کی حد کو توڑنا نہیں چاہتا۔ پس جب تک ڈاکٹر صاحب اصول ایمان کے مطابق درخواست نہ کریں میری نظر میں ایک قسم سے دو دفع وقت کرتے ہیں۔ خاکسار غلام احمد از لدھیانہ" (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۱۰۵)

راجہ امر سنگھ نے حکیم صاحب کو کیونکر نجات دلائی؟

جب دوسری چٹھی جس میں اعجاز نمائی سے صاف جواب تھا حکیم صاحب نے پڑھی تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ سخت سٹ پٹائے اور عالم افسردگی میں اپنی حماقت پر سخت متاسف ہوئے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اتنے میں مدت معہود بھی منقضی ہو گئی۔ ڈاکٹر جگن ناتھ نے رقم کا مطالبہ کیا۔ حکیم صاحب لیت و لعل کرنے لگے۔ ڈاکٹر نے سختی سے تقاضا شروع کیا اور جب دیکھا کہ حکیم صاحب ٹال مٹول اور دفع الوقتی سے کام لے رہے ہیں تو عمائد شہر اور اقرار نامہ کے گواہوں کو ایک مجلس میں جمع کیا۔ حکیم صاحب بھی بلائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے معاہدہ مجلس میں پڑھ کر سنایا اس کے بعد حکیم صاحب سے رقم کا مطالبہ کیا۔ حکیم صاحب بہت کچھ سخن طرازی سے کام لیتے رہے مگر کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ ڈاکٹر نے حکیم صاحب اور ان کے مثیل مسیح صاحب کا بُری طرح مذاق اڑایا اور آخر میں کہا کہ جب تک حسب قرارداد مرزا صاحب اکبر مردہ زندہ کر دکھائیں گے یا پانچ ہزار روپیہ جرمانہ ادا نہ کیا جائیگا پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ آخر یہ عبرت ناک مجلس برخاست ہوئی اور حکیم صاحب بصد ذلت و رسوائی واپس آئے۔ جب راجہ امر سنگھ کو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب پر خدا کی زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی ہے اور ڈاکٹر جگن ناتھ نے انہیں بُری طرح شکنجہ میں کس رکھا ہے تو ڈاکٹر صاحب کو بلا کر معاملہ رفع دفع کرا دیا اور معاہدہ لے کر چاک کر دیا لیکن حسن ظن اور خوش اعتقادی کا کمال دیکھو کہ اس واقعہ سے حکیم صاحب کے پائے عقیدت میں کوئی تزلزل نہ ہوا اور باوجودیکہ قادیانی صاحب کی وجہ سے سخت ذلت کا منہ دیکھنا پڑا پھر بھی حکیم صاحب نے ان سے تعلقات منقطع نہ کئے لیکن یاد رہے کہ مثیل صاحب بھی کچھ کم قدرشناس نہ تھے۔ انہوں نے حکیم صاحب کی استقامت کی خوب تعریف کی اور مریدوں کو حکم دیا کہ سب لوگ حکیم مولوی نورالدین کی "قوت ایمانی" کی مثال کا اتباع کریں۔" جب اس واقعہ کے قریباً پانچ مہینے بعد مرزا جی کی کتاب ازالہ اوہام شائع ہوئی تو اہل جموں اور دوسرے واقف کار اصحاب یہ دیکھ کر محو حیرت رہ گئے کہ الہامی صاحب نے اپنے ازالہ میں ڈاکٹر جگن ناتھ کی صورت واقعہ کو بالکل مسخ کر کے نہایت دیدہ دلیری سے الٹا ڈاکٹر صاحب کو ملزم گردانا ہے۔ چنانچہ مرزائی گوہر افشانی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں "مولوی نورالدین صاحب کے

اعتقاداور اعلیٰ درجہ کی قوت ایمانی کا ایک یہ بھی نمونہ ہے کہ ریاست جموں کے ایک جلسہ میں مولوی صاحب کا ایک ڈاکٹر صاحب سے جن کا نام جگن ناتھ ہے اس عاجز کی نسبت تذکرہ ہو کر مولوی صاحب نے بڑی قوت و استقامت سے یہ دعویٰ پیش کیا کہ خداتعالیٰ ان کے یعنی اس عاجز کے ہاتھ پر کوئی آسمانی نشان دکھلانے پر قادر ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے انکار پر مولوی صاحب نے ریاست کے بڑے بڑے ارکان کی مجلس میں یہ شرط قبول کی کہ اگر وہ یعنی یہ عاجز کسی مدت مسلمہ فریقین پر کوئی آسمانی نشان دکھلا نہ سکے تو مولوی صاحب ڈاکٹر صاحب کو پانچ ہزار روپیہ بطور جرمانہ دیں گے۔ اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے یہ شرط ہوئی کہ اگر انہوں نے کوئی نشان دیکھ لیا تو بلا توقف مسلمان ہو جائیں گے مگر افسوس کہ ڈاکٹر صاحب ناقابل قبول مجازی صورتوں کو پیش کر کے ایک حکمت عملی سے گریز کر گئے (ازالہ اوہام ص ۲۶۷)

مرزاجی کی غلط بیانی پر جموں میں غیظ و غضب کا طوفان

جب اہل جموں کو عموماً اور ڈاکٹر جگن ناتھ کو خصوصاً علم ہوا کہ قادیانی صاحب نے ازالہ میں فرار و گریز کا الٹا الزام ڈاکٹر کے سر تھوپ دیا ہے۔ تو جموں میں ہل چل مچ گئی اور حکیم صاحب اور ان کے خود ساختہ مثیل مسیح صاحب پر آوازے کسے جانے لگے حکیم صاحب نے پہلے ہی ہزار مشکل سے جان چھڑائی تھی۔ اور اگر راجہ صاحب نے مداخلت نہ کی ہوتی تو پانچ ہزار روپیہ کے دلدوز مطالبہ سے کسی طرح رہائی ہی ممکن نہ تھی لیکن اب بیچارے حکیم صاحب کے سر پر ایک نیا طوفان معاندت امنڈ آیا شہر کے رؤسا اور سرکاری عہدہ دار حکیم صاحب کے پاس جا جا کر حیرت سے پوچھنے لگے کہ تمہارے مرزا صاحب نے یہ کیا گوہر افشانی کی ہے؟ بیچارے حکیم صاحب سن کر بہت خفیف ہوتے لیکن ان کے پاس بجز اس کے اور کچھ جواب نہ تھا کہ مرزا صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے حکیم صاحب کو اس بات کا بڑا رنج تھا کہ مرزا صاحب نے ایک فتنۂ خوابیدہ کو ناحق بیدار کر دیا۔ ڈاکٹر جگن ناتھ نے حکیم صاحب سے کہا کہ لیجئے! پہلے تو میری طرف سے احیا موتیٰ کا مطالبہ تھا لیکن اب کہتا ہوں کہ مرزا صاحب بلا تخصیص کوئی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ نشان اور معجزہ بھی دکھا دیں گے تو میں اسی کو قبول کر لوں گا" اب حکیم صاحب نے مرزا صاحب کو چٹھی لکھی کہ پہلے ہی ہزار مشکلوں سے جان چھوٹی تھی۔ اب آپ نے ڈاکٹر جگن ناتھ پر الزام لگا کر ناحق بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہے۔ اور لکھا کہ اب ڈاکٹر کہتا ہے کہ مرزا صاحب جونسا بھی آسمانی نشان دکھا دیں گے میں اسی کو قبول کروں گا"۔ مرزا صاحب نے اپنے رسالہ "آسمانی فیصلہ" میں ان واقعات کو کسی قدر کتر بیونت کے بعد یوں لکھا "میرے مخلص دوست مولوی حکیم نورالدین صاحب ملازم و معالج ریاست جموں نے ایک عنایت نامہ، جنوری ۱۸۹۲ء کو اس عاجز کی طرف بھیجا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ پیر ذرا ایک عرضی خدمت میں روانہ کی تھی اس کے بعد یہاں جموں میں ایک عجیب طوفان بے تمیزی کی خبر پہنچی "ازالہ اوہام" میں حضور والا نے ڈاکٹر جگن ناتھ ساکن جموں کی نسبت ارقام فرمایا ہے کہ وہ گریز کر گئے۔ اب ڈاکٹر صاحب نے بہت سے ایسے لوگوں کو جو اس معاملہ سے آگاہ تھے کہا ہے کہ یہ بات سیاہی سے لکھی گئی ہے سرخی سے اس پر قلم پھیر دو۔ اور یہ کہ میں نے ہرگز گریز نہیں کیا اور نہ کسی نشان کی تخصیص چاہی۔ مردہ کا زندہ کرنا میں نہیں چاہتا اور نہ خشک درخت کا ہرا ہونا یعنی مرزا صاحب بلا تخصیص کوئی ایسا نشان دکھائیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ اب پھر ڈاکٹر صاحب نے نشان دکھانے کی خواہش ظاہر کی ہے "۔

اعجاز نمائی کے لئے یکسالہ انتظار کی پخ اور دوسری بے ہودہ شرطیں

اس کے بعد قادیانی صاحب لکھتے ہیں کہ آج ۱۱ جنوری ۱۸۹۲ء کو ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ایک خط بھیجا گیا کہ آپ بلا تخصیص کسی نشان دیکھنے پر سچے دل سے مسلمان ہونے کے لئے طیار ہیں تو پنجاب گزٹ سیالکوٹ، رسالہ انجمن حمایت اسلام

لاہور، ناظم الہند لاہور، اخبار عام لاہور اور نور افشاں لدھیانہ میں حلفاً یہ اقرار اپنی طرف سے شائع کردیں کہ اگر میں کوئی ایسا نشان دیکھوں جس کی نظیر مشاہدہ کرانے سے ہیں عاجز آجاؤں اور انسانی طاقتوں میں اس کا کوئی نمونہ تمام لوازم کے ساتھ دکھلا نہ سکوں تو بلا توقف مسلمان ہو جاؤں گا۔" اس اشاعت اور اس اقرار کی اس لئے ضرورت ہے کہ خدائے قیوم بازی اور کھیل کی طرح کوئی نشان دکھلانا نہیں چاہتا جب تک کوئی انسان پوری انکسار اور ہدایت یابی کی غرض سے اس کی طرف رجوع نہ کرے۔ چونکہ اس عاجز نے خدا تعالیٰ کے اعلام سے ایسے نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کے وعدے پر اشتہار دیا ہے سو وہی میعاد ڈاکٹر صاحب کے لئے قائم رہے گی۔ طالب حق کے لئے یہ کوئی بڑی میعاد نہیں۔" (آسمانی فیصلہ ص ۴۲-۴۳ تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۸۰)

کیا سید کونین نے بھی کوئی شرطیں لگائی تھیں؟

ڈاکٹر جگن ناتھ نے اس چٹھی کو قابل التفات نہ سمجھا اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کی یہ مستحق تھی۔ انکسار اور ہدایت یابی کی غرض اور قادیانی کے یک سالہ مجوزہ انتظار کے متعلق التماس ہے کہ ابوجہل اور دوسرے اعیان قریش نے انکسار اور ہدایت یابی کا ہرگز قصد نہیں کیا تھا بلکہ انہیں محض امتحان منظور تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست اعجاز نمائی کے بعد ایک سال تک انتظار کرنے کی بھی کوئی شرط نہ لگائی بلکہ معاً انگلی کے اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کرکے دکھا دیا۔ دونوں ٹکڑے زمین کی طرف آئے اور پہاڑ کی دونوں جانب سے ہو کر اپنی جگہ پر چلے گئے۔ اگر کسی مرزائی کو میری بات کا اعتبار نہ ہو تو وہ مرزا صاحب کی کتاب "سرمہ چشم آریہ" شروع سے اخیر تک پڑھ جائے۔ یہ کتاب معجزۂ شق القمر ہی کے ثبوت میں لکھی گئی تھی۔

باب ۵۹ تدبیروں کی نارسائی اور آسمانی منکوحہ سے مرزا سلطان محمد کی شادی

ایک مرتبہ حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا تھا۔ اِغْفِرْ وَارْحَمْ مِنَ السَّمَاءِ رَبَّنَا عَاج (ہمیں آسمان سے بخشدے اور رحم کر ہمارا رب عاجی ہے) مرزا صاحب نے ربنا عاج کا خود یہ ترجمہ کیا تھا کہ ہمارا رب عاجی ہے (براہین احمدیہ ص ۵۵۶) عاج لغت میں استخوان فیل یا گوبر کو کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ مرزا جی کا خدا جو ان پر وحی بھیجتا تھا ہاتھی دانت یا گوبر سے بنا ہے۔

عاجی خدا کا کوئی وعدہ سچا نہ نکلا

مرزا جی کے اس عاجی خدا نے ان سے بڑے بڑے وعدے کر رکھے تھے۔ اس نے کہہ رکھا تھا کہ محمدی بیگم تمہاری ہے ہم نے خود اس سے تمہارا نکاح باندھ دیا ہے۔ یہ بھی وحی کی تھی کہ ہمارے وعدہ کی سچائی میں شک نہ کرو اور یہاں تک بھی وعدہ کر رکھا تھا کہ شادی کی راہ میں جس قدر موانع ہوں گے میں ان سب کو دور کردوں گا۔ انہی وعدوں کے بھروسے پر بیچارے مرزا صاحب نے اس نکاح کو اپنے صدق یا کذب کا معیار بھی ٹھہرا رکھا تھا لیکن افسوس کہ عاجی خدا کے یہ تمام وعدے دھوکے کی ٹٹی ثابت ہوئے اور ۷ اپریل ۱۸۹۲ء کو پٹی ضلع لاہور کا ایک نوجوان مرزا سلطان محمد نام ملک کے عام رواج کے بموجب سہرے باندھ کر ایک شان وار برات کے ساتھ بڑے کر وفر سے ہوشیار پور پہنچا اور محمدی بیگم کو بیاہ لایا۔ تعجب تو یہ ہے کہ مرزا صاحب کے عاجی خدا نے آسمان پر تو محمدی بیگم کا نکاح مرزا صاحب سے باندھ رکھا تھا لیکن زمین پر وہ مرزا صاحب کے رقیب کے آغوش میں چلی گئی۔ حق دار کوئی تھا لیکن گیا کوئی ۔

میں منتظر وصال وہ آغوش غیر میں　　　قدرت خدا کی درد کہیں اور دوا کہیں

لیکن اس میں بیچارے مرزا صاحب کا کچھ قصور نہ تھا ساری شرارت تو ان کے عاجی خدا اور اس کے دست راست ٹیچی ٹیچی کی تھی جنہوں

نے جھوٹے وعدے کر کرکے بیچارے مرزا صاحب کی جگ ہنسائی کرائی اور خود پاس کھڑے ہنستے اور تماشہ دیکھتے رہے۔ کاش ان ظالموں کو مرزا صاحب پر کچھ رحم آیا ہوتا۔

نوحۂ فراق صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود صاحب شعر بھی کہتے تھے تخلّص فرخ تھا۔ ایک کاپی پر مندرجۂ ذیل اشعار ملے ہیں ؎

عشق کا روگ ہے کیا پوچھتے ہو اس کی دوا ٭ ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے
کچھ مزا پایا مرے دل! ابھی کچھ پاؤ گے ٭ تم بھی کہتے تھے کہ الفت میں مزا ہوتا ہے
ہائے کیوں ہجر کے الم میں پڑے ٭ مفت بیٹھے بٹھائے غم میں پڑے
اس کے جانے سے دل سے صبر گیا! ٭ ہوش بھی ورطۂ الم میں پڑے
سبب کوئی خداوندا بنا دے ٭ کسی صورت سے وہ صورت ملا دے
کرم فرما کے آ او میرے جانی ٭ بہت روئے ہیں اب ہم کو ہنسا دے۔

(سیرت المہدی حصہ اول ص ۲۰۰)

حضرت صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ایم اے نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے والدِ محترم نے یہ اشعار کس کے فراق میں کہے تھے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کو موت العمر محمدی بیگم کے سوا کسی کی یاد نے نہیں تڑپایا تو خیال ہوتا ہے کہ یہ رشحۂ قلم شاید اسی جدائی کے قیامت انگیز واقعہ کی تصویر ہوگی۔

باب ۶۔ پہلی بیوی کی تعلیق اور خانہ بربادی

الہامی صاحب کی پہلی بیوی کا نام حُرمت بی بی تھا۔ یہ ان کے حقیقی ماموں مرزا جمعیت بیگ کی صاحبزادی تھیں جو ایمہ ضلع ہوشیارپور کے رہنے والے تھے۔ رئیسِ قادیاں کے منجھلے بیٹے میاں بشیر احمد ایم اے نے کتاب سیرۃ المہدی کی دوسری جلد میں اپنے باپ کی پہلی شادی کا سال ۱۸۵۲ یا ۱۸۵۳ عیسوی لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی شادی کے وقت الہامی صاحب کی عمر صرف بارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ کیونکہ انہوں نے "کتاب البریّہ" میں اپنی ولادت ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں بتائی ہے۔

محترمہ حُرمت بی بی وہی بیکس مظلومہ ہیں جنہیں خانہ ساز مجدد نے محمدی بیگم کی خواستگاری کے ایام سے محض اس "جرم" میں معلقہ کر رکھا تھا کہ وہ اپنے برادر حقیقی مرزا علی شیر بیگ کو جو محمدی بیگم کے پھوپھا تھے اس بات پر کیوں مجبور نہیں کرتیں کہ وہ محمدی بیگم کے باپ مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری سے لڑ جھگڑ کر محمدی بیگم کا نکاح خود ساختہ مجدد صاحب سے کرا دیں۔ حالانکہ نہ یہ بیچاری حرمت بی بی کے بس کا روگ تھا اور نہ مرزا علی شیر بیگ صاحب ہی کی وہاں دال گلتی تھی کیونکہ محمدی بیگم قادیاں میں اپنے حقیقی ماموں مرزا امام الدین و نظام الدین کے قبضہ میں تھی جو مرزا غلام احمد صاحب کے عمزاد بھائی تھے۔ اور چونکہ الہامی صاحب نے ان سے سخت بگاڑ کر رکھا تھا اور ہمیشہ معاندانہ سلوک روا رکھتے تھے اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بھانجی الہامی صاحب کے نکاح میں جائے۔ اس کے علاوہ الہامی صاحب نے پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ یہ لڑکی ضرور میرے حبالۂ نکاح میں آئے گی کیونکہ آسمان پر اس سے میرا عقد ہو چکا ہے"۔ اس لئے مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین چاہتے تھے کہ اس پیشین گوئی کو پورا نہ ہونے دیں اور عملاً ثابت کر دیں کہ مرزا غلام احمد کو خدائے برتر کی طرف سے الہام

نہیں ہے بلکہ ان الہامات کا سرچشمہ وہی "ذات شریف" ہے جس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے اور ہر طرح سے گزند پہنچانے کا عہد کر رکھا ہے واقعی محمدی بیگم کے آسمانی نکاح کی اطلاع اگر منجانب اللہ ہوتی تو زمین و آسمان زیر و زبر ہو سکتے تھے مگر یہ نکاح نہیں ٹل سکتا تھا۔

بے دین اقربائے میل جول رکھنے کا الزام

ملہم قادیاں کے منجھلے صاحبزادہ میاں بشیر احمد ایم اے لکھتے ہیں کہ "مسیح موعود (مرزا جی) کو اول ہی سے مرزا فضل احمد کی والدہ (حرمت بی بی) سے جن کو لوگ عام طور پر "پھجے دی ماں" کہا کرتے تھے بے تعلقی سی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور اس کا ان کی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھی اس لئے حضرت مسیح موعود نے مباشرت ترک کر دی تھی (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۲۶)

میاں بشیر احمد صاحب نے اپنی سوتیلی ماں پر یہ الزام لگایا ہے کہ مسیح صاحب کے اقربا کی طرف جنہیں دین سے بے رغبتی تھی ان کا میلان تھا لیکن انہوں نے اس بے رغبتی کی شرح نہیں کی حالانکہ اقربا کی مزعومہ بے رغبتی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ بھی مجدد صاحب کو دوسرے مسلمانان عالم کی طرح ان کے دعووں میں راست گو نہ سمجھتے تھے مرزا صاحب کے خویش و اقارب کو جو فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کے پیرو تھے دین سے اعراض نہ تھا حاشا وکلا بلکہ خانہ ساز مجدد صاحب نے ہی اسلام کے شارع عام کو چھوڑ کر اور مومنوں کے منہاج قویم سے منہ موڑ کر دہریت اور بے دینی کی بلاخیز وادی میں جا بسیرا کیا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:-

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ (۴ : ۱۱۵)	جو کوئی امر حق ظاہر ہو جانے کے بعد رسول اللہ کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسرے راستے ہولے تو ہم اس کی رسی دراز کر دیں گے اس کے بعد اس کو جہنم داخل کریں گے جو نہایت برا ٹھکانا ہے

اور اگر بفرض محال مرزا صاحب کے قرابت داروں کو دین سے بے رغبتی تھی اور محترمہ حرمت بی بی کا ان کی طرف میلان تھا تو بھی ظاہر ہے کہ تمام لوگ مذہب کی طرف یکساں راغب نہیں ہوتے پس یہ کس دین و آئین کی تعلیم ہے کہ جن اقربا کو مذہب سے شغف و انہماک نہ ہو ان کا مقاطعہ کر دیا جائے اور اگر بیوی خدا اور اس کے برگزیدہ رسول کے احکام کے ماتحت اپنے اقربا سے قطع تعلق نہ کرے تو اس کو گھر سے نکال کر مدت العمر بیکسی اور کس مپرسی کے زندان میں ڈال دیا جائے؟ میاں بشیر احمد ایم اے کا یہ کہنا بھی انتہا درجہ کی دیدہ دلیری اور شرمناک غلط بیانی ہے کہ "والدہ سلطان احمد اپنے بے دین اقربا کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی" کیونکہ مظلومہ کے حقیقی بھائی مرزا علی شیر بیگ رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی محمود صاحب جالندھری نقشبندی قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ قاضی فضل احمد صاحب نے کتاب "کلمہ فضل رحمانی" میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں مرزا علی شیر بیگ جیسے باخدا لوگ کبریت احمر کا حکم رکھتے تھے اور چونکہ وہ ایک خدا شناس بزرگ تھے کلیجہ پر صبر کا پتھر رکھ کر خاموش رہ گئے اور بہن کی مظلومی کو قیامت کے دن احکم الحاکمین کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ ان کی جگہ کوئی دنیادار آدمی ہوتا تو مجدد صاحب کو قدر عافیت معلوم ہو جاتی۔ غرض ایسے فرشتہ خصال عارف باللہ کی پاک سرشت ہمشیرہ محترمہ پر دین سے معرض ہونے کا الزام لگانا اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کا دل عقوبت خداوندی کے جذبات سے بالکل بیگانہ ہو۔ اور اگر بفرض محال وہ ایسی ہی تھیں جیسا کہ ان پر بہتان باندھا گیا ہے تو اس حالت میں بھی بیوی کو معلقہ کر رکھنا اور کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دینا کہاں کی ایمانداری تھی؟ اگر مسیح صاحب اس جرم ناآشنا کو اپنے گھر میں آباد رکھنا نہیں چاہتے تھے تو ان کا مذہبی اور اخلاقی فرض تھا کہ دین مہر

دے کر آزاد کر دیتے۔ لیکن افسوس کہ انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ جس جرم بے دینی کے وہ خود مجرم تھے ان کے فرزند نے اندھا دُھند اس کا الزام اُلٹا مجدد صاحب کے اقربا اور ان کی بیکس بیوی کے سر تھوپ دیا۔

بیوی کے معلّقہ کر رکھنے کا جُرم

میاں بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ "والدہ نے فرمایا میری شادی کے بعد حضرت صاحب نے انہیں (پہلی بیوی کو) کہلا بھیجا کہ آج تک تو جس طرح (ظلم و جور) ہوتا رہا ہوتا رہا لیکن اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے اس لئے اب دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا تو میں گنہگار رہوں گا اس لئے اب دو باتیں ہیں یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیئے جاؤں گا۔ انہوں نے کہلا بھیجا" اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق لونگی بس مجھے خرچ ملتا رہے میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں"۔ اس کے بعد محمدی بیگم کا سوال اٹھا اور آپ کے رشتہ داروں نے مخالفت کر کے محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کرا دیا اور فضل احمد (اور مرزا سلطان احمد) کی والدہ نے ان سے قطع تعلق نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ رہی تب حضرت صاحب نے ان کو طلاق دے دی (سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ ۲۶) حضرات! مرزا بشیر احمد کی اس تحریر کا ایک ایک لفظ تصنع۔ ریا اور ملمع سازی سے ہمکنار ہے جب خانہ ساز مجدد صاحب کو اوائل ہی سے اس مظلومہ سے بے تعلقی تھی اور خدائے شدید العقاب کی سخت گیریوں سے بے خوف ہو کر تعلقات زناشوئی سے دست بردار تھے تو الہامی صاحب کا یہ کہنا کس درجہ ابلہ فریبی ہے کہ "میں نے دوسری شادی کر لی ہے اس لئے اب دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا تو میں گنہگار رہوں گا" اس کے یہ معنی ہوئے کہ الہامی صاحب دوسری شادی سے پہلے تو بیوی کے اخراج، خانہ بربادی اور ترک معاشرت کے مجرم اور گنہگار نہیں تھے البتہ اس وقت سے ان کی گنہگاری کا سلسلہ شروع ہوا جب دہلی سے نئی نویلی دلہن آ گئی لیکن یہ خیال سخت مہمل ہے جو شخص ایک منٹ کے لئے بھی اپنی منکوحہ سے بے اعتنائی برتتا ہے اور اسے فلاکت و بیکسی کے عالم میں چھوڑتا ہے وہ احکم الحاکمین کا مجرم شریعت حقہ کا چور ہے اور قیامت کے دن اس سے سخت بازپرس ہوگی۔

میاں بشیر احمد ایم اے کا بیان ہے کہ "مرزا صاحب والدۂ فضل احمد کی علیحدگی کے بعد نان و نفقہ دیتے رہے اور انجام کار ان کو طلاق دے دی"۔ لیکن یہ دونوں بیان سراپا غلط ہیں میاں محمد حسین صاحب ساکن راہوں نے جو مرزا علی شیر بیگ مرحوم کے مرید تھے لکھا کہ مرزا غلام احمد نے والدہ سلطان احمد و فضل احمد کو جو ہمارے ہادی و رہبر کی حقیقی ہمشیر ہیں طلاق نہیں دی تھی اور جب سے ان کی الہامی و آسمانی منکوحہ (محمدی بیگم) کا عقد مرزا سلطان محمد سے ہوا ان کو اپنے سے علیحدہ کر رکھا تھا۔ نہ کسی طرح کا کوئی تعلق رکھا اور نہ حکم شریعت کے بموجب نان نفقہ ہی دیتے تھے بلکہ مرزا سلطان احمد ہی اپنی والدہ کی ضروریات کے تادم واپسیں متکفل رہے اور صرف یہی نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد تو مرحومہ کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک نہ ہوئے"۔ (کلمۂ فضل رحمانی صفحہ ۱۲۲)

محترمہ حرمت بی بی حق فراموش شوہر کو خدا یاد دلاتی ہیں

جب خانہ ساز مجدد صاحب نے مرزا سلطان احمد مرحوم کی مادر محترمہ کو حکم دیا کہ وہ تمام اقربا سے منقطع ہو جائے تو اس عالی فطرت خاتون نے اپنے حق فراموش شوہر کو سمجھایا کہ یہ فعل صراحتہً شریعت حقہ کے خلاف ہے اس لئے نہ خود ایسا کرو اور نہ مجھے اس کے لئے مجبور کرو"۔ لیکن "مجدد" صاحب کو بھلا شریعت حقہ سے کیا واسطہ تھا؟ ایک نہ سُنی اور کہا کہ قرابت داروں نے محمدی بیگم کو دوسری جگہ بیاہ دیا ہے اس لئے اگر تمام رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کرو گی تو گھر سے نکال دوں گا"۔ یہ دیکھکر اس نیک نہاد خاتون نے انہیں خدا یاد دلایا اور کہا کہ دنیا کی زندگی حباب کا حکم رکھتی ہے

تم مجھ پر ظلم کر کے اپنے لئے خسران ابدی کے سامان مہیا نہ کرو لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور ان کو گھر سے نکال دیا۔ وہ بیچاری بے کسی کی چادر اوڑھ کر اپنے بھائی مرزا علی شیر بیگ مرحوم کے ہاں غربت و انفراد کے غم کدہ میں جا بیٹھیں حضرت "مجدد" صاحب کی یہ قساوت ظلم و بیداد کے خونخوار عفریت کی پرستش تھی جس نے عدل خداوندی اور شریعت مطہرہ کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا جن ایام میں الہامی صاحب نے اس نیک نہاد خاتون کو گھر سے علیحدہ کر کے محمدی بیگم کے آسمانی نکاح کی خاک اڑا رکھی تھی۔ ان دنوں مرزا سلطان احمد صاحب لاہور میں نائب تحصیلدار تھے لیکن اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۹۲ء میں جبکہ مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی ضلع لاہور محترمہ محمدی بیگم صاحبہ کو بیاہ کر پٹی ضلع لاہور لائے ہیں مرزا سلطان احمد صاحب شجاع آباد ضلع ملتان کے تحصیلدار تھے" (کلمۂ فضل رحمانی ص ۱۰۴) اس کے بعد خدائے برتر نے مرزا سلطان احمد صاحب کو بڑا عروج بخشا چنانچہ ۱۹۱۹ء میں جبکہ پنجاب میں مارشل لاکی بے آئینی کا ہنگامہ بپا تھا، خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ہمارے ضلع (گوجرانوالا) کے ڈپٹی کمشنر (کلکٹر) تھے۔

سوتیلی ماں اور ان کے والد کی توہین

آپ نے اوپر پڑھا کہ مرزا بشیر احمد ایم اے نے خان بہادر مرزا سلطان احمد مرحوم اور مرزا فضل احمد مرحوم کی والدہ محترمہ کو از راہ تحقیر "پھجے دی ماں" لکھا ہے۔ اسی طرح "سیرۃ المہدی" میں ان کے نانا مرزا جمعیت بیگ کے متعلق بیان کیا ہے کہ ان کے دماغ میں خلل تھا۔" تعجب ہے کہ میاں بشیر احمد صاحب نے ایسی بعید از کار باتیں لکھتے وقت بزرگوں کا ادب اور شرم و لحاظ کیوں محسوس نہ کیا؟ اصل میں بزرگوں کی توہین و بے ادبی مرزائیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور یہ وہ چیز ہے جو قادیانی "شریف" کو اپنے "مسیح موعود" سے ارثاً ملی ہے۔ محترمہ حرمت بی بی نو خیز والدہ بشیر احمد کی سوکن تھیں اس لئے ان کی توہین "قادیاں کے خاندانِ نبوت" سے کچھ بعید نہ تھی لیکن کم از کم مرزا جمعیت بیگ صاحب کو تو نظر انداز کر دیا ہوتا جو بشیر احمد صاحب کی اپنی دادی چراغ بی بی صاحبہ کے حقیقی بھائی تھے۔ اور اگر وہ کہیں کہ صاحب ہم تو ہمیشہ صاف گوئی سے کام لیں گے۔ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا لگی لپٹی رکھے بغیر حقیقت نفس الامر کا اظہار کریں گے تو میں ان سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے والد مکرم مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کیوں نہ لکھا کہ وہ مراقی تھے اور مرزا جمعیت بیگ کی طرح ان کے دماغ میں بھی خلل تھا؟

ایک پرانا مرزائی الہام

مرزا صاحب نے محمدی بیگم سے شادی کرنے کی الہامی پیشین گوئی کے متعلق لکھا تھا: "براہین احمدیہ میں بھی اس وقت سے سترہ برس پہلے اس پیشگوئی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو اس وقت میرے پر کھولا گیا۔ وہ الہام یہ ہے۔ یا آدم اسکن انت و زوجك الجنۃ یا مریم اسکن انت و زوجك الجنۃ یا احمد اسکن انت و زوجك الجنۃ اس جگہ تین جگہ زوج کا لفظ آیا ہے اور تین نام اس عاجز کے رکھے گئے پہلا نام آدم۔ یہ وہ ابتدائی نام ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس عاجز کو روحانی وجود بخشا اس وقت پہلی زوجہ کا ذکر فرمایا پھر دوسری زوجہ کے وقت میں مریم نام رکھا کیونکہ اس وقت مبارک اولاد دی گئی۔ جس کو حضرت مسیح سے مشابہت ملی تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا اور یہ لفظ احمد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت حمد اور تعریف ہوگی۔ یہ ایک چھپی ہوئی پیشین گوئی ہے جس کا سر اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھ پر کھول دیا" (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۴) ظاہر ہے کہ پہلی حرم نا آشنا بیوی جس کو مرزا صاحب نے گھر سے نکال دیا اور دائمی مفارقت اختیار کرلی جسب بیان میاں بشیر احمد مطلقہ ہو چکی پس مرزا صاحب کا الہام من گھڑت ثابت ہو گیا کیونکہ طلاق کے بعد مرزا صاحب سے اس کی آخرت میں کسی طرح رفاقت نہیں ہو سکتی خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مرزا صاحب اس بیوی کو معاذ اللہ بے دین قرار دے چکے تھے اور اس کے مقابلہ میں

ملت موحدین کے تمام علمائے حق نے مسیح صاحب کے زندقہ وارتداد کا فتویٰ دیا تھا پس الہامی صاحب کا یہ الہام بھی لغو اور من گھڑت ثابت ہوا

باب ۱۶ - رئیس قادیاں کا قدوم دہلی اور مولانا نذیر حسین کو دعوت مناظرہ

لدھیانہ میں ہزیمت و رسوائی کا جو دھبہ مرزا صاحب کے دامن عزت پر لگا اس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز دوسری جلد میں سپرد قلم ہوگی اس ہزیمت نے مریدوں میں بددلی کی لہر دوڑا دی تھی اس لئے قادیانی صاحب شب و روز اس دھیڑبن میں مصروف رہتے تھے کہ کسی طرح اس داغ رسوائی کو دھویا جائے۔ اسی کوشش میں انہوں نے مولوی محمد حسین کو مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کرنے کا چیلنج دیا تھا مگر مولوی صاحب رئیس قادیاں کی علمی بے مائیگی اور ان کی ترکیب مزاج سے واقف تھے انہوں نے اس چیلنج کو بصد اشتیاق لبیک کہا اور سارا مرزائی منصوبہ اس آندھی کے ایک ہی جھونکے سے خس و خاشاک کی طرح اڑ گیا۔ ادھر سے مایوسی ہوئی تو خیال آیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کریں اور یقین ہوا کہ گئی ہوئی وقعت وہیں جا کر واپس مل سکتی ہے کیونکہ وہاں مولوی محمد حسین کے استاد مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کو دعوت مناظرہ دی جائے گی تو وہ اپنی پیرانہ سالی اور مرزا کی نااہلی کے پیش نظر انہیں منہ نہ لگائیں گے اور مفت کی شہرت و ناموری حاصل ہو جائے گی۔ اس فیصلہ کے بموجب مرزا صاحب اواخر ستمبر ۱۸۹۱ء میں دہلی جا براجے۔

دہلی میں صور جنگ کی پہلی گرج

مرزا جی نے دہلی جا کر جو اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو شائع کیا وہ حسب زعم مرزائیاں توپ کا ایک گولہ تھا جس نے دہلی کی پرسکون فضا میں تلاطم برپا کر دیا۔ اس اشتہار کا اقتباس ملاحظہ ہو "اے برادران سکنائے دہلی! اس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابر علما میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی، ملائک کا منکر، بہشت و دوزخ کا انکاری اور ایسا ہی وجود جبرائیل اور لیلۃ القدر اور معجزات اور معراج نبوی سے بکلی منکر ہے۔ یہ الزام سراسر افترا ہے میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے اُن سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی اور مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعوٰی نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعوٰی ہے خلاصہ کلام یہ کہ میں محدث ہوں اور مامور من اللہ ہوں۔ چودھویں صدی کے لئے مسیح ابن مریم کی خصلت اور رنگ میں مجدد دین ہو کر آیا ہوں میں حضرت مسیح ابن مریم کو فوت شدہ اور داخل موتیٰ یقین رکھتا ہوں اور جو آنے والے مسیح کے بارے میں پیشگوئی ہے وہ اپنے حق میں یقینی اور قطعی اعتقاد رکھتا ہوں۔ چونکہ میں اس وقت اس شہر دہلی میں وارد ہوں اور افواہاً سنتا ہوں کہ اس شہر کے بعض علما جیسے حضرت سید مولوی نذیر حسین صاحب اور جناب مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی اس عاجز کی تکذیب و تکفیر کے درپے ہیں اور الحاد و ارتداد کی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے اتماماً للحجۃ حضرات موصوفہ کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ حیات مسیح ابن مریم کی نسبت مجھے انکار ہے اگر یہ دونوں حضرات مجھے مخطی خیال کرتے ہیں یا ملحد تصور فرماتے ہیں تو ان پر فرض ہے کہ عام خلائق کو فتنہ سے بچانے کے لئے اس مسئلہ میں میرے ساتھ بحث کریں بین شرطیں ہوں گی۔

(۱) امن قائم رہنے کے لئے وہ خود سرکاری انتظام کرا دیں یعنی ایک انگریز افسر مجلس بحث میں موجود ہو کیونکہ میں اپنی قوم کا مورد عتاب

ہوں (۲) بحث تحریری ہو۔ ہر ایک فریق مجلس بحث میں اپنے ہاتھ سے سوال لکھ کر اور اس پر اپنے دستخط کر کے پیش کرے (۳) بحث وفات حیات مسیح میں ہو"۔ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد ایک ہفتہ تک جواب کا انتظار کروں گا۔ اگر دونوں حضرات شرائط مذکورہ بالا کو منظور کر کے مجھے طلب کریں تو جس جگہ چاہیں میں حاضر ہو جاؤں گا"۔ (خاکسار غلام احمد قادیانی حال وارد دہلی بازار بلیماراں کوٹھی نواب لوہارو (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۲۰-۲۴)

دہلی کے وہ علما جنہوں نے مرزا جی کو مناظرہ کا چیلنج دیا

جب مرزا صاحب کا چیلنج مولانا سید نذیر حسین صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے بنفس نفیس مرزا صاحب کے شبہات کو دور کرنا چاہا چنانچہ یکم ربیع الاول مطابق ۵ اکتوبر کو اس مضمون کا ایک خط مرزا صاحب کے نام لکھا کہ "آپ بے تکلف میرے مکان پر آجایئے اور اپنے شکوک پیش کر کے اطمینان کر لیجئے"۔ اس خط کے جواب میں مرزا صاحب نے آنے سے انکار کیا اور جواب میں کہلا بھیجا کہ جب تک یورپین افسر موجود نہ ہو گا میں آپ سے گفتگو نہ کروں گا"۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ ص ۵)

مولانا ممدوح کے علاوہ دہلی کے بعض دوسرے سربرآوردہ علما نے بھی مرزا صاحب سے مناظرہ کرنے کی خواہش کی اور ان کی تمام شرطوں کو منظور کر کے گفتگو کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک مولوی عبدالمجید صاحب واعظ تھے انہوں نے متعدد اشتہارات چھپوا کر مرزا صاحب کو مناظرہ کے لئے مدعو کیا اور اعلان کیا کہ اگر وہ اپنا دعویٰ ثابت کر دیں تو انہیں ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا۔ ازانجملہ مولوی رحیم بخش صاحب مدرس مدرسۃ القرآن تھے انہوں نے بمنظوری جملہ شرائط انہیں مدرسہ میں بلا بھیجا مگر مرزا صاحب نے ادھر کا رخ نہ کیا۔ اسی طرح مولوی محمد علی خان صاحب نے ۱۰ اکتوبر کے اشتہار میں بمنظوری جملہ شرائط مسجد فتحپوری میں مناظرہ کی دعوت دی لیکن مرزا صاحب مسجد فتح پوری میں بھی نہ پہنچے۔ اسی طرح مولوی عبدالمجید صاحب نے مرزا صاحب کو مقابلہ پر آنے کے لئے مدعو کیا اور اپنے اشتہار مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب کے تمام عذرات اور حیلوں حوالوں کو یہ کہکر توڑ دیا کہ آپ اپنے قیام گاہ کی چھت پر بیٹھ جائیں میں اس کے بالمقابل دوسرے کوٹھے پر بیٹھکر گفتگو کروں گا۔ بیچ میں بازار بلیماراں حائل رہیگا۔ اس طرح آپ کو کسی طرح کا اندیشہ نہ رہیگا"۔ غرض اسی طرح مرزا صاحب کے مقابلہ میں چودہ اشتہارات شائع ہوئے مگر انہیں کسی سے مقابلہ و مباحثہ کا حوصلہ نہ ہوا اور اپنے قیام گاہ کے دروازے سے جس پر پولیس کا پہرہ تھا قدم باہر رکھنا پسند نہ فرمایا (اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ ص ۵)

مولوی عبدالحق مفسر حقانی کے مقابلہ سے گریز

اس اثنا میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو معلوم ہوا کہ قادیانی نے دہلی جا کر فتنہ انگیزی شروع کی ہے تو یہ بھی بعجلت تمام دہلی پہنچے۔ جب الہامی صاحب کو اپنے قدیم دوست کی آمد کا علم ہوا تو بہت گھبرائے اور یہ سوچ کر کہ مولوی عبدالحق حقانی حنفی کو چیلنج دے کر حنفیوں سے ناحق لڑائی مول لی ارادہ کیا کہ حقانی صاحب سے مصالحت کر کے صرف اہل حدیث جماعت سے چھیڑ خانی کا سلسلہ جاری رکھا جائے مگر قادیانی صاحب کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ مرزائی الحاد و زندقہ سے مقلد و غیر مقلد یکساں بیزار تھے۔ اس لئے یہاں حنفی اور غیر حنفی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہر حال مرزا صاحب بنفس نفیس حقانی صاحب کے مکان پر پہنچے اور کہنے لگے کہ حافظ احمد نابینا نے دھوکا دے کر آپ کا نام بھی لکھوا دیا میں تو صرف غیر مقلدوں سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ آپ حنفی ہیں اس لئے مجھے آپ سے مقابلہ کرنا منظور نہیں"۔ مولوی صاحب نے یہ خیال کر کے کہ گرانے سے بھگانا اچھا ہے کہا کہ آپ بذریعہ اشتہار اس مباحثہ سے انکار کر دیں تو ہم بھی اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں گے (اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ ص ۳) اس ملاقات کے بعد مرزا صاحب نے ۶ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ اس عاجز نے ۲ اکتوبر کے اشتہار میں حضرت مولوی ابو محمد عبدالحق کا نام بھی درج کیا تھا مگر عند الملاقات اور باہمی گفتگو سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب موصوف ایک گوشہ گزین آدمی ہیں اور ایسے جلسوں سے جن میں عوام کے نفاق اور شقاق کا اندیشہ ہو طبعاً کارہ ہیں اور اپنے کام تفسیر قرآن کریم میں مصروف ہیں اور اشتہار کے شرائط پورے

کرنے سے مجبور ہیں کیونکہ گوشہ نشین ہیں حکام سے میل ملاقات نہیں رکھتے اور بباعث درویشانہ صفت کے ایسی ملاقاتوں سے کراہیت بھی رکھتے ہیں لیکن مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب جواب دہلی میں موجود ہیں ان کاموں میں اول درجہ کا جوش رکھتے ہیں۔ لہذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر ہر دو مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق پر ہیں تو میرے ساتھ بپابندی شرائط مندرجہ اشتہار ۲ ۱ اکتوبر ۱۸۹۱ء بالاتفاق بحث کرلیں (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۲۷) مگر موعود صاحب کا یہ حیلہ کارگر نہ ہوا کیونکہ مولوی عبدالحق صاحب نے ۹ اکتوبر کو مطبع یوسفی دہلی میں اس مضمون کا ایک اشتہار چھپوا کر مشتہر کیا کہ قادیانی صاحب نے میرے ساتھ مناظرہ نہ کرنے کا جو عذر پیش کیا ہے وہ سراسر دروغ آمیز ہے ہیں واقعی حکام سے میل جول نہیں رکھتا لیکن بالائی انتظام کے لئے اوپر کے لوگ موجود ہیں پس قادیانی صاحب ۱۱ اکتوبر کو ٹاؤن ہال میں آئیں اور مجھ سے مناظرہ کرلیں۔ ورنہ جھوٹے سمجھے جائیں گے (اشاعۃ السنہ جلد ۴ صفحہ ۴)

تمام مرزائی شرائط کی منظوری

دوسری طرف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے الہامی صاحب کے فرار مباحثہ کے جواب میں ۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اعلان شائع کیا جس میں قادیانی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ آپ نے خاکسار اور حضرت میاں صاحب (مولانا نذیر حسین صاحب) کو مقابل و مباحث بنانا چاہا ہے اور یہ حقیقت ظاہر ہے کہ مباحثہ میں ایک ہی شخص بول سکے گا دونوں مل کر آپ سے ہمکلام نہ ہوں گے لہذا یہ قرار پایا ہے کہ پہلے خاکسار آپ سے گفتگو کرے۔ اگر خاکسار آپ کو ساکت اور لاجواب کردے تو پھر آپ میاں صاحب سے گفتگو کے مجاز ہوں گے۔ یہی امر علم و عقل موزوں و مناسب ہے شاگردوں کے ہوتے ہوئے ایک شیخ الکل اور امام وقت کو زیبا نہیں ہے کہ آپ جیسوں کو اپنا مخاطب بنائے اور اگر آپ اپنی ہی شرطیں بلا کم و کاست منظور کرانا چاہتے ہیں تو ہم اس امر کے لئے بھی حاضر ہیں۔ لیجئے بتاریخ ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۱ء بوقت ۹ بجے دن کے چاندنی محل میں تشریف لے آیئے۔ اور خاکسار سے گفتگو کر لیجئے ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں اور آپ کی تمام شرطیں منظور ہیں۔ یہ اشتہار چھپوا کر متعدد ذرائع سے قادیانی صاحب کے پاس بھیجے گئے اور زبانی پیغام بھی پہنچائے گئے۔ الہامی صاحب نے اس اشتہار کو پڑھ کر اور پیغامات سن کر کوئی عذر و انکار نہ کیا جس سے ہر ایک کو یقین ہو گیا کہ وہ وقت مقررہ پر چاندنی محل پہنچ جائیں گے اس لئے فرش فروش کا انتظام کیا گیا۔ مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی عبدالحق صاحب حقانی کی طرف سے ایک مشترکہ چٹھی مرزا صاحب کے نام بھیجی گئی جس کا مضمون یہ تھا کہ مولوی عبدالحق صاحب نے آپ کو ٹاؤن ہال میں مباحثہ کے لئے بلایا تھا آج یہ قرار پایا ہے کہ بالفعل ایک ہی مناظرہ چاندنی محل میں ہو آپ وقت مقررہ پر ضرور تشریف لائیں کیونکہ فرش وغیرہ پر بہت سا روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ وقت مقررہ پر مرزا صاحب کا سخت انتظار شروع ہوا لیکن انہیں نہ آنا تھا نہ آئے اور جلسہ بے نیل مرام برخاست ہوا (اشاعۃ السنہ جلد ۴ ص ۴)

الہامی صاحب کی عہد شکنیاں اور مقابلہ سے گریز

مرزا صاحب نے ۶ اکتوبر ۱۸۹۱ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب جو اب دہلی میں موجود ہیں ان کاموں میں اول درجہ کا جوش رکھتے ہیں لہذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ وہ میرے ساتھ بپابندی شرائط مندرجہ اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بحث کرلیں (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۲۷-۲۸) لیکن مرزا صاحب نے مولوی محمد حسین کے ساتھ مباحثہ کرنے سے صاف انکار کر کے نقض عہد کیا اور کہا کہ میں خاص مولوی نذیر حسین صاحب سے گفتگو کروں گا کیونکہ مجھے ابوسعید محمد حسین کی گفتگو سے بالطبع نفرت ہے۔ ہاں وہ مولوی سید نذیر حسین صاحب کے مددگار

رہیں۔ اس اصرار کی وجہ سے میاں صاحب مجبور ہو گئے کہ بذات خود قادیانی صاحب سے گفتگو کریں اس فیصلے کے بموجب ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اور جلسہ چاندنی محل میں تجویز ہوا اور میاں صاحب نے قادیانی صاحب کو ایک چٹھی میں اطلاع دی کہ میں بذات خود آپ سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہوں آپ ۱۱۔ اکتوبر کو فلاں وقت چاندنی محل میں آجائیے۔" لیکن قادیانی صاحب اس عہد کے بھی پابند نہ رہے اور مجلس مناظرہ میں آنے سے صاف انکار کیا اور اس مضمون کا ایک خط لکھ بھیجا کہ "چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جوش عوام کا حد سے بڑھا ہوا ہے۔ لہذا یہ تجویز قرار پائی ہے کہ غلام قادر صاحب فصیح ڈپٹی کمشنر کے پاس جا کر اطلاع دیں تو پھر ایک تاریخ مقرر کر کے جلسہ ہو۔" اس پر چاندنی محل کا جلسہ برخاست ہوا اور اہل دہلی کو یقین ہو گیا کہ قادیانی کو مباحثہ ہی منظور نہیں ہے۔ وہ محض حیلے حوالے اور دفع الوقتی سے کام لے رہے ہیں۔ مرزا صاحب کے اس فرار و گریز کا نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں شہرہ ہوا اور ان کے دامن شہرت پر سخت بدنما داغ لگا۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ ص ۵)

میاں صاحب کی شان میں دریدہ دہنی مولانا نذیر حسین صاحب ہندوستان بھر کے نامی گرامی علمائے اہل حدیث کے استاد اور شیخ الکل کے لقب سے ممتاز تھے۔ مرزا صاحب نے اپنے ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۱ء کے اشتہار میں ان کی شان میں سخت دریدہ دہنی کی۔ اور لکھا کہ اگرچہ آپ درس قرآن و حدیث میں ریش و بروت سفید کر بیٹھے ہیں مگر آپ کو کسی استاد نے حقیقت تک نہیں پہنچایا اور قال اللہ وقال الرسول کے مغز سے دور، مہجور اور بے نصیب محض ہیں۔ آپ کو شرم کرنی چاہئے کہ شیخ الکل ہونے کا دعوے اور پھر اس فضیحت کی غلطی کہ مسیح علیہ السلام کو قرآن اور حدیث صحیحہ کے رو سے زندہ سمجھ رہے ہیں۔ اگر آپ کو کچھ شرم ہے تو اب بلا توقف بحث کے لئے میدان میں آجائیں۔ تا سیہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد میں حیران ہوں کہ آپ کس بات کے شیخ الکل ہیں۔ اگر آپ بحث نہیں کرنا چاہتے تو ایک مجلس میں میری تمام دلائل وفات مسیح سن کر تین مرتبہ قسم کھا کر کہہ دیجئے کہ یہ دلائل صحیح نہیں ہیں اور میرا یہی عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام بجسدہ العنصری آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ تب میں آپ کی گستاخی اور حق پوشی اور دریدہ دہنی اور جھوٹی گواہی کے فیصلے کے لئے جناب الٰہی میں تضرع اور ابتہال کروں گا۔ اور اگر آپ تقوی کا طریق چھوڑ کر ایسی گستاخی کریں گے تو ایک سال تک اس گستاخی کا آپ پر ایسا کھلا کھلا اثر پڑے گا جو دوسروں کے لئے بطور نشان کے ہو جائے گا۔ (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۳۷)

جامع مسجد دہلی میں مجلس مباحثہ مولوی محمد حسین بٹالوی اور دوسرے علمائے اسلام کو اس بات پر کامل یقین تھا کہ مرزا صاحب اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہیں گے اور مباحثہ نہ ہو گا اور وہ حضرت میاں صاحب کی قسم پر راضی نہ ہوں گے۔ ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو مسلمانان دہلی کی طرف سے اس مضمون کا ایک اشتہار شائع کیا گیا کہ مرزا صاحب بدگوئی اور دریدہ دہنی کی وجہ سے جو انہوں نے حضرت شیخ الکل کی شان میں کی اس قابل نہیں رہے کہ حضرت میاں صاحب ان کو اپنا مخاطب بنائیں۔ ہاں مولوی محمد حسین بٹالوی اور میاں صاحب کے دوسرے تلامذہ میں سے جس کسی سے وہ گفتگو پسند کریں ان سے مباحثہ کر لیں اور اگر مباہلہ کرنا پسند ہے تو مولوی عبدالحق امرتسری یا مولوی عبدالمجید صاحب سے کر لیں۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ ص ۶) لیکن اس کے بعد فیصلہ ہوا کہ ۲۰ اکتوبر کو جامع مسجد میں مجلس مناظرہ منعقد ہو اور عوام الناس اور بعض خواص نے میاں صاحب کو اس بات پر راضی کر لیا کہ جامع مسجد کے اجلاس میں تشریف لے چلیں۔ مرزا صاحب کو بھی اس کی اطلاع کر دی گئی۔ مرزا صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ میں نے حفظ امن کا انتظام کر لیا ہے میں جامع مسجد میں وقت مقررہ پر پہنچ جاؤں گا۔ ۲۰ اکتوبر کو نماز عصر سے بیشتر ہزارہا مسلمان جامع مسجد میں پہنچ گئے۔ مولانا نذیر حسین صاحب اور دوسرے علمائے دہلی بھی تشریف لے آئے

قادیانی صاحب بھی اپنے بارہ پیروؤں کے ساتھ آموجود ہوئے چونکہ نماز عصر کا وقت ہوگیا تھا مسلمانوں نے نماز باجماعت ادا کی۔ مرزا صاحب اور ان کے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوئے۔ اتنے میں انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی جو مرزائیوں کی دعوت پر آیا تھا جامع مسجد میں آموجود ہوا۔

نماز کے بعد نواب سعید الدین احمد خان صاحب رئیس لوہارو مولوی عبد المجید صاحب اور سید بشیر حسین انسپکٹر پولیس مولانا نذیر حسین صاحب کے ایما سے مرزا صاحب کی جگہ پر گئے سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی ساتھ ہو لیا۔ ان لوگوں نے جا کر مرزا صاحب سے کہا کہ آپ لکھ دیجئے کہ اگر مولانا نذیر حسین صاحب میرے دلائل کو حلف اٹھا کر مسترد کر دیں تو میں اسی مجمع میں توبہ کر لوں گا۔" مرزا صاحب نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ان کے سکوت سے مضطرب ہو کر ایک مرزائی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں ایک سال کے بعد توبہ کر لیں گے بشرطیکہ حضرت مرزا صاحب کی بد دعا کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔

سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ (ہنس کر) یہ تو کوئی کام کی بات نہیں اس کو کوئی منظور نہیں کر سکتا۔

مولوی عبد المجید۔ (سپرنٹنڈنٹ صاحب سے خطاب کر کے) صاحب! ہم آپ ہی کو حکم ٹھہراتے ہیں۔ آپ ان سے دریافت کیجئے کہ آپ نے ۲ اکتوبر کے اشتہار میں لکھا ہے کہ مولوی نذیر حسین صاحب ایک مجلس میں میرے تمام دلائل وفات مسیح سن کر قسم کھائیں۔" (تبلیغ رسالت جلد ۴ ص ۳۸) سو کیا آپ اپنے دلائل وفات مسیح پیش کر سکتے ہیں؟ اور اگر مولانا ممدوح آپ کے دلائل کو صحیح نہ تسلیم کریں اور ان کے بطلان پر حلف اٹھالیں تو کیا آپ توبہ کر لیں گے؟ مرزا جی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ انگریز سپرنٹنڈنٹ مرزا صاحب اور ان کے دام افتادوں کو دیر تک سمجھاتا رہا کہ تم کیوں بات بڑھاتے ہو؟ ایک مختصر بات کہو۔

مرزا صاحب۔ ہم صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

مولوی عبد المجید۔ ہم نہ صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح کا بلکہ آپ کے تمام عقاید کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں جس صورت میں کہ آپ کے بہت سے اور عقاید بھی اسلام کے خلاف ہیں ہم کیوں ایک ہی مسئلہ کا تصفیہ کریں۔ بڑا دعویٰ تو آپ کو مسیحائی کا ہے آپ اس کا کچھ ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟

سپرنٹنڈنٹ صاحب۔ نواب صاحب بخشی اکرام اللہ خان سب رجسٹرار و مجسٹریٹ نواب سید سلطان مرزا آنریری مجسٹریٹ اور تمام معززین و اراکین جلسہ۔ بیشک ایسا ہی ہونا چاہئے۔

مرزا صاحب۔ ہم صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر نواب سید سلطان مرزا صاحب اور مولوی عبد المجید صاحب نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں مرزا صاحب کے سامنے کر دیا اور کہا لیجئے یہ مولوی صاحب حاضر ہیں۔ ان سے مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر ہی گفتگو کر لیجئے۔" مرزا صاحب مولوی صاحب کو دیکھ کر سہم گئے اور گفتگو سے انکار کر دیا۔

مولوی عبد المجید صاحب۔ اچھا مرزا صاحب اگر آپ کو مناظرہ سے انکار ہے تو پبلک کی رائے پر کیوں فیصلہ نہیں کر لیتے؟

مرزا صاحب کے پیرو۔ پبلک تو آپ لوگوں کے ساتھ ہے۔

سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ (مرزا صاحب کو خطاب کرتے ہوئے) آپ مسیح موعود ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو اس کا ثبوت پیش کیجئے۔ فرض کرو کہ مسیح انتقال کر گئے تو اس حالت میں سب برابر ہیں۔ آپ کو دوسروں سے زیادہ کیا استحقاق ہے کہ آپ کو مسیح سمجھ لیا جائے؟

بہر حال آپ کو اپنے دعوے کا ثبوت دینا ضرور ہے۔

مرزا صاحب۔ جواب ندارد۔

مولوی صاحب۔ (بآواز بلند) صاحبو! خاموش ہم ہر مسئلہ میں گفتگو کے لئے تیار ہیں۔ (مرزا صاحب سے خطاب کر کے) آپ کے پاس کوئی شرعی دلیل ہے تو پیش کیجئے۔

خواجہ محمد یوسف وکیل علی گڑھ منجانب قادیانی صاحب (مولوی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) حضرت ایک شخص مسلمان ہوتا ہے۔ اسے کیوں مسلمان نہیں کرتے؟

مولوی صاحب۔ اگر توبہ کرے تو ہمارا بھائی ہے۔

خواجہ صاحب میں ابھی ان سے توبہ لکھوائے دیتا ہوں۔ وہ لکھ دیں گے کہ جو کچھ قرآن و حدیث کے خلاف میں نے لکھا ہے وہ مردود ہے اور میں مسلمان ہوں۔

مولوی صاحب۔ اگر کسی مغالطہ کے بغیر ایسا لکھ دیں تو ہم ابھی منظور کرتے ہیں۔ مرزا صاحب توبہ نامہ لکھنے لگے مگر وہی الفاظ لکھے جو ۲۔ اکتوبر کے اشتہار میں شائع کر چکے تھے۔ یعنی مجھ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ شخص نبوت کا مدعی، معجزات، ملائک اور لیلۃ القدر کا منکر ہے حالانکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقاید میں داخل ہیں۔

مولوی صاحب۔ مرزا صاحب! یہ تو آپ پہلے ہی شائع کر چکے ہیں لکھنا تو یہ چاہیئے کہ میں نے اپنی کتابوں "فتح اسلام" "توضیح مرام" اور ازالہ اوہام میں جو عقیدے اسلامی عقاید کے خلاف لکھے ہیں ان سے توبہ کرتا ہوں۔

خواجہ صاحب۔ مرزا صاحب نے کوئی امر خلاف اہل اسلام نہیں لکھا مگر سمجھنے کا فرق ہے۔

مولوی صاحب۔ اچھا مرزا صاحب اسی موضوع پر گفتگو کر لیں کہ ان کے عقاید قرآن و حدیث کے خلاف ہیں یا نہیں؟ ہم ابھی ان کی کتابیں پیش کر دیتے ہیں۔

مرزا صاحب۔ ہم گفتگو نہیں کرتے۔

اراکین جلسہ۔ یہ اجتماع اس لئے ہوا ہے کہ آپ اپنے عقاید کا ثبوت پیش کریں۔ یا اگر مولانا نذیر حسین صاحب بحلف آپ کے عقاید کا خلاف قرآن و حدیث ہونا بیان کر دیں تو آپ توبہ کریں۔

مرزا صاحب۔ ہم صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح کا تحریری ثبوت چاہتے ہیں اور کوئی گفتگو نہیں کرتے۔

اراکین جلسہ۔ مرزا صاحب! یہ مجمع تحریروں کے لئے نہیں ہوا۔ یہ کام تو گھر بیٹھے ہی ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے جب آپ اپنے دعوے کا ثبوت نہیں دے سکتے تو بہتر ہے کہ لوگوں کو رخصت کر دیا جائے۔

نواب سعید الدین خاں۔ (اراکین جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے) اور کچھ نہیں تو مرزا صاحب وفات مسیح علیہ السلام کے متعلق اپنے دلائل پیش کریں۔

مرزا صاحب۔ ہم تو صرف مولانا صاحب سے حیات مسیح کا تحریری ثبوت چاہتے ہیں۔

ارا کین جلسہ۔ اگر واقعی آپ کی خواہش ہے کہ گفتگو ہو اور یہ گفتگو کسی مفید نتیجہ پر پہنچے۔ تو نہ صرف مولنا صاحب بلکہ ان کے شاگرد بھی آپ سے گفتگو کرنے کو تیار ہیں لیکن خلاف مقصود تحریروں کے لئے یہ جلسہ نہیں ہے۔

سپرنٹنڈنٹ۔ (مولوی عبدالمجید صاحب کو خطاب کر کے) آپ پکار کر کہ دیجئے کہ مرزا صاحب گفتگو نہیں کرتے۔ لہذا جلسہ برخاست۔ سب لوگ خاموشی کے ساتھ رخصت ہو جائیں۔

مولوی صاحب۔ صاحبو! جلسہ برخاست۔ مرزا صاحب اپنے دعوے کا ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔

سپرنٹنڈنٹ۔ مولوی نذیر حسین صاحب سے بھی جا کر کہہ دیجئے کہ جلسہ برخاست۔ مولوی صاحب اور میر بشارت حسین کوتوال شہر میاں صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ مرزا صاحب گفتگو نہیں کرتے اس لئے جلسہ برخاست ہے۔ اس کے بعد کوتوال نے مرزا صاحب کے پاس جا کر کہا کہ آپ تشریف لے جائیے۔ بیٹھنا بیکار ہے۔ مرزا صاحب اس کو غنیمت سمجھے کہ جان بچی لاکھوں پائے۔ بوقت مراجعت مرزا صاحب اس شعر کا مصداق تھے۔

عجائب چال سے ظالم تر امستانہ آتا ہے ؎ اُڑاتا خاک سر پر جھومتا مستانہ آتا ہے (اشاعۃ السنہ جلد ۱۴)

واپسی کا عبرت ناک منظر | صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب ایم اے ابن مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جامع مسجد سے واپسی کا جو عبرت ناک نوٹو اتارا ہے ذرا اس کو بھی ایک نظر دیکھ لیجئے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں :-

"جب زیادہ لوگ مسجد سے نکل گئے تو حضرت (مرزا) صاحب بھی اٹھ کر باہر تشریف لائے اور بہت سے سپاہی اور پولیس افسر آپ کے ارد گرد تھے۔ جب آپ شمالی دروازہ پر آئے تو خدام نے اپنی گاڑیاں تلاش کیں کیونکہ ان کو آنے جانے کا کرایہ دینا کر کے ساتھ لائے تھے اور کرایہ پیشگی دے دیا گیا تھا لیکن معلوم ہوا کہ لوگوں نے مالکوں کو بہکا کر روانہ کر دیا تھا اور دوسری بھی کوئی گاڑی یکہ، ٹمٹم، تانگہ پاس نہ آنے دیتے تھے۔ اس طرح حضرت کو قریباً پندرہ منٹ دروازہ پر انتظار کرنا پڑا۔ اس اثنا میں لوگوں کے گروہ در گروہ جو مسجد کے باہر کھڑے تھے بلوہ کر کے حضرت کی طرف آنے لگے۔ پولیس کا افسر ہوشیار تھا اس نے حضرت سے کہا کہ آپ فوراً میری گاڑی میں بیٹھ کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ لوگوں کا ارادہ فاسد ہے چنانچہ حضرت اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی دونوں اس گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور باقی لوگ پیدل مکان پر پہنچے اس موقع پر حضرت کے ساتھ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی سید امیر علی غلام قادر صاحب فصیح محمد خان صاحب کپورتھلوی حکیم فضل الدین بھیروی۔ میر سراج الحق اور چھ اور دوست تھے" (سیرۃ المہدی جلد اص ۹)

باب ۶۲ مولوی محمد بشیر سہسوانی سے مناظرہ

مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگردوں میں مولوی محمد بشیر سہسوانی بھی ایک بلند پایہ عالم تھے۔ الہامی صاحب نے ۲۔ اکتوبر اور ۶۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو جو اشتہار دہلی میں شائع کئے وہ کسی نے مولوی محمد بشیر صاحب کے پاس بھی بھوپال بھیج دیئے۔ انہوں نے حاجی محمد احمد سوداگر دہلی کے توسط سے ان اشتہاروں کا جواب قادیانی صاحب کے پاس بھیجا جس میں ان کی تمام شرطوں کو قبول کرتے ہوئے صرف تیسری شرط میں کسی قدر ترمیم چاہی۔ الہامی صاحب نے بھی اس ترمیم کو منظور کر لیا۔ ترمیم کے بعد یہ چار شرطیں قرار پائیں۔

(۱) حفظ قیام امن کو اپنے ذمہ جاری انتظام ہو (۲) مباحثہ تحریری ہو۔ ہر فریق مجلس بحث میں سوال لکھ کر اور اس پر اپنے دستخط کر کے پیش کرے۔ اسی طرح فریق ثانی جواب لکھ کر دے (۳) پہلی بحث مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر ہو۔ اگر حیات ثابت ہو جائے تو مرزا صاحب دعوائے مسیحیت سے دست بردار ہو جائیں گے اور اگر وفات ثابت ہو تو قادیانی صاحب کا اصل دعویٰ یعنی عدم نزول حضرت مسیح علیہ السلام اور قادیانی صاحب کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ ہوگا۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور مرزاجی کے مسیح موعود ہونے پر بحث کی جائے گی (۴) طرفین میں سے جو شخص قبل از تصفیہ مباحثہ سے رو گرداں ہوگا اس کی گریز سمجھی جائے گی"۔ جب یہ شرطیں طے ہو گئیں تو قادیانی صاحب کی خواہش کے بموجب حاجی محمد احمد نے مولوی محمد بشیر صاحب کو بھوپال سے طلب کیا۔ مولوی صاحب ۷ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ کو دہلی پہنچ گئے اور مرزاجی کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔

قادیانی صاحب کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی

اب الہامی صاحب نے اپنے سابقہ معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر شرائط میں مندرجہ ذیل تبدیلی فرمائی (۱) مولوی محمد بشیر صاحب مدعی ہوں گے حیات مسیح علیہ السلام کا بار ثبوت انہی پر ہوگا (۲) بحث اس عاجز (مرزا غلام احمد) کے قیام گاہ پر ہوگی (۳) جلسہ عام منعقد نہیں ہوگا (۴) مولوی صاحب زیادہ سے زیادہ دس آدمی جو معزز خاص ہوں اپنے ساتھ لا سکتے ہیں لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالمجید ہرگز آنے کے مجاز نہ ہوں گے (۵) پرچوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہوگی۔ مولوی محمد بشیر صاحب کے احباب کی رائے تھی کہ ان نئی شرطوں کو مسترد کر دیا جائے مگر مولوی صاحب نے محض اس خیال سے کہ قادیانی صاحب کو مناظرہ سے گریز کرنے کا کوئی حیلہ نہ مل سکے سب شرطیں بلا کم و کاست منظور کر لیں۔ ۹ ربیع الاول کو بعد از نماز جمعہ مناظرہ شروع ہوا۔ مولوی صاحب نے مرزاجی کے مکان پر جا کر مجلس مناظرہ میں حیات مسیح علیہ السلام کے پانچ دلائل لکھ کر حاضرین کو سنا دیئے اور دستخط کر کے الہامی صاحب کے حوالے کر دیئے۔

مجلس بحث میں جواب لکھنے سے گریز

الہامی صاحب پر لازم تھا کہ اسی وقت جواب لکھواتے لیکن اتنی قابلیت نہیں تھی کہ اپنے دماغ سے بھی کوئی بات نکال سکیں۔ مجلس بحث میں جواب لکھوانے سے انکار کیا۔ ہر چند حاجی محمد احمد وغیرہ حضرات نے مرزا صاحب کو سمجھایا کہ وہ نقض عہد اور شرائط مقررہ کی خلاف ورزی نہ کریں مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ اسی بات پر مصر رہے کہ میں جواب لکھوا رکھوں گا آپ لوگ کل دس بجے آ کر جواب سن لیجئے۔ ناچار مجلس مناظرہ برخاست ہوئی۔ یہ حضرات دوسرے دن دس بجے دردولت پر پہنچے اور اطلاع دی گئی تو الہامی صاحب باہر نہ آئے اور کہلا بھیجا کہ ابھی جواب طیار نہیں ہوا جب طیار ہوگا آپ کو بلا لیا جائے گا۔ دو بجے کے بعد ان حضرات کو بلا کر جواب سنایا اور کہا کہ اس مجلس بحث میں جواب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے مکان پر جا کر جواب لکھ رکھیئے۔ اسی طرح پانچ دن تک سلسلہ بحث جاری رہا۔

خسر کی بیماری کا حیلہ تراش کر مناظرہ سے گریز

چھٹے دن جانبین کے تین تین پرچے ہو چکے تو مرزا صاحب پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مناظرہ سے دست بردار ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب مجھے زیادہ قیام کی گنجائش نہیں ہے اور زبانی یہ فرمایا کہ میرے خسر نواب ناصر نواب بیمار ہیں اس لئے میرا جلد جانا ضروری ہے چونکہ مولوی محمد حسین اور ان حضرات نے جو قادیانی صاحب کی ترکیب مزاج اور افتاد طبیعت سے واقف تھے اس بات کی پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ مرزا صاحب بحث کے

اختتام تک پہنچنے سے پیشتر ہی بھاگ کھڑے ہوں گے س لئے مرزا صاحب کے فرار کے متعلق پہلے سے ایک مقالہ لکھ رکھا گیا تھا۔ وہ مضمون مرزا صاحب کی موجودگی میں سب حاضرین کو سنا دیا گیا۔ اس میں مرزا صاحب کے نقض عہد پر خوب لے دے کی گئی تھی۔ حاضرین جلسہ نے مرزا صاحب کو ان کی وعدہ خلافی اور گریز پر بہتیری ملامت کی مگر انہوں نے کسی ملامت اور طعن تشنیع کی پروا نہ کی اور اسی روز تہیۂ مراجعت کر کے رات کو دلی سے چلے آئے۔ اب الہامی صاحب کے فرار کی اصل وجہ سنیئے۔ مرزا صاحب مدعی مسیحیت تھے۔ اور علماء کی طرف سے ہمیشہ یہ مطالبہ ہوتا رہتا تھا کہ اپنے مسیح موعود ہونے کا ثبوت دو اس لئے اس مبحث سے بچنے کے لئے دو سدیں قائم کر رکھی تھیں۔ ایک مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام دوسرے نزول جناب مسیح علیہ السلام جب الہامی صاحب نے مولوی محمد بشیر کے مناظرہ میں دیکھا کہ پہلا بند جوان کے زعم میں نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا ٹوٹنے والا ہے اور دوسرا بند جو بالکل کمزور ہے اس میں مدافعت کی زیادہ قوت نہیں وہ معاً ٹوٹ جائے گا پھر اصل قلعہ پر حملہ ہوگا جو روئی کے گالے سے زیادہ کمزور ہے اور قادیانی مسیحیت کا قلعہ چشم زدن میں پاش پاش ہو جائے گا تو مرزا جی کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ غنیم کے قلعہ فتح کرنے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوں۔ اس مناظرہ کی مفصل روداد انہی دنوں ایک رسالہ میں شائع ہوئی تھی جس کا نام الحق الصریح فی اثبات حیٰوۃ المسیح ہے۔ یہ تصریح اسی رسالہ سے ماخوذ ہے۔ (تاریخ مرزا ص ۴۲-۴۴)

میاں بشیر احمد ایم اے کی ملمع سازی

مرزا بشیر احمد نے اپنے باپ کو فرار کی رسوائی سے بچانے کے لئے ایک حیلہ تراشا ہے اور نہایت دیدہ دلیری سے ان الفاظ میں ملمع سازی کی ہے " مولوی محمد بشیر صاحب کے مباحثہ میں باہم فیصلہ ہوا تھا کہ طرفین کے پانچ پانچ پرچے ہوں گے لیکن جب حضرت مسیح موعود نے دیکھا کہ مولوی محمد بشیر صاحب کی طرف سے اب اپنی پرانی دلیلوں کا اعادہ ہو رہا ہے تو آپ نے فریق مخالف کو یہ بات جتلا کر کہ اب مناظرہ کو آگے جاری رکھنا تضیع اوقات کا موجب ہے تین پرچوں پر ہی بحث کو ختم کر دیا اور فریق مخالف کے طعن و تمسخر کی پروا نہیں کی"۔ (سیرۃ المہدی جلد ۲ صفحہ ۹۰) لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر میاں بشیر احمد صاحب سچے ہیں تو اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کریں کہ مرزا صاحب نے فریق مخالف کو جتلا دیا تھا کہ اب مباحثہ جاری رکھنا بیکار ہے"۔ اگر واقعی مولوی محمد بشیر صاحب کا کیسۂ دلائل خالی ہو چکا تھا اور وہ بار بار پرانی دلیلیں ہی پیش کر دیتے تھے تو بھی الہامی صاحب کو چاہیئے تھا کہ مناظرہ کو اختتام تک پہنچا کر فریق مقابل کو لاجواب اور مغلوب کر دکھاتے تاکہ مخالفوں پر حجت قائم ہو جاتی اور کسی کو طعن و تمسخر کی جرأت نہ ہوتی۔ اس سے قطع نظر اس میں نہایت مہتم بالشان فائدہ یہ بھی تھا کہ مربی حضرت کے پاس مرزا صاحب کی ساری تاریخ میں ایک نظیر ایسی بھی موجود ہو جاتی جس میں مرزا صاحب کو فرار و ہزیمت سے سابقہ نہ پڑا ہوتا۔

باب ۶۳۔ میر عباس علی لدھیانوی کا داغ مفارقت

میر عباس علی لدھیانوی شاہ سلیمان تونسوی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد میر صاحب کو کسی سے پیری کی تلاش ہوئی۔ ان ایام میں مرزا صاحب نے شہرت دنمود کی دنیا میں نیا نیا قدم رکھا تھا ان کی تعلیاں اور لن ترانیاں گوش زد ہوئیں تو اصل اور نقل میں امتیاز کئے بغیر اس جنس کاسد کے خریدار بن گئے۔ میر صاحب کے سلسلۂ ارادت

کا آغاز ۱۸۸۲ء میں ہوا جبکہ مرزا صاحب نے براہین کا تیسرا حصہ شائع کیا تھا۔ اور اغلب ہے کہ میر عباس علی ہی الہامی صاحب کے سب سے پہلے مرید تھے۔ انہوں نے اس وقت ان کی حلقہ بگوشی اختیار کی جبکہ ہنوز کسی شخص نے مرزا صاحب کی طرف دستِ ارادت نہ بڑھایا تھا۔ مکتوبات احمدیہ کی سب سے پہلی اور ضخیم ترین جلد انہی خطوط پر مشتمل ہے جو الہامی صاحب نے میر عباس علی کے نام روانہ فرمائے تھے میر صاحب نے اپنے مخدوم و مُطاع کی خدمت گزاری اور عون و نصرت میں وہ کمال دکھایا کہ تمام مرزائیوں سے گوئے سبقت لے گئے۔ اس اثنا میں کئی مرتبہ ایسے حوادث بھی پیش آئے جنہوں نے بارہا ان کے پائے عقیدت کو متزلزل کر دیا تاہم اس دام سے رہائی کی توفیق نہ ہوئی۔ آخر نو سال تک بادیۂ ضلالت میں سرگرداں رہنے کے بعد ہدایت کا آوان سعید آپہنچا۔ بمساعدت ازلی نے راہ نمائی فرمائی اور میر صاحب مرزائیت سے تمام علاقے توڑ کر از سرِ نو دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

میر صاحب کے خلوص کا اعتراف

مرزا جی نے ۱۴ مئی ۱۸۸۳ء کی چٹھی میں میر عباس علی کو لکھا تھا کہ "جس ذاتِ قدیم نے آپ کو یہ اخلاص بخشا ہے اس نے خود آپ کو چن لیا ہے۔" ۲۹ اکتوبر ۱۸۸۳ء کے خط میں لکھا "الحمد للہ والمنۃ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو سب سے زیادہ اس عاجز کے انصار میں سے بنایا۔ اس ناچیز کو آپ کے وجود سے فخر ہے اور اپنے خداوند کریم سے آپ کو ایک رحمتِ مجسم خیال کرتا ہے۔" اور پہلی جنوری ۱۸۸۴ء کی چٹھی میں فرمایا "سعید وہ انسان ہے جس پر نیک ظن غالب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ٹھوکر کھانے سے بچتے ہیں اور اس کا فطرتی نور ان کو شیطانی تاریکی سے بچا لیتا ہے اور تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں اور الحمد للہ کہ میں آپ کو ان تھوڑوں کے اوّل درجہ میں دیکھتا ہوں۔" ۱۹ اپریل ۱۸۸۵ء کو لکھا کہ آپ کا اخلاص اور جوشِ محبت اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔" اور ایک اور خط میں جس پر تاریخ درج نہیں لکھتے ہیں کہ "جس قدر آں مخدوم نے اشاعتِ دین اور اعلاء کلمۂ اسلام کے لئے رنج اٹھایا ہے خدا تعالیٰ اس کے عوض میں آپ پر اس طور سے راضی ہو کر جیسا اپنے سچے خادموں اور مقبولوں پر راضی ہوا کرتا ہے۔" (مکتوبات احمدیہ جلد اول ص ۱۲، ۳۰، ۶۳، ۷۰، ۸۶، ۸۹)

اسی طرح مرزا صاحب نے میر عباس علی کے متعلق اپنی کتاب ازالہ اوہام میں لکھا کہ "یہ میرے وہ اول دوست ہیں جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی اور جو سب سے پہلے تکلیفِ سفر اٹھا کر ابرار اخیار کی سنت پر بقدم تجرید محض للہ قادیان میں میرے ملنے کے لئے آئے وہ یہی بزرگ ہیں۔ میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ بڑے سچے جوشوں کے ساتھ انہوں نے وفاداری دکھلائی اور میرے لئے ہر ایک قسم کی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کے منہ سے ہر ایک قسم کی باتیں سنیں۔ اوائل ایام میں بیس برس تک انگریزی دفتر میں سرکاری ملازم رہے مگر بباعث غربت و درویشی ان کے چہرہ پر نظر ڈالنے سے ہرگز خیال نہیں آتا کہ وہ انگریزی خواں بھی ہیں لیکن وہ دراصل بڑے لائق اور مستقیم الاحوال اور دقیق الفہم ہیں۔ (ازالہ ص ۱۴۳)

میر صاحب کی استقامت کا مرتبہ

میر عباس علی کے جو مناقب و محامد اوپر نقل کئے گئے ان سب سے بڑھ کر انہیں یہ شرف بھی حاصل تھا کہ مرزا صاحب کو ان کی شان میں ایک الہام بھی ہوا تھا چنانچہ اپنی کتاب ازالہ اوہام میں میر عباس علی مرحوم کے تذکرے میں فرماتے ہیں۔" ان کے مرتبۂ اخلاص کے ثابت کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو ان کے حق میں الہام ہوا تھا اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (ان کی جڑ نہایت مضبوط ہے اور ان کی شاخیں آسمان تک چلی گئی ہیں) (ایضاً ص ۶۲۲)

اس الہام کا یہ مطلب تھا کہ میر صاحب مرزائیت میں ایسے مضبوط اور راسخ ہیں کہ ان کی حالت میں کبھی جنبش اور تزلزل نہیں ہو سکتا۔" لیکن جب میر صاحب مرزائیت سے تائب و بیزار ہو کر از سرِ نو حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو مریدوں نے پوچھنا شروع کیا "حضور خدا نے تو اطلاع دی تھی کہ ان کی جڑ بڑی مضبوط ہے۔ اب ان کی جڑ اکھڑ کیسے گئی؟ الہامی صاحب کے پاس تاویل کاری اور سخن سازی کی کچھ کمی نہ تھی۔ باتیں بنانی شروع کر دیں۔ جو حضرات اس گلشن سخن سازی کی بہار دیکھنا چاہیں وہ الہامی صاحب کے "آسمانی فیصلہ" (ص ۴۹-۵۳) یا تبلیغ رسالت جلد ۲ (ص ۸۴-۸۵) کا مطالعہ فرمائیں۔ جب سید عباس علی توفیق ایزدی کی مدد سے مرزائیت کے خارزار سے نکل کر اسلام کے چمن زار میں داخل ہوئے تو مسیح صاحب نے اپنے جلے دل کے پھپھولے ان الفاظ میں پھوڑے: "وہ مرتد ہو گیا۔ اس کا انجام بد ہوا جب انسان پر شقاوت کے دن آتے ہیں تو وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتا (نزول المسیح ص ۲۴۲)

شعبدہ کی قدر شناسی

میر صاحب کی علیحدگی اور توبہ کے مختلف اسباب تھے ان میں ایک سبب تو ایک بٹالوی دوست نے یہ بتایا کہ ایک مرتبہ لدھیانہ میں ایک مسلمان شعبدہ گر آیا۔ ان ایام میں الہامی صاحب اسی جگہ اپنی مسیحیت کی ڈفلی بجا رہے تھے۔ شعبدہ گر الہامی صاحب کے پاس آکر کہنے لگا کہ یا تو اپنا کوئی کمال دکھلایئے یا دیکھئے۔ انہوں نے کہا اچھا اپنا کمال دکھاؤ، شعبدہ گر نے کھرپی سے کر تھوڑی سی زمین نرم کی۔ پھر چند بیج بکھیر کر اوپر سے پانی کے چھینٹے دیئے، تھوڑی دیر میں چھوٹے چھوٹے پودے نکل آئے جو دیکھتے دیکھتے فٹ ڈیڑھ فٹ بلند ہو گئے۔ پھر ہر ایک کو پانچ پانچ سات سات قسم کے پھول لگے۔ ہر پھول میں علیحدہ علیحدہ قسم کی خوشبو تھی۔ یہ طلسم دیکھ کر سب لوگ محو حیرت رہ گئے۔ جب شعبدہ باز لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا چکا تو قادیانی صاحب سے کہنے لگا کہ "اگر آپ بھی کوئی اعجوبہ دکھائیں تو میں کچھ اور کمال بھی دکھاؤں گا۔" مرزا صاحب نے کہا "بھئی ہم تو صرف دعا کرنا جانتے ہیں اس کے سوا ہم میں کوئی کمال نہیں۔" اس کے بعد مرزا صاحب میر عباس علی سے کہنے لگے کہ اگر سو دو سو روپیہ بھی خرچ ہو جائے تو یہ کمال حاصل کر لینا چاہیئے۔" یہ سن کر میر صاحب کے دل میں گرہ پڑ گئی اور یقین ہو گیا کہ یہ شخص دنیا پرست ہے۔ اگر اس کے دل میں عشق الٰہی کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو کسی شعبدہ پر نہ ریجھتا۔ میر صاحب کے منحرف ہونے کی دو وجہیں خود مرزا صاحب نے یہ لکھی ہیں کہ (۱) میر صاحب کے دل میں ولی کے مباحثات کا حال خلاف اثر جم گیا ہے (۲) میر صاحب کے دل میں سراسر ناشی غلطی سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ گویا میں ایک نیچری آدمی ہوں معجزات کا منکر اور لیلۃ القدر سے انکاری اور نبوت کا مدعی اور انبیاء علیہم السلام کی اہانت کرنے والا اور عقاید اسلام سے منہ پھیرنے والا (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۸۲)

میر صاحب کا چیلنج

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ میر صاحب نے علیحدگی کے بعد ان کے خلاف اشتہار بھی شائع کیا ہے جو ترک ادب اور تحقیر کے الفاظ سے بھرا ہوا ہے۔ میر صاحب نے اس اشتہار میں اپنے کمالات ظاہر کر کے تحریر فرمایا ہے کہ گویا ان کو رسول نمائی کی طاقت ہے چنانچہ وہ اس اشتہار میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ میں نے مرزا صاحب سے کہا تھا کہ ہم دونوں کسی مسجد میں بیٹھ جائیں پھر یا تو مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا کے اپنے دعاوی کی تصدیق کرا دو یا میں زیارت کرا کے اس بارہ میں فیصلہ کرا دوں گا مگر مرزا صاحب نے اس بارہ میں میرا مقابلہ نہیں کیا۔" اگر میر صاحب کو یہ قدرت اور کمال حاصل تھا تو پھر انہوں نے اس عاجز سے بدوں تصدیق نبوی کیوں بیعت کر لی اور کیوں دس برس تک برابر خلوص نماؤں کے گروہ میں رہے تعجب ہے کہ ایک دفعہ بھی رسول کریم ان کے خواب میں نہ آئے اور ان پر ظاہر نہ کیا کہ اس کذاب اور مکار اور بے دین سے کیوں بیعت کرتا ہے۔" (ایضاً ص ۸۲)

اگر واقعی میر صاحب نے مسیح قادیاں کو اس قسم کا کوئی چیلنج دیا تھا تو معلوم نہیں میر صاحب نے الہامی صاحب کی اس تحریر کا

کیا جواب دیا ہوگا لیکن ظاہر ہے کہ جب میر صاحب نو دس سال کی طویل مدت تک اسلام سے منقطع ہو کر مرتد ہونے والے تھے تو کیس طرح ممکن تھا کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس خواب میں قدم رنجہ فرماتے؟ آخر جب میر صاحب نے وادیٔ کفر سے نکل کر دامن اسلام میں قدم رکھا تو رؤیت رسولؐ کی سعادت بار رسول نمائی کی صلاحیت عود کر آئی۔

مغربیّت و افرنجیت مرزا صاحب کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف نیچریت کی طرف مائل تھے بلکہ ان کی ہر ادا سے تفرنج اور مغربیت کی شان ہویدا تھی۔ مرزا صاحب نے میر صاحب کے جس اشتہار کا ذکر کیا ہے وہ انہوں نے دبدبۂ اقبال ربی پریس لدھیانہ میں چھپوایا تھا۔ میر صاحب نے اس میں لکھا تھا کہ میں اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ مرزا صاحب قطعی نیچری ہیں معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء کے قطعی منکر ہیں۔ معجزات اور کرامات کو مسمریزم قیافہ قواعد طب یا دستکاری پر مبنی جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک خرق عادت جس کو تمام اہل اسلام خصوصاً اہل تصوف نے مانا ہے کوئی چیز نہیں۔ سر سید احمد خاں اور مرزا غلام احمد کی نیچریت میں بجز اس کے کوئی فرق نہیں کہ وہ بلباس جاکٹ و تپلون ہیں اور یہ بلباس جبّہ و دستار او صوفیا سے عظام کے دفتر کو درہم برہم کرنے والے (اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ ص ۲۸۲)

یہاں ضمناً یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مرزا صاحب نصاریٰ کی طرح پردۂ نسواں کے بھی قائل نہ تھے چنانچہ حسب بیان میاں بشیر احمد صاحب ایک مرتبہ "مسیح" صاحب کسی سفر میں تھے۔ اسٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی۔ آپ (انگریز اور اس کی میم کی طرح) بیوی صاحبہ کے ساتھ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ یہ دیکھ کر مولوی عبدالکریم سیالکوٹی جن کی طبیعت غیور اور جوشیلی تھی حکیم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور پھر غیر لوگ ادھر ادھر پھرتے ہیں آپ حضرت سے عرض کر دیں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیا جائے! مولوی نورالدین صاحب نے کہا کہ میں تو نہیں کہتا آپ خود کہہ کر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی [illegible] صاحب خود حضرت کے پاس گئے اور کہنے لگے حضور! لوگ بہت ہیں بیوی صاحبہ کو کسی جگہ الگ بٹھا دیجئے [illegible] جی میں ایسے پردے کا قائل نہیں ہوں۔ مولوی عبدالکریم سر جھکائے مولوی نورالدین کی طرف آئے [illegible] جی صاحب! جواب لے آئے؟ (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۶۹)

باب ۶۴۔ علمائے ملّت سے نشان صدق دیکھنے کا مطالبہ

الہامی صاحب کی عادت تھی کہ مریدوں کو مطمئن اور خوش اعتقاد رکھنے اور اپنی گرمیٔ بازار کے لئے وقتاً فوقتاً اپنی اعجازی قوت کی ڈینگیں مارا کرتے اور علمائے امت کو طرح طرح کے چیلنج دیا کرتے تھے۔ مرزا صاحب کی یہ لن ترانیاں مرزائی لٹریچر میں ہمیشہ کے لئے درج رہ گئیں حقیقت ناشناس مرزائی آج ان تعلیوں اور خودستائیوں کو پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا مرزا صاحب کے مقابلہ سے عاجز تھی لیکن وہ بیچارے اس حقیقت سے بالکل خالی الذہن ہیں کہ اہل حق کی طرف سے ان تعلیوں کا کیا جواب دیا گیا تھا اور مرزا صاحب کا ہر تبہ کس طرح ناطقہ بند ہوا تھا؟

الہامی صاحب کا چیلنج الہامی صاحب کی کتاب ازالہ اوہام میں جو ۳ ستمبر ۱۸۹۱ء کو شائع ہوئی ہے بہت جلی خط میں مرزا صاحب کا یہ چیلنج نظر آتا ہے "اے حضرات مولوی صاحبان! آپ لوگوں کا یہ خیال کہ ہم مومن ہیں اور یہ شخص کافر اور ہم صادق ہیں اور یہ شخص کاذب اور ہم متبع اسلام ہیں اور یہ شخص ملحد اور ہم مقبول الٰہی ہیں اور یہ شخص مردود اور ہم جنتی ہیں اور یہ شخص جہنمی۔ اگرچہ غور کرنے والوں کی نظر میں قرآن کریم کی رو سے بخوبی فیصلہ پا چکا ہے اور اس رسالہ کے پڑھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون لیکن ایک اور بھی طریق فیصلہ ہے جو کی رو سے صادقوں اور کاذبوں اور مقبولوں اور مردودوں میں فرق ہو سکتا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح پر

جاری ہے کہ اگر مقبول اور مردود اپنی اپنی جگہ پر خدائے تعالیٰ سے کوئی آسمانی مدد چاہیں تو وہ مقبول کی ضرور مدد کرتا ہے اور کسی ایسے امر سے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہے اس مقبول کی قبولیت ظاہر کر دیتا ہے سو چونکہ آپ لوگ اہل حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لہذا آپ پر واجب ہے کہ اس آسمانی ذریعہ سے بھی دیکھ لیں کہ آسمان پر مقبول کس کا نام ہے اور مردود کس کا نام میں اس بات کو منظور کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتہ تک اس بات کے فیصلہ کے لئے احکم الحاکمین کی طرف توجہ کریں تا اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی سچائی کا نشان یا کوئی اعلیٰ درجہ کی پیش گوئی جو راست بازوں کو ملتی ہے آپ کو دی جائے۔ ایسا ہی دوسری طرف میں بھی توجہ کروں گا اور مجھے خدا کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ نے اس طور سے میرا مقابلہ کیا تو میری فتح ہوگی میری اس تحریر کے مخاطب مولوی محی الدین عبدالرحمٰن صاحب لکھو والے اور میاں عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی (امرتسری) اور مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں اور باقی انہیں کے زیر اثر آجائیں گے (ازالہ اوہام طبع پنجم ص ۲۶۹)

مولوی محمد حسین کی طرف سے چیلنج کا دندان شکن جواب

اس کے جواب میں مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے اپنے ماہوار رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں لکھا "قادیانی صاحب! پہلے آپ خود ہی اپنا کوئی نشان دکھائیں کسی کوڑھی کو اچھا کر دیں۔ یا کسی کانے کو دوسری آنکھ دیں۔ یا لکڑی کا سانپ بنا دیں یا آسمان سے من و سلویٰ یا مائدہ اتروائیں۔ یا جلتی آگ میں کود پڑیں اور بچ جائیں۔ یا کسی خشک درخت کو ہرا کر دکھائیں۔ یا ایسا ہی کوئی اور نشان جو انبیاء اور اولیاء سے ظاہر ہوا ہو۔ اور اگر یہ عذر ہو کہ ایسے نشان دکھانا قانون قدرت کے خلاف ہے چنانچہ حال ہی میں آپ نے جموں کے ایک مشہور ڈاکٹر صاحب کو یہی جواب دے کر ٹلا یا ہے تو یہ عذر فضول اور گریز کا ایک حیلہ ہے یہ عذر انہی لوگوں کے سامنے چل سکتا ہے جو اپنے خیالی نیچر یا قانون قدرت کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں مسلمان ایسے عذروں کو تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور جانتے ہیں۔ آپ اس کے تصفیہ کے لئے پہلے ہم سے بحث کرلیں۔ اگر ہم نے آپ پر ثابت کر دیا کہ ایسے نشان دکھانا قانون قدرت کے خلاف نہیں اور اس کا ثبوت آپ ہی کی کتابوں سے نکال دیا تو پھر آپ کو ایسے نشان دکھانا لازم ہوگا۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ ص ۵۰) اس جواب کے شائع ہونے پر مرزائی در و دیوار پر سناٹا چھا گیا۔ اگر الہامی صاحب طبیعت کے غیور ہوتے تو اس موقع پر خاموش رہنا گناہ سمجھتے لیکن انہوں نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ معاملہ کو رفت گزشت سمجھ لیں۔

باب ۶۵۔ ایک صوفی صاحب کی طرف سے قادیانی چیلنج کا کلہ توڑ جواب

آپ حضرات نے گزشتہ باب میں پڑھا کہ الہامی صاحب نے کتاب "ازالہ اوہام" طبع پنجم صفحہ ۲۶۹ میں چند علماء سے دس ہفتہ تک نشان صدق مانگا تھا اور ان کے مقابلہ میں خود بھی نشان دکھلانے کا وعدہ کیا تھا۔

صوفی صاحب کا وعدۂ کرامت نمائی

کسی صاحب نے "ازالہ اوہام" میں یہ چیلنج پڑھ کر ایک صوفی صاحب کو جا دکھایا انہوں نے کہا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو لکھ دو کہ وہ "اشاعۃ السنۃ" میں شائع کر دیں کہ اگر مرزا کو درگاہ خداوندی میں اپنے مقبول ہونے اور علمائے اسلام کے مردود ہونے کا زعم ہے تو اس کو واجب ہے کہ کوئی ایسی کرامت دکھلائے جو اس کے دعویٰ کی مصدق ہو۔ کرامت ایسی ہونی چاہیئے جس کو روئے زمین کے ذی علم اور طبعی و فلاسفر بھی کرامت تسلیم کرلیں اور دکھانے سے پہلے یہ ضروری شرط ہے کہ اس کے جزوی و کلی حالات ایسی وضاحت سے مشتہر کئے جائیں کہ عام و خاص جاہل و عالم ہر شخص اس کی کیفیت اور صورت واقعہ اچھی طرح سمجھ

ے حتیٰ کہ سمجھنے اور دیکھنے میں اس کی کیفیت کے اندر کسی کو اختلاف نہ ہو۔ اگر مرزا اس شرط کے ساتھ کوئی آسمانی کرامت و نشان
س ہفتہ ہی میں دکھلا دے تو اس کی بڑی نوازش ہوگی اور اگر اس میعاد کے اندر ایسی کرامت دکھلانے سے عاجز آجائے تو اس کے
عتراف عجز کے بعد انشاء اللہ العزیز میں وہی کرامت اور آسمانی نشان جو مرزا طلب کرے گا دس کے بجائے پانچ ہی ہفتہ کے اندر دکھا دوں
گا۔ اور ایسا آسمانی نشان دیکھنے کے بعد مرزا پر صرف یہ واجب ہوگا کہ وہ اپنے مبتدعانہ عقاید سے توبہ کرے گا اور توبہ نامہ شائع کردے گا۔"
مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے ماہوار رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں صوفی صاحب کا یہ پیغام درج کر کے اخیر میں لکھا کہ میں نے بالفعل صوفی صاحب
کا نام قلم انداز کر دیا ہے۔ اُن کا نام اور پتہ اُس وقت شائع کیا جائیگا جب قادیانی صاحب اس شرط سے نشان دکھلانا یا دیکھنا منظور
کر کے کسی اخبار میں اس کا اعلان کر دیں گے اگر پہلے سے ان کا نام مشتہر کیا جائے تو قادیانی صاحب ان میں کسی قسم کی جرح نکال کر
ٹال مٹول شروع کر دیں گے جیسے کہ ان کی قدیم عادت ہے ہم ان کی حکمت عملیوں سے خوب واقف ہیں۔

میر عباس علی لدھیانوی کی طرف سے یاد دہانی

جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں صوفی صاحب کا پیغام شائع ہوا تو لوگ بہت دن تک یہ معلوم کرنے کے مشتاق رہے کہ مرزا صاحب مرد میدان بن کر مقابلہ پر آتے
ہیں یا نہیں؟ لیکن جب مرزائے قادیاں نے بہت دن تک کروٹ نہ بدلی تو میر عباس علی صاحب لدھیانوی نے مرزا صاحب کے نام
یہ رقعہ لکھ کر یاد دہانی کی۔ "از جانب عباس علی بخدمت مرزا غلام احمد قادیانی۔ عرض ہے کہ جواب "فیصلہ آسمانی" مندرجہ اشاعۃ السنۃ
صفحہ ۱۵ جو ایک صوفی صاحب بالمقابل آپ کے وعدے کے کرامت دیکھنے یا دکھلانے کی درخواست کرتے ہیں بھیج کر التماس ہے
کہ آپ کو اس میں جو کچھ منظور ہو تحریر فرما دیں تاکہ اس کے موافق عمل درآمد کیا جائے اور مضمون صفحہ ۱۵ بغور ملاحظہ ہو کر فریق ثانی آپ
عاجز ہونے پر کام شروع کر دے گا۔ (الراقم عباس علی از لدھیانہ ۶ مئی ۱۸۹۲ء)

نام نہاد فیصلہ آسمانی کے تصفیہ کا اعادہ

مرزا صاحب نے اس رقعہ کے جواب میں مردانہ وار آمادگی ظاہر کرنے کی بجا[ئے] ... اپنا پیچھا
چھڑا کر جان بچانے کی کوشش کی۔ "امابعد بخدمت میر عباس [علی] ... [بعد السلام] ... الرد حقیقت کوئی
صوفی صاحب اس عاجز کے مقابلہ پر اُٹھے ہیں اور جو کچھ "فیصلہ آسمانی" میں اس عاجز نے ... ہیں کرکے تصفیہ حق اور باطل کا
چاہتے ہیں تو سب سے پہلے لازم ہے کہ وہ چوروں کی طرح کارروائی نہ کریں ... باہر نکالیں اور مرد میدان بن کر ایک
اشتہار دیں اسی اشتہار میں بتصریح اپنا نام لکھیں اور اپنا دعویٰ بالمقابل ظاہر فرمائیں اور پھر اس طرز پر چلیں جس طرز پر اس عاجز نے
"فیصلہ آسمانی" میں تصفیہ چاہا ہے اگر وہ طرز منظور نہ ہو تو فریقین میں ثالث مقرر ہو جائیں جو کچھ وہ ثالث حسب ہدایت اللہ و رسول کے
روحانی آزمائش کا طریق پیش کریں وہی منظور کیا جائے چوروں، نامردوں اور مخنثوں کی طرح کارروائی کرنا کسی صوفی صافی کا کام نہیں ہے
جبکہ اس عاجز نے علانیہ اپنی طرف سے دو ہزار جلد "فیصلہ آسمانی" کی چھپوا کر اسی غرض سے تقسیم کی ہیں تاکہ اگر اس فرقہ مکفرہ میں کوئی صوفی اور اہل
صلاح موجود ہے تو میدان میں باہر آجائے۔ تو پھر برقعہ کے اندر بولنا کس بات پر دلالت کر رہا ہے کیا یہ شخص مرد ہے یا عورت جو اپنے تئیں صوفی
کے نام سے ظاہر کرتا ہے۔ (الراقم غلام احمد ۷ مئی ۱۸۹۲ء)

میر عباس علی کی طرف سے جواب الجواب

اس کے جواب میں میر عباس علی صاحب نے لکھا "بعد الحمد والصلوٰۃ بخدمت مرزا غلام احمد صاحب۔
آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۷ مئی میرے نیاز نامہ کے جواب میں وارد ہوا۔ اسے اول سے آخر تک پڑھ کر

سخت افسوس ہوا کہ آپ نے دانستہ ٹلانے کے واسطے "سوال از آسمان جواب از ریسمان" کے موافق عمل کر کے بچنا چاہا ہے۔ اصل مطلب تو آپ نے چھوڑ دیا یعنی آزمائش کے واسطے وقت اور مقام مقرر نہیں کیا بلکہ پھر آپ نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق کاغذی گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے جناب من جس طرح آپ نے "فیصلہ آسمانی" میں لکھا تھا اسی طرح "اشاعۃ السنہ" میں ان صوفی صاحب نے جواب ترکی بہ ترکی شائع کر دیا ہے۔ آپ کو تو غیرت کر کے بلا تحریک دیگرے خود ہی طیار ہو جانا چاہیئے تھا۔ برعکس اس کے تحریک کرنے پر بھی آپ بہانہ کرتے ہیں اور ٹلاتے ہیں۔ صوفی صاحب نے خود قصداً اپنا نام پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ مولوی محمد حسین صاحب نے کسی مصلحت سے ظاہر نہیں کیا۔ ناحق آپ نے کلمات گستاخانہ صوفی صاحب کی نسبت لکھ کر ارتکاب عصیاں کیا۔ سو آپ کو اس سے کیا بحث ہے؟ آپ کو تو اپنے دعوے کے موافق طیار رہنا چاہیئے۔ مولوی محمد حسین صاحب خود ذمہ دار ہیں فوراً مقابلہ پر موجود کر دیں گے لہذا اب آپ ٹلائیں نہیں۔ مرد میدان بنیئے اور صاف لکھیئے کہ فلاں وقت اور فلاں جگہ پر موجود ہو کر آزمائش و اظہار کرامت متدعویہ شروع کیا جائیگا اور یہ عاجز بصد عجز و نیاز عرض کرتا ہے کہ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہو تو حیلہ بہانہ کیوں کرتے ہو؟ میدان میں آؤ دیکھو یا دکھاؤ۔ صاف باطن لوگ دغل باز نہیں ہوتے حیلہ بہانہ نہیں کیا کرتے۔ کیا آسمانی برکات والے حضرات بیٹیاں مقرر کیا کرتے ہیں؟ یا رجسٹر کھلوایا کرتے ہیں؟ اس قسم کی کارروائی صرف دھوکا دینا اور دفع الوقتی پر مبنی ہے۔ افسوس صد افسوس۔ اللہ سے ڈرو۔ قیامت پیش نظر رکھو ایسی پیری مریدی پر خاک ڈالو (عریضہ نیاز میر عباس علی از لدھیانہ روز دوشنبہ ۹ مئی ۱۸۹۲ء)

میدان مقابلہ سے مرزا صاحب کی شان دار پسپائی

مرزا صاحب لوگوں کے غیرت دلانے کی پروا نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ مبارزت خواہوں کو ہمیشہ شرطوں ہی کی بھول بھلیوں میں الجھائے رکھیں۔ مقابلہ مبارزہ کی حتی الامکان نوبت نہ آئے اور گھر بیٹھے ہی خوش اعتقاد دام افتادوں کے سامنے اپنی عظمت و برتری کی ڈینگیں مارتے رہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ الہامی صاحب اتنی غیرت دلانے کے باوجود مقابلہ پر آمادہ نہ ہوتے لیکن خانہ ساز مسیح صاحب نے حسب معمول اب کی مرتبہ بھی مقابلہ پر فرار کو ترجیح دی اور باوجودیکہ میر صاحب نے صاف لکھ دیا تھا کہ مولوی محمد حسین صوفی صاحب کو مقابلہ پر لانے کے لئے خود ذمہ دار ہیں لیکن الہامی صاحب نے مکرر سہ کرر یہی رٹ لگائی کہ صوفی پردے سے باہر کیوں نہیں آتا۔ تاہم اس مطالبہ کے بعد مرزا صاحب کو خیال آیا کہ فریق مقابل کہیں سچ مچ صوفی صاحب کو مقابلہ پر نہ لا کھڑا کرے اس لئے چٹھی کے اخیر میں یہ لکھ کر اپنی شان دار پسپائی پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ "مکرر واضح رہے کہ اب اتمام حجت کر دیا گیا آیندہ ہماری طرف ایسی پر تعصب تحریریں ہرگز ارسال نہ کریں۔ جب یہ تحریریں چھپ جائیں گی تو منصف لوگ خود معلوم کر لیں گے کہ کس کی بات انصاف پر مبنی ہے (مرزا غلام احمد ۹ مئی ۱۸۹۲ء)

کرامت نمائی مرزا صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا

مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں لکھا کہ قادیانی کے ہاتھ سے کسی آسمانی نشان کا ظاہر ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا سوئی کے سوراخ میں سے اونٹ کا نکل جانا عادتاً ناممکن ہے کیونکہ آسمانی نشان بجز اہل اسلام کے کوئی نہیں دکھا سکتا اور یہ حقیقت باتفاق جمہور علمائے ہندوستان مسلم ہے کہ قادیانی مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے پس اس کا آسمانی نشان دکھانا بالکل ناممکن ہے اگر اس کو آسمانی نشان دکھانے کی قدرت ہوتی تو وہ آج تک لاکھوں کروڑوں ہندوؤں اور عیسائیوں کو مسلمان کر لیتا اور نہیں تو ڈاکٹر جگن ناتھ ملازم ریاست جموں جیسے مدعیان تسلیم و تصدیق کو ہی کوئی نشان دکھا کر دائرہ اسلام میں لے آتا لیکن اس سے آج تک ایسا نہ ہو سکا یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آسمانی نشان اس کے بس کا روگ نہیں۔ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ محض لفاظی اور افترا پردازی ہے۔

باب ۶۶ شاہ نعمت اللہؒ کی پیشین گوئی میں مفید مطلب قطع برید

جو شخص کسی مذہبی فرقہ کا مقتدا ہو۔ اسے تقویٰ اور دیانت کی راہ سے نہیں تو کم ازکم اس خیال سے ہی منہیات سے باز رہنے کی ضرورت ہے کہ مبادا اس کے پیرو بدگمان ہو جائیں لیکن رئیس قادیاں کے "خوش عقیدہ" پیرو سب کچھ دیکھنے سننے کے باوجود اپنی جبین نیاز ان کے آستانۂ الحاد پر رکھ دیتے تھے اور نفرین کی بجائے ہر وقت تائید و نصرت کے لئے کمر بستہ رہتے تھے یہی وجہ تھی کہ مرزا صاحب کے لئے ہر قسم کی بے اعتدالیوں کا ارتکاب آسان ہو گیا تھا۔ رسالہ "نشان آسمانی" میں امامی صاحب نے جو حرکت کی وہ بطور مثال پیش کی جاتی ہے۔

اپنی مہدویت کے ثبوت میں ایک مخترع شہادت

دعوٰی کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے دعوٰی کی تصدیق کے لئے معجزے پیش کیا کرتے تھے لیکن چونکہ رئیس قادیاں کو تائید ربانی حاصل نہ تھی اور باوجود بڑی بڑی ترانیوں اور خود ستائیوں کے اپنے دعووں کی تائید میں کوئی بیرونی شہادت پیش نہیں کر سکتے تھے اس لئے ان کے تقدس کا سارا جمع خرچ اور سخن ترانیوں پر تھا۔ ایک مرتبہ ان کو شوق چرایا کہ اپنے مہدی ہونے کی کوئی بیرونی شہادت پیش کریں۔ اس کوشش میں ۱۸۹۲ء میں "نشانِ آسمانی" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں اپنے مہدی آخر الزمان ہونے کے ثبوت میں شاہ نعمت اللہ کرمانیؒ کا قصیدہ پیش کیا اور اس کے سرورق پر لکھا "الحمد للہ والمنہ کہ رسالہ شافیہ کافیہ جو مخالفوں پر حجت اللہ اور موافقوں کے لئے موجب زیادتِ ایمان و عرفان ہے"۔ اسی کے ساتھ حسب ذیل قطعہ بھی بطور چیلنج اسی ٹائیٹل پیج پر بحروف جلی:...

این است نشانِ آسمانی — مثلش بنما اگر توانی
یا صوفیٔ خویش را بروں آر — یا توبہ بکن زبدگمانی

شاہ نعمت اللہ کے قصیدہ میں اختلافات

شاہ نعمت اللہؒ ایک بلند پایہ صوفی گزرے ہیں [illegible] پیدا ہوئے اور ۸۳۴ھ میں بمقام ماہان جو کرمان کے مضافات میں ہے وفات پائی [illegible] تالیف میں ایک قصیدہ جس میں انہوں نے حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور اور مستقبل کے بعض دوسرے اہم واقعات کے متعلق بر سبیل کنایات کچھ پیشین گوئیاں کی ہیں بہت مشہور ہے۔ یہ قصیدہ غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے اس درجہ کمیاب تھا کہ ہندوستان بھر میں اس کے چار ہی پانچ نسخے پائے جاتے تھے اور پھر یہ جو چند نسخے تھے ان میں بھی کسی قدر اختلاف تھا۔ ان اختلافات کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ صدیوں تک قلمی نسخوں کی نقل در نقل ہوتے ہوتے کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ہو جاتی رہیں۔ شاہ صاحب نے ان اشعار میں حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کا سال بھی حروف ابجد میں بتایا ہے لیکن بدقسمتی سے قصیدہ کے مختلف نسخوں میں یہ حروف ابجد بھی مختلف ہیں اس وجہ سے کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا مشکل ہے ممکن ہے کہ بعض مدعیان مہدویت اور ان کے پیرو ہی ان اختلافات کے اصل ذمہ دار ہوں اور وہی اپنی سنہری روپہلی مصلحتوں کی بنا پر ان میں تغیر و تبدل کرتے رہے ہوں۔

قصیدہ کا مصداق بننے کے لئے لفظ محمد کو احمد سے بدل دیا

جس طرح بعض دوسرے مدعیان مہدویت اس قصیدہ کو اپنا آلۂ کار براری بناتے رہے ہیں اسی طرح مرزا صاحب نے بھی اس سے ناجائز فایدہ اٹھانا چاہا اور اس غرض

کے لئے تحریف و تبدیل کے کند ہتھیار دل سے اس کا حلیہ بگاڑا لیکن فرق یہ ہے کہ قادیانی صاحب نے جس شدّ و مدّ سے اس قصیدہ پر دستِ شفقت دراز کیا اتنا ان کے پیش روؤں میں سے کسی سے نہ بن پڑا تھا مرزا صاحب نے نہ صرف اشعار کی ترتیب میں ہیر پھیر کیا اور بعض الفاظ و تراکیب کو مقدم و مؤخر کر دیا بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام کے اسم گرامی میں بھی تحریف کر دی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہو گا۔ چنانچہ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اسْمِيْ رواه الترمذي وابوداود وفي رواية له لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَبْعَثَ اللّٰهُ فِيْهِ رَجُلًا مِنِّيْ اَوْ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اسْمِيْ وَاسْمُ اَبِيْهِ اِسْمَ اَبِيْ يَمْلَاُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مِنْ اَوْلَادِ فَاطِمَةَ رواه ابوداود (مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا اس وقت تک خاتمہ نہ ہو گا جب تک میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک نہ ہو لے اس کا نام میرے نام کے مطابق ہو گا اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر (بالفرض) دنیا کے اختتام میں صرف ایک دن باقی رہ گیا ہو گا تو بھی حق تعالیٰ اس دن کو طویل کر کے میرے اہلبیت میں سے ایک شخص کو مبعوث کرے گا جن کا نام میرے نام (محمدؐ) اور ان کے والد کا نام میرے والد (عبداللہ) کے اسم گرامی سے موافقت رکھتا ہو گا۔ وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح اس سے پیشتر ظلم و جور سے بھری ہو گی اور حضرت ام سلمہ رضؓ سے روایت ہے کہ سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میری عترت سے یعنی فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔" اس حدیث کو محدث ابوداؤد نے روایت کیا۔

شاہ نعمت اللہ کے قصیدہ میں بھی حدیث نبویہ کے مطابق حضرت مہدی علیہ السلام کا نام نامی محمد ہی مذکور ہے چنانچہ پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران میں جہاں یہ قصیدہ نقل کیا ہے یہ شعر یوں درج کیا ہے ؎

میم حا میم دال می‌خوانم　　نام او نامداری بینم

خواجہ عبدالغنی صاحب تتلوی کے پاس اس قصیدہ کا جو نسخہ ہے اس میں یہ شعر یوں درج ہے۔

میم و حے میم دال می‌خوانم　　نام او نامداری بینم

غرض دونوں نسخے محمد نام میں متفق ہیں ــ لیکن قادیاں کے الہامی صاحب نے اپنے آپ کو اس بشارت کا مصداق ثابت کرنے کے لئے اس شعر کو یوں بدل دیا ؎　　اح م و دال می‌خوانم　　نام او نامداری بینم

اور اس کی شرح یوں کی کہ کشفی طور پر مجھے معلوم ہوا ہے کہ نام اس امام کا احمد ہو گا" (نشان آسمانی مؤلفہ مرزا غلام احمد ص ۱۵)

مرزائیوں کے "سلطان القلم" نے تحریف تو کی لیکن تحریف و تصرف کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ الہامی صاحب اس ردّ و بدل کے وقت اتنا بھی احساس نہ کر سکے کہ اس سے شعر کا وزن درست نہ رہے گا اور اپنی کم سوادی سے میم اور الف کو ہم وزن سمجھ لیا جب الہامی صاحب پر اس تحریف و تبدیل کا الزام لگایا جاتا ہے تو مرزائی لوگ اپنے مقتدا کی طرف سے کچھ لنگڑی سی صفائی پیش

جب تک تم ہمارے علماء کو قائل نہ کر دو"۔ آخری دعوت کے بعد مرزا صاحب نے کہا اچھا تم اپنے کسی مولوی کو بلا لو۔

ان ایام میں مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری علمائے پنجاب میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ان کا داماد چھاؤنی فیروزپور میں ایک سربرآوردہ تاجر تھا۔ رئیس فیروزپور نے مولوی غلام دستگیر صاحب کے داماد سے کہا کہ مولوی صاحب کو اس کی اطلاع کرو کہ مرزا غلام احمد نے اپنے مقابلہ میں کسی مسلمان عالم کو طلب کیا ہے۔ مولوی صاحب کے پاس پیغام بھیجا گیا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ کوئی قریبی تاریخ مقرر کر کے مجھے اطلاع دو چنانچہ اتوار کا دن مقرر ہوا اور مطبع صدیقی فیروزپور میں اس مناظرہ کے اشتہار چھپ کر بڑی تعداد میں تقسیم ہوئے۔ مقام مناظرہ مسجد مولوی غلام نبی قرار پایا۔ مولوی غلام دستگیر صاحب تاریخ مناظرہ سے ایک دن پہلے کتابیں لے کر فیروزپور پہنچ گئے اور وقت معہود میں مسجد مولوی غلام نبی کے صحن کی ایک جانب کتابوں کا ڈھیر لگا کر جا مقیم ہوئے لیکن الہامی صاحب وقت مقررہ پر مسجد مولوی غلام نبی میں تشریف فرما نہ ہوئے۔ آخر عمائد چھاؤنی فیروزپور مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے حضرت والا! آپ کی خواہش کے موجب ہمارا ایک عالم مقام مناظرہ میں پہنچ کر آپ کا انتظار کر رہا ہے جلد تشریف لے چلئے۔ مرزا صاحب نے حیلے حوالے شروع کئے اور رؤسا کو بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ آخر مولوی غلام دستگیر کی تحریک سے وہ لوگ دوبارہ سہ بارہ گئے لیکن الہامی صاحب مقابلہ پر کسی طرح رضامند نہ ہوئے۔ تیسری مرتبہ جب زیادہ اصرار ہوا تو فرمانے لگے "مجھے الہام ہوا ہے کہ آج کل کے مولویوں سے مباحثہ کرنا لاحاصل ہے"۔ لیکن عمائد چھاؤنی نے کسی طرح ان کی جان نہ چھوڑی۔ آخر جب مسیح موعود صاحب نے دیکھا کہ یہ لوگ تو گلے کا ہار ہو گئے ہیں تو فرمانے لگے کہ میں فیروزپور جیسی چھوٹی جگہ میں بحث کرنا مناسب نہیں خیال کرتا البتہ اگر تمہاری خواہش ہو تو کسی مرکزی مقام مثلاً لاہور میں مناظرہ کرنے کو طیار ہوں۔ مسلم عمائد نے کہا اچھا آپ لاہور ہی میں مناظرہ کیجئے لیکن کیجئے ضرور کیونکہ ہمیں آپ کو بر سر مقابلہ دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ آخر موچی دروازہ لاہور کی مسجد چینیاں والی میں بتاریخ ۲۵ دسمبر ۱۸۹۲ء مناظرہ قرار پایا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس مناظرہ کے متعلق برابر اعلان ہوتے رہے۔ آخر مولوی غلام دستگیر صاحب کتابیں لے کر تاریخ معین پر مناظرہ گاہ میں پہنچ گئے۔ قصور، فیروزپور اور پنجاب کے دوسرے اضلاع کے بھی ہزارہا آدمی مناظرہ دیکھنے کے لئے لاہور آ موجود ہوئے لیکن الہامی صاحب نے لاہور آنا پسند نہ فرمایا۔ مولوی غلام دستگیر صاحب پانچ چھ دن تک مرزا صاحب کے انتظار میں لاہور میں مقیم رہے۔ قادیانی صاحب نہ خود آئے نہ کسی کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجا اور نہ تار اور رجسٹری شدہ خط کا کوئی جواب دیا۔ ناچار مولوی صاحب قصور واپس چلے گئے۔ یہ واقعات مولوی قمر الدین صاحب خطیب مسجد جامع زیرہ آباد نے خاکسار راقم الحروف سے بیان کئے تھے جو ان ایام میں مطبع صدیقی فیروزپور کے مہتمم تھے۔

مرزا صاحب کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیانی صاحب نے اس کے بعد ۱۵ جون ۱۸۹۳ء کو پھر لاہور ہی میں مولوی غلام دستگیر صاحب سے مناظرہ کرنا منظور فرمایا چنانچہ ایک چٹھی میں منشی رستم علی کورٹ انسپکٹر کو لکھا کہ (مولوی) عبد الحق (غزنوی) نے بدست منشی محمد یعقوب صاحب ایک خط اس مضمون کا لکھا ہے کہ اس وقت تم عیسائیوں سے مباحثہ کر رہے ہو اس لئے میں مباہلہ مناسب نہیں سمجھتا جس وقت لاہور میں مولوی غلام دستگیر سے بحث ہو گی اس وقت مباہلہ کر دوں گا"۔ لیکن اس کے جواب میں لکھا گیا کہ جو شخص ہم میں سے مباہلہ سے اعراض کرے اور تاریخ مقررہ پر مقام مباہلہ میں حاضر نہ آوے اس پر خدائے تعالیٰ کی لعنت ہو۔" (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۱۲۱) اور ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ کی چٹھی میں جو مولوی عبد الحق غزنوی کو بھیجی تھی مرزا جی نے لکھا کہ میں ۱۵ جون ۱۸۹۲ء کے مباحثہ میں لاہور نہیں جاؤں گا بلکہ میری طرف سے اخویم حضرت حکیم نور الدین صاحب یا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب بحث کرنے جائیں گے" (تاریخ مرزا ص ۳۶) لیکن نہ تو حضرت مسیح موعود کو مولانا غلام دستگیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت ہوئی۔ نہ اخویم حضرت حکیم نور الدین صاحب ہی نے لاہور کا رخ کیا اور نہ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب ہی نے بحث کے لئے لاہور آنے کی جرأت کی۔ بغرض لاہور کے مرزائی نہایت محجوب اور شرمسار ہوئے بعض مسلمانان لاہور نے ان سے کہا کیا ہم نہیں کہتے تھے کہ ؎

بہت جلد ہو جائے گا آشکارا ۔۔۔ کہ جگنو کو سمجھے ہو تم اک شرارا

ختم شد جلد اول

ائمۂ تلبیس یا غارتگرانِ ایمان

(مؤلفہ خاکسار ابو القاسم رفیق دلاوری)

گزشتہ تیرہ صدیوں میں جعلی خداؤں خانہ ساز نبیوں خود ساختہ مسیحوں اور جھوٹے مہدیوں نے عالم اسلام میں جو ہلچل ڈا[ل]
بہت کم حضرات واقف ہوں گے یہی وہ طائفہ ہے جس کے متعلق حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اِنَّمَا اَخَافُ
الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ (مجھے اپنی امت کے حق میں گمراہ کرنے والے پیشواؤں کا بڑا کھٹکا ہے) ان ائمہ ضلالت میں سے بعض تو
زمان بنیے کے ارمان پورے کرسکے لیکن بعض ایسے کامیاب تھے جو اپنے جھوٹے دعووں کی بدولت خاکِ مذلت سے اٹھکر آسمانِ عزت پر
اور اولاد کو تخت سلطنت پر بٹھا گئے۔ گو ان دزدانِ قافلۂ ایمانی کی شر انگیز یاں سخت روح فرسا ہیں تاہم ان کو تاریخ اسلام میں خاص اہمیت حاصل
ائمہ ضلالت و تلبیس کی اغوا کوشیاں یکساں اور ہم رنگ ہوتی ہیں اس لئے یہ کتاب مسلمانوں کو نت نئے دجالوں کی صید افگنیوں سے محف[وظ]
رکھنے کی کفیل ہے ضخامت ۲۰×۲۶ کے ۵۰۳ صفحات پر مشتمل ہے قیمت ڈھائی روپے محصول ڈاک نو آنے چند آراء کا خلاصہ ملاحظہ ہو

روزنامۂ "زمیندار" لاہور

اردو زبان کو "ائمۂ تلبیس" کی اشاعت پر فخر ہے

جریدہ "زمیندار" رقمطراز ہے: "کتاب ائمہ تلبیس کی دو حیثیتیں ہیں۔ اول علمی اور تاریخی، دوم تبلیغی اور کلامی پہلی حیثیت کے اعتبار سے یہ کت[اب]
میں سب سے پہلی اور مفصل کوشش ہے جس میں تاریخی لحاظ سے مدعیان کاذب کے حالات اس شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں کہ زبان اردو کو
پر بجا طور پر فخر ہونا چاہیئے تبلیغی حیثیت سے یہ کتاب اس لئے مفید ہے کہ جس طرح ائمہ ہدایت و داعیان حق کے معاملات یکساں اور یک رنگ
اسی طرح ائمہ ضلالت و تلبیس کا معاملہ ہے کہ ان کے شر و فساد کی علامات بھی ایک دوسرے سے مماثل ہوتی ہیں قیمت ڈھائی روپے ہے جو
کتاب کے لئے مناسب بلکہ کم ہے۔ (زمیندار مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء)

روزنامۂ "احسان" لاہور

"ائمۂ تلبیس" بہت قابل قدر کارنامہ ہے

روزنامۂ احسان لکھتا ہے: "رئیس قادیان" کے مصنف جناب ابو القاسم رفیق دلاوری نے "ائمہ تلبیس" کے نام سے دنیائے عقاید کی اصلا[ح کا]
بہت قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ عصر حاضرہ میں جبکہ مسیحیت الوہیت مہدویت وغیرہ کی قبیل کے دعوے کرکے دنیا کو لوٹنا ایک قسم کا فن[...]
"ائمہ تلبیس" کی اشاعت پڑھنے والوں کے لئے بہت دیدہ کشا بنیدہ اور بصیرت افروز ثابت ہوگی۔ کتاب جس قدر مفید ہے اسی قدر دلچسپ بھی

پڑھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ پڑھنے والا جان لیتا ہے کہ دجل و کذب کا جال بچھانے میں مرزائے قادیاں کو جو معمولی سی کامیابی ہوئی وہ ایسے دوسرے مدعیوں کے مقابلہ میں جو پہلے ہو گزرے ہیں عُشرِ عشیر کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ کتابت و طباعت اور کاغذ عمدہ ہیں۔ "احسان" ۱۲ فروری ۱۹۳۷ء)

شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی

"ائمۂ تلبیس" دورِ حاضر کی بہترین تصنیف ہے

افضل اجل اعلم علمائے پنجاب جناب مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ بہاولپور رقم فرماتے ہیں: "باوجودیکہ میں نے مطالعۂ کتب ترک کر دیا تھا کتاب "ائمۂ تلبیس" اتنی دلچسپ ہے کہ میں نے اس کے مطالعہ کیے بغیر آرام و سکون نہیں پایا۔ یہ کتاب پیاسے کے لئے پانی کا حکم رکھتی ہے۔ سب سے زیادہ لطف آور یہ بات ہے کہ حضور آقائے کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوات والتسلیمات کا ذکرِ خیر جہاں کہیں آیا ہے محبت و عشق کا ایک چشمہ اُبل پڑا ہے۔ الغرض کتاب "ائمۂ تلبیس" دورِ حاضر کی بہترین تصنیف ہے (واللہ اعلم) اس کتاب کو خریدنا اور پڑھنا، گھر میں رکھنا، لائبریری میں رکھنا اور غیر مستطیع طلباء کو خرید کر دینا بہت بڑا اجر و ثواب کا کام ہے۔

مولانا عبد القادر صاحب قصوری

مصنف "ائمۂ تلبیس" تمام مسلمانوں کے شکریہ کا مستحق ہے

ادیبِ پنجاب مولانا عبد القادر صاحب قصوری لکھتے ہیں کہ کتاب "ائمۂ تلبیس" کے متعدد مقامات میری نظر سے گزرے ہیں مصنف نے یہ کتاب لکھ کر وقت کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے اور اس لحاظ سے وہ تمام مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں اس موضوع پر اس سے پہلے چونکہ کوئی کتاب موجود نہیں اس لئے یقیناً مصنف کو بیسیوں کتابوں اور ہزارہا صفحات کی ورق گردانی اور حالات کے انتخاب اور واقعات و سوانح کی جمع و ترتیب میں بے حد محنت اور کاوش سے کام لینا پڑا ہے۔ کتاب کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کام کو مولانا رفیق صاحب نے اپنے ذمہ لیا ہے اسے پوری ذمہ داری کے ساتھ سرانجام دینے کی سعی کی ہے اور دعاۃ و مبلغین کے لئے بالخصوص اور عامۃ المسلمین کے لئے بالعموم بہت بڑا سرمایۂ علم و فکر فراہم کر دیا ہے۔ کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ مخالفین کے عقاید و اعمال پر نقد و جرح کرتے وقت انصاف و معقولیت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا کتاب یقیناً اس قابل ہے کہ ہر بہتر کتب خانہ میں جگہ پائے اور مسلمان اس کا مطالعہ کریں۔

پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی

اسلامی تاریخ کا ایک اہم پہلو تشنۂ تکمیل تھا جسے "ائمۂ تلبیس" نے پورا کر دیا ہے۔

پروفیسر حافظ محمود خان صاحب شیرانی لکچرر پنجاب یونیورسٹی لاہور رقم فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب "ائمۂ تلبیس" کو اکثر مقامات سے پڑھا۔ میرے خیال میں یہ کتاب اسلامی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے حقیقت میں اردو زبان کے اندر ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم پہلو ہنوز تشنۂ تکمیل تھا جسے مصنف نے یہ کتاب لکھ کر پورا کر دیا ہے۔ اس کتاب میں واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کی بھی سچی کوشش کی گئی ہے کہ نونہالانِ قوم کے سامنے اسلامی تعلیمات کے صحیح خد و خال پیش کیے جائیں میرے خیال میں ہر لکھے پڑھے مسلمان کا فرض ہے کہ ان تاریخی نوادر کو زیرِ مطالعہ رکھے۔

مولانا عبد الحنان صاحب

"ائمۂ تلبیس" پچاس روپے میں بھی ارزاں ہے

مولانا عبد الحنان صاحب خطیب جامع آسٹریلیا لاہور رقم فرماتے ہیں کہ جھوٹے مدعیوں کے موضوع پر آجتک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی حق تعالیٰ "ائمۂ تلبیس"

مصنف کو جزائے خیر دے جس نے ایسی اہم ضرورت کو پورا کیا مصنف نے بلاشبہ اس بیش بہا خدمت کو انجام دے کر جس سے مرزا و کرامت قادیانی تحریک پر بہت بڑا احسان کیا ہے کیونکہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد انشاء اللہ العزیز آیندہ نبوت و مسیحیت کے نئے دکانداروں کے لئے بالکل محال ہو جائے گا کہ تقدس کی دکان کھول کر کسی مومن کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈال سکیں۔ اس کتاب کا ہدیہ ڈھائی روپے ہے لیکن یہ تالیف اس قدر اہم دلچسپ تاریخی نوادر کا مخزن اور علمی تحقیقات کا منبع ہے کہ اگر بالفرض اس کی قیمت پچاس روپے ہوتی تو بھی ارزاں تھی پس بصورت موجودہ تو یہ بالکل مفت کے برابر ہے۔

مولنا ظفر علی خاں صاحب

"ائمہ تلبیس" ایک گرانمایہ تصنیف ہے

مولنا ظفر علی خاں صاحب ممبر مرکزی اسمبلی فرماتے ہیں کہ جس کو پڑھ کر خفا ہوا ابلیس۔ ہے کتاب ائمہ تلبیس یہ "ائمہ تلبیس" ایک گرانمایہ تصنیف ہے جس میں فاضل مصنف نے ان طاغیت کی تاریخ پوری تحقیق کے ساتھ سپرد قلم کی ہے جنہوں نے مسیلمہ کذاب کے وقت سے لے کر غلام احمد قادیانی کے دور تک امت مسلمہ کی گمراہی کا فرض ادا کیا۔ یہ کتاب نہایت دلچسپ انداز میں لکھی گئی ہے اور پڑھنے والے کی معلومات میں یقیناً بیش بہا اضافہ کرنے والی ہے مسلمانوں کے کسی کتب خانہ کو اس سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔

چودھری افضل حق صاحب

"ائمہ تلبیس" مشرقی انقلاب پسندوں کی مکمل چہاردہ صد سالہ تاریخ ہے

مجلس احرار اسلام کے نفس ناطقہ جناب چودھری افضل حق صاحب بی اے ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل فرماتے ہیں:۔

"ائمہ تلبیس" اردو لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اس عظیم الشان تصنیف کو اردو کی عام کتابوں پر قیاس نہ کرنا چاہیئے بلکہ یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل ممتاز حیثیت رکھتی ہے اس بیش بہا تصنیف میں اُن تمام تحریکات کا مفصل تذکرہ موجود ہے جن سے مشرق گزشتہ چودہ صدیوں میں روشناس ہوا۔ "ائمہ تلبیس" انسانی طبائع کی جدت پسندی کا دل آویز مرقع اور مشرقی انقلاب پسندوں کی اولوالعزمیوں کی چہاردہ صد سالہ تاریخ ہے۔ یہ کتاب محض مذہبی نقطۂ نظر ہی سے دلچسپیوں کا مخزن و معدن نہیں بلکہ مادی انقلابات کے لئے منزل کامرانی کے لئے مشعل راہ بنا سکتے ہیں میری خواہش ہے کہ یہ کتاب تمام لائبریریوں میں رکھی اور پڑھی جائے۔

علامہ حکیم ابو الحسنات سید محمد احمد صاحب

"ائمہ تلبیس" ہزار روپیہ کی کتابوں کے برابر معلومات بہم پہنچاتی ہے

جناب علامہ حکیم ابو الحسنات سید محمد احمد صاحب قادری خطیب جامع وزیر خاں لاہور رقمطراز ہیں کہ میں نے مولنا ابو القاسم رفیق دلاوری کی کتاب "ائمہ تلبیس" کا مطالعہ کیا میری ناقص رائے میں یہ کتاب ایک کوزہ ہے جس میں دریا بھرا ہوا ہے۔ تاریخ کامل ابن اثیر اور قدماء کی مولفات کے مطالعہ کا شوقین جہاں کم از کم ہزار روپیہ خرچ کرکے جن معلومات کا مالک ہو سکتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ "ائمہ تلبیس" ان معلومات پر عبور کرانے کی کفیل ہے مولف نے ایک زبردست ضرورت کو پورا کیا ہے میرے خیال میں یہ کتاب ہر مسلمان کے زیر مطالعہ رہنی چاہیئے تاکہ وہ ہر مسیلمہ کذاب نئے منئے اسود عنسی کو پہچان سکے اور سمجھ سکے کہ مرزا غلام احمد صاحب کا دعوائے نبوت کوئی انوکھا دعوے نہیں بلکہ یہ ایک پرانا مرض ہے اور اس ماتبقی جراثیم بعض دماغوں کو ماؤف کر چکے ہیں۔

ملنے کا پتہ: منیجر دار التصنیف۔ نمبر ۸ فلیمنگ روڈ۔ لاہور

چند مفید اور قابل قدر کتابیں

[illegible]ی۔ یہ کتاب حافظ ابن قیمؒ کے مشہور شاگرد ابن رجب حنبلی دمشقی المتوفی ۷۹۵ھ کی ایک اہم تصنیف کا اردو [illegible]
[illegible]کے مطالعہ سے دل میں محبت مولیٰ اور رجوع الی اللہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تزکیۂ نفس اور رضاء آخرت کے شیدائیوں کے لئے
[illegible]۔ ۲۰×۲۶/۱۶ کے ۴۴ صفحات قیمت ۱۰ /

[illegible]ری مع ترجمہ اردو صحیح بخاری کا بہترین انتخاب ہے ایک کالم میں عربی اور اس کے مقابل اردو ترجمہ دیا گیا ہے [illegible]
[illegible]ت مضامین ہے۔ خوش خط کاغذ چکنا دبیز ضخامت گیارہ سو صفحات اور خوبصورت جلد [illegible]

[illegible]اخلاص کا اردو ترجمہ مصنفہ امام ابن تیمیہؒ ۸۰ صفحات قیمت ڈھائی روپیہ

[illegible]لق وناس (اردو ترجمہ) " " مع عربی متن ۹ /

[illegible]ور (اردو ترجمہ) " " ۹ /

[illegible]ن اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان اردو ترجمہ مصنفہ امام ابن تیمیہؒ [illegible]

[illegible]ہری اردو ترجمہ " ۸ /

[illegible]ہ وایتین مؤلفہ علامہ ابوالکلام آزاد ۸ /

تجدد و ردِ مرزائیت میں مؤلفہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس کتاب میں دس ایسے پختہ اور محکم معیار قرآن مجید اور احادیث [illegible]
کئے گئے ہیں جن پر مرزائی تجدید کو بسہولت پرکھا جا سکتا ہے ۴۰ صفحات کاغذ طباعت نفیس قیمت ۸ /

[illegible]ماء کے بیانات یہ وہ بیانات ہیں جو شیخ الحدیث مولانا سید انور شاہؒ مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ بہاولپور مولانا سید مرتضیٰ حسن [illegible]
[illegible]سٹرکٹ جج بہاولپور کی عدالت میں مرزائیت کے کفر و ارتداد کے متعلق دیئے تھے صفحات ۴۴ قیمت ۶ /

[illegible] بہاولپور کے اس تاریخی مقدمہ کا مشہور آفاق فیصلہ ہے جو ڈسٹرکٹ جج صاحب بہاولپور نے مرزائیوں [illegible]
[illegible]صفحات ۱۵۶ قیمت ۸ /

[illegible]ی پاکٹ بک۔ اگر آپ یہ کتاب زیر مطالعہ رکھیں تو کسی بڑے سے بڑے مرزائی کی بھی یہ مجال نہیں کہ
[illegible] اگر کبھی مقابلہ کی جرأت کی تو چاروں شانے چت گرے گا صفحات [illegible] کاغذ چھپائی اعلیٰ مجلد قیمت [illegible]

[illegible] مؤلفہ علامہ ابوالکلام آزاد قیمت پانچ آنہ

[illegible]ساوات۔ مؤلفہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کے لئے نہایت مفید ہے قیمت ۶ /

[illegible]اور قرآنی تعلیمات۔ مصنفہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ قیمت چار آنے

[illegible]نات مع۔ یہ کتاب رائٹ آنریبل سر سید امیر علی پریوی کونسلر کی شہرۂ آفاق تصنیف سپرٹ آف اسلام کے حصہ اول کا اردو ترجمہ
[illegible]ت فصیح و بلیغ ہے ضخامت تقریباً دو سو صفحات قیمت مجلد سوا روپیہ

[illegible]ن یعنی سوانح عمری حضرت سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم قیمت بارہ آنہ۔